ایران

افکار و عزائم

نذیر احمد

عقیدہ لائبریری
www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے.

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com	www.islamic-forum.net
www.sadaislam.com	www.khatm-e-nubuwwat.com
www.zekr.tv	www.kitabosunnat.com
www.kalemeh.tv	www.muhammadilibrary.com
www.ahlehaq.org/hq	www.islamqa.info/ur
www.islamhouse.com	www.quran-o-sunnah.com
www.eeqaz.com	www.deeneislam.com
www.tauheed-sunnat.com	www.nadwatululama.org

ایران

افکار و عزائم

نذیر احمد

اشاعت اول ۔ اپریل 1997ء

قیمت 200 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

فہرست مضامین

	راقم کا مختصر تعارف	(ا)
۱۔	پیش لفظ	۱
۲۔	ایران کا مذہبی انقلاب	۸
۳۔	مذہبی انقلاب کے مخالفین	۱۷
۴۔	ایرانی انقلاب کی برآمد	۳۳
۵۔	ایران اور شیعیت	۴۱
۶۔	ایران اور اس کی سنی آبادی	۴۷
۷۔	ایران اور پاکستان	۵۳
۸۔	ایران اور پاکستانی شیعہ	۷۹
۹۔	جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے محرکات و مضمرات	۸۹
۱۰۔	ایران اور کشمیر	۹۶
۱۱۔	ایران اور ہندوستان	۱۰۹
۱۲۔	ایران اور افغانستان	۱۳۶
۱۳۔	ایران اور ترکی	۱۶۰
۱۴۔	ایران اور عراق	۱۷۳
۱۵۔	ایران اور پی ایل او	۱۸۷
۱۶۔	ایران اور لیبیا	۱۹۴

ایران اور خلیج کے عرب ممالک
۱۷- سعودی عرب ۲۰۰
۱۸- متحدہ عرب امارات ۲۱۱
۱۹- قطر ۲۱۷
۲۰- بحرین ۲۲۰
۲۱- یمن ۲۲۳
۲۲- خلیج کی سلامتی کا معاہدہ ۲۲۵
۲۳- ایران اور وسطی ایشیا کی آزاد ریاستیں ۲۳۰
۲۴- ترکمانستان ۲۳۲
۲۵- قازقستان ۲۳۴
۲۶- تاجکستان ۲۳۷
۲۷- قرغزستان ۲۴۴
۲۸- ازبکستان ۲۴۵
۲۹- آذر بائیجان ۲۴۷
۳۰- بحیرہ خزر کے ساحلی ملکوں کا اتحاد ۲۵۲

راقم کا مختصر تعارف

راقم 7 نومبر 1920 کو مشرقی پنجاب میں ضلع جالندھر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ جون 1940 میں دہلی سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا اور وزارت تعلیم، حکومت پاکستان، اسلام آباد سے 7 نومبر 1980 کو ریٹائر ہوا۔ 1981 سے 1985 تک نیشنل پریس ٹرسٹ، اسلام آباد سے بحیثیت مینیجر منسلک رہا۔

اپریل 1958 سے جون 1966 تک راقم تہران میں سفارت پاکستان کے کلچرل اٹیچی آفس کا رکن رہا۔

راقم نے 1940 سے 1947 کے درمیان تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور اس دوران دو بار قائداعظم کے ساتھ ہاتھ ملانے کا شرف بھی حاصل ہوا جس سے میرے اندر وطن کی خدمت اور اس کی سلامتی کے لئے فکری و عملی تحریک پیدا ہوئی ۔ چنانچہ ایران میں اپنے قیام کے دوران وہاں کے اخبارات، درسی کتب اور دوسرے لٹریچر کے مطالعے کا موقع ملا تو وہاں کی صحافت و اشاعت اور سرکاری بیانات و تبصرے جن کا تعلق پاکستان سے تھا اور جو ایک پاکستانی کے دل و دماغ پر ناخوشگوار اثرات مرتب کرتے تھے، راقم اپنی ڈائری میں بطور یاد داشت رقم کر لیتا تھا۔ راقم نے ایران کے ادبی و سرکاری حلقوں میں علامہ اقبال کو متعارف کرانے اور پاکستان کے خلاف ہندوستان کے معاندانہ منفی پراپیگنڈے کی نفی کرنے کی حتی الوسیع کوشش کی۔

1959 میں راقم کی ملاقات ایران کے مشہور اسلامی اور ادبی اسکالر احمد سروش سے ایک تقریب میں ہوئی۔ اس ملاقات میں جہاں سروش نے علامہ اقبال سے بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا وہیں قائداعظم سے متعلق موصوف کی بعض متعصبانہ آراء کو سن کر راقم کو دلی رنج اور صدمہ ہوا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ پاکستان سے متعلق ہندوستان کے منفی پروپیگنڈا کا بری طرح شکار ہے۔ اس نے کہا ”انگریز حکمرانوں نے متحدہ ہندوستان کو کمزور کرنے کی غرض سے برصغیر کی تقسیم کا منصوبہ بنایا اور اس سلسلے میں (قائداعظم) جناح نے انگریزوں کے ایک

آلہ کار کا کردار ادا کیا جبکہ مسلمانوں کی اکثریت نہیں چاہتی تھی کہ ہندوستان تقسیم ہو"۔

احمد سروش کو پاکستانی نکتہ نظر سے ہم آہنگ کرنے کی کوششوں میں میرے کوئی تین سال صرف ہوئے۔ اس دوران سروش کی آگہی کے لئے مجھے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے متعصبانہ اور نفرت آمیز سلوک اور رویئے بلکہ دشمنی پر مبنی بے شمار نظیریں اور مثالیں پیش کرنی پڑیں۔ انہیں بتایا گیا کہ ہندوؤں کے چوکوں (باورچی خانوں) میں کتے بے روک ٹوک داخل ہو کر کھانے کے برتنوں کو چاٹیں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن کسی مسلمان کا قریب سے گذرنا بھی ان کو گوارا نہ تھا۔ یہاں تک کہ اگر کسی ہندو مرد یا عورت جو کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر گذر رہی ہو اور اس کے بدن کا کپڑا بھی کسی مسلمان راہی سے چھو جائے تو اس کی نظر میں تمام کھانا بھرشٹ ہو جاتا تھا ناپاک اور ناقابل استعمال ۔ مسلمانوں کو وہ اچھوت اور ملیچھ (ناپاک) سمجھتے تھے۔

احمد سروش کو راقم نے جب بتایا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے پاؤں جمانے میں بڑھ چڑھ کر مدد کرنے والا ہندو تھا تو میری بات کا اسے اعتبار نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ ہندو لیڈروں نے تو انگریزی راج کے خلاف بڑی جدوجہد کی اور قربانیاں دی ہیں۔ میں نے اسے باور کرایا کہ ہندوؤں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ برصغیر کے مسلم حکمرانوں کا از خود مقابلہ کر سکتے ۔ لہٰذا انہوں نے ان کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا اور نووارد انگریز آباد کاروں کا ہاتھ مضبوط کیا یہاں تک کہ ہندوستان میں مسلم سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر مسلمانوں پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے برطانوی سرکار سے مراعات حاصل کیں اور جب زندگی کے ہر شعبے میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تو اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز انگریزی سرکار کے پرچم تلے رہ کر آزادی کے مطالبے سے کیا۔

احمد سروش کہنے لگا کہ "صحیح صورت حال اب میری سمجھ میں آئی ہے۔ آپ نے مجھے روشنی دکھا دی"۔ راقم نے کہا کہ "مجھے آپ کی بات کا اس

وقت یقین آئے گا جب ایک مشہور اسکالر کی حیثیت سے اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے آپ اس موضوع پر کچھ لکھیں گے۔

چنانچہ میری خواہش کے مطابق اور ایرانیوں کی آگہی کے لئے احمد سروش نے مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کے فارسی کلام کو یکجا کیا اور ایک طویل معلوماتی مقدمہ کے ساتھ "کلیات اقبال" کے نام سے شائع کیا۔ سروش نے اس مقدمہ میں ہندوستان کی تقسیم کے حق میں کم و بیش وہی دلائل دیئے جو ایک پاکستانی کی سوچ سے ہم آہنگ تھے۔ مقدمہ کے آخر میں سروش نے راقم کو تشکر کے الفاظ سے یاد کیا۔

گو پاکستان کے اس وقت کے سفیر متعین ایران کو اس کتاب میں میرا ذکر خیر سخت ناگوار گزرا لیکن چونکہ ایران میں علامہ اقبال پر شائع ہونے والی یہ پہلی کتاب تھی، جولائی 1964 میں صدر ایوب کے دورہ تہران کے موقع پر سفیر پاکستان نے اپنی ذاتی کارکردگی دکھانے کے لئے انہیں یہ کتاب پیش کرنے کیلئے ایک تقریب کا اہتمام کر دیا۔

صدر ایوب کو اپنی کتاب پیش کرنے سے پہلے احمد سروش نے میرا ہاتھ پکڑ کر صدر کو بتایا کہ "مجھے اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کرنے کا اصل متحرک یہ شخص ہے۔ یہ کتاب اسی شخص کی تحریک سے پایہ تکمیل کو پہنچی"۔

صدر ایوب کے اس سوال پر کہ کیا آپ نے اقبال کی سرزمین بھی دیکھی ہے ؟ سروش نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ "بندہ کی واحد آرزو علامہ اقبال کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کرنا ہے"۔ صدر نے حکم دیا کہ احمد سروش کو فوراً پاکستان بلا کر ان کی یہ خواہش پوری کی جائے۔

لیکن افسوس کہ صدر پاکستان کے اس حکم کے باوجود ہمارے سفیر کی مجھ سے ذاتی رنجش اور چپقلش کی بنا پر دیار اقبال کی دید کے خواہاں احمد سروش پاکستان نہ آ سکے اور اپنی خواہش دل ہی میں لئے ہوئے 1972 میں اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

1966 میں وطن واپسی پر راقم نے ایک 50 صفحہ کی رپورٹ بعنوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○ پیش لفظ ○

پڑوسی ملک ایران میں اپنے 13 سال سے زیادہ قیام (1958ء سے 1966ء تک اور 1974ء سے 1979ء تک) نے مجھے موقع فراہم کیا کہ میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے ایرانیوں کے رہن سہن اور طور طریق' ان کے معاشرتی اور سماجی عادات و اطوار' نہ صرف ان کے افکار و عقائد بلکہ ان کی توہم پرستی وغیرہ کا بغور مطالعہ کروں اور پڑوسی ملکوں خصوصاً" پاکستان کے ساتھ ان کے رویے کو بہتر طور پر جان سکوں۔ اپنے قیام کے دوران میں نے شاہ کے عروج و زوال اور ان تمام واقعات و حالات جو آخر کار خمینی کے انقلاب کی شکل میں رونما ہوئے' کا ذاتی طور پر مشاہدہ کیا۔

وطن واپسی پر اپنی قوم کو اپنے مشاہدات سے روشناس کرانے کی غرض سے میں نے (Aryamelher to Aytollahs) NOTES ON IRAN کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جو 89-1988ء میں شائع ہوئی۔ میں نے اس کتاب میں ہر اس واقعہ اور بیان کو دستاویزی ثبوت کے ساتھ شامل کیا جس نے میرے احساسات کو ایک پاکستانی کی حیثیت سے متاثر کیا تھا۔ اس کتاب میں وہ تمام مواد موجود ہے جس سے شاہ کے دور میں اس کی حکومت ' سرکاری عملہ' عوام اور کسی حد تک نئی انقلابی حکومت کی اس خطہ ' خصوصاً" پاکستان سے متعلق سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔

بعد ازیں 1991ء سے 1993ء تک کے عرصے میں مجھے ایرانی اور کچھ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ تک رسائی حاصل رہی۔ جس سے پتہ چلا کہ انقلاب کے بعد (خاص طور پر ایران عراق جنگ کے بعد) ایران اپنی اندرونی اور خارجی پالیسی کو نئے سرے سے وضع کرنے کے لئے کیا منصوبہ بندی اور کیا اقدامات کر رہا ہے۔

"ایران کے متعلق میرے تاثرات" مرتب کر کے صدر کو پیش کی جس پر صدر ایوب نے ہدایت کی کہ ایران جانے والے پاکستانی وفدوں کی راہنمائی کے لئے اس رپورٹ سے استفادہ کیا جائے۔

اس رپورٹ کی افادیت اور ایران میں راقم کی قومی خدمات اور رابطوں کے پیش نظر حکومت پاکستان نے ستمبر 1974 میں مجھے آر سی ڈی کے کلچرل انسٹیٹیوٹ میں بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر تعینات کر دیا جہاں اس منصب پر اگست 1979 تک ایران میں خدمات انجام دیتا رہا۔

ڈائری میں اپنے نوٹس کی بنیاد پر راقم نے انگریزی زبان میں ایک کتاب (Aryamehr to Ayatollahs) NOTES OF IRAN مرتب کی جو 89-1988 میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ایران کے سابق حکمران' رضا شاہ پہلوی اور بعد کے انقلابی زعماء کے اولیں دور کی پاکستان سے متعلق رویئے اور طرز عمل اور ایرانیوں کے عادات و اطوار کی عکاسی کرتی ہے۔ دوسری کتاب انگریزی زبان میں دس جلدوں میں "Iran Significants" کے نام سے تیار ہے اور راقم کی ایران سے متعلق تیسری کتاب "ایران - افکار و عزائم" اردو زبان میں ترتیب دی جا چکی ہے۔ اس کتاب کا مواد بھی خود ایران اور بعض دوسرے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ سے ماخوذ ہے۔

راقم کا مقصد اپنی قوم اور حکومت کو صرف روشنی دکھانا ہے تاکہ ہم ایران کے اپنے پڑوسیوں کے متعلق افکار و عزائم سے کماحقہ آگاہ ہو سکیں اور غفلت میں کوئی نقصان اٹھائے بغیر اس ملک کے ساتھ ہمسایہ اور آزاد ملک کی حیثیت سے برابری کی بنیاد پر صحیح خطوط پر چل کر قریبی اور خوشگوار تعلقات استوار کر سکیں جو ہمارے قومی مفادات کے ضامن ہوں۔

ابتدا میں تو تین سالوں کی مختصر مدت کے دوران ایران سے متعلق اکٹھا کیا ہوا یہ مواد کسی موثر اور معلوماتی دستاویز کو زیر تحریر لانے کے لئے ناکافی محسوس ہوا لیکن پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ در اصل یہی تین سال تو ایران کی تاریخ میں بڑی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ 1988ء میں عراق کے ساتھ اپنی جنگ سے کنارہ کش ہو کر ایرانی قیادت نے کئی اہم تاریخی فیصلے کئے' جن میں ملک کے اندر انقلاب کے استحکام ' اسلامی ملکوں میں اپنے مخالفوں کا قلع قمع' اپنے انقلاب کی برآمد' اسلامی ملکوں میں شیعوں کی تنظیم نو اور شیعہ نظریات کا پرچار' دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعے مسلم ملکوں کی حکومتوں کو کمزور کرنا' اور وہاں شیعہ انقلاب یا اپنی مرضی کے حاکم لانا وغیرہ شامل ہیں۔

چنانچہ میں نے پچھلے دو سالوں میں اس مواد کو ایران کی اندرونی اور بیرون ملک حکمت عملیوں کے تناظر میں اس کے اپنے اندرونی حالات اور اس کے مختلف ملکوں کے ساتھ تعلقات اجاگر کرنے کے لئے ترتیب دیا۔ یہ دستاویز (Iran Significants) تقریباً" 3000 صفحوں پر مشتمل' دس جلدوں میں مکمل ہوئی اور تا حال طباعت کے مرحلے میں ہے۔

انگریزی مسودہ کی تکمیل کے ساتھ ہی میرے اندر یہ احساس ابھرا کہ اپنی قوم کی آگہی کے لئے ایران کے اپنے ہمسایہ مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات' عزائم اور طریق کار پر اردو زبان میں بھی مختصراً" لکھا جائے تاکہ ہماری نمائندہ حکومت کے اکابرین اور مقتدرہ تک صحیح صورت حال پہنچائی جا سکے اور ریاست کے حساس ادارے اور سلامتی سے متعلق مختلف خفیہ شعبے اپنے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے پورے کر سکیں اور ہمسایہ ملکوں سے سفارتی تعلقات میں ہم آہنگی اور یک جہتی کی راہ نکل سکے اور گرد و پیش میں وقوع پذیر ہونے والے حالات اور واقعات پر ہماری انتظامیہ کی گرفت مضبوط رہے جو ریاست کی سالمیت اور خود مختاری کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

بدقسمتی سے آج پاکستان دشمنوں میں گھرا ہوا ہے' مشرق میں ہندوستان ہمارا ابدی دشمن ہے اور ہمارے پاکستانی تشخص کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

مغرب میں منافق ایران ہے اور اس کا سب کو علم ہے کہ منافق کھلے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ افغانستان بھی ہماری کمزور اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے ہم سے بدظن ہوتا جا رہا ہے۔ دریں صورت ہمیں ان حقائق سے آگاہ ہونے اور خبردار رہنے کی جتنی اب ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔

میں جب اپنے دوستوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ پاکستان میں ایران کی طرز پر ایک شیعہ انقلاب لانے کی در پردہ تیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ بات کو ہنس کر ٹال جاتے ہیں۔ دراصل ہماری قوم اپنی بے حسی کے باعث حقیقتوں کا سامنا کرنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکی ہے اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہے۔ پاکستان کے لئے قربانیاں دینے والے اور اس کے لئے کام کرنے والے معدودے چند لوگ جو اب اپنی زندگی کی آخری منزل پر پہنچ چکے ہیں' ملک کی سلامتی کے لئے دست بدعا رہتے ہیں' اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ پاکستان کی مادہ پرست اکثریت دنیوی عیش و عشرت حاصل کرنے کے لئے جائز و ناجائز طریقے کام میں لا رہی ہے۔ موجودہ بے حیائی کی لہر اور مغرب کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئی ہیں اور ان کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں وہ سچ کے راستے سے بھٹک چکے ہیں وہ اللہ سے ڈرنے کی بجائے سچ بولنے اور سچ سننے سے گریزاں ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسی قومیں یا تو ختم ہو جاتی ہیں یا دوسروں کی غلام بن جاتی ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ پاکستانی قوم کو وہ دن دیکھنا پڑے۔

مجھے یقین ہے کہ اس ملک میں شیعہ انقلاب کے لئے زبر دست منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ شیعہ لیڈروں نے اب تو بر ملا اعلان کر دیا ہے کہ وہ پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب لانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ اپنے کارکنوں کو ضروری تربیت دینے میں منہمک ہیں۔ پاکستان کے مرکزی سیکرٹریٹ پر قبضہ کرنے کے لئے دو دفعہ ریہرسل بھی کیا جا چکا ہے' درجنوں مسلح تنظیمیں بن چکی ہیں' امام باڑوں اور دوسری خفیہ جگہوں میں اسلحہ اور ہتھیار جمع کئے جا رہے ہیں۔ پاکستانی شیعہ دہشت گردی اور تخریب کاری کی جو ایران سے خصوصی

تربیت حاصل کر آئے ہیں اب پاکستان میں شیعہ نوجوانوں کو مسلسل تربیت دے رہے ہیں۔

پاکستانی پولیس فورس اور دیگر حساس اداروں میں شیعہ دھڑا دھڑ بھرتی ہو رہے ہیں۔ حکومت پاکستان کی اہم وزارتوں میں کلیدی عہدوں پر پہلے ہی ان کا قبضہ ہے۔ ریڈیو ' ٹی وی' بینکاری ' صحافت جیسے دوسرے اہم اداروں میں ان کی اجارہ داری ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان سب کا قبلہ و کعبہ ایران ہے۔ آیت اللہ خمینی ان کے راہبر اور امام ہیں اور ایران کے حکمرانوں کا حکم بجا لانا ان کا جزو ایمان ہے۔ ان کی وفاداریاں پاکستان کی بجائے ایران کے ساتھ ہیں۔

حالیہ کچھ عرصے سے پاکستان کی شیعہ قیادت نے انٹرنیشنل کمیونیزم کے خطوط پر چلائی جانے والی ایران کی انٹرنیشنل شیعیت کی خمینی تحریک کے پاکستان میں غیر موثر نتائج اور ناکامی کے بعد ایک نئی حکمت عملی اپنائی ہے جس کے تحت اتحاد بین المسلمین جیسی تحریک' اخوت اسلامی ' اخوت اکادمی نامی کئی نئی تنظیمیں متعارف کرائی ہیں جن کا مقصد باہمی اختلافات و نظریات سے ہٹ کر اعلیٰ اخلاق و اقدار کو فروغ دینا ہے جبکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ ان تنظیموں کی باگ ڈور نوجوان اور فعال شیعہ قیادت کے ہاتھوں میں ہے جو آئے دن مختلف اسلامی اور قومی موضوعات پر مجالس اور سیمینار کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ ان مجالس میں اکثر و بیشتر ممتاز سنی مسلم مذہبی ' ادبی اور سماجی شخصیات کو نمایاں طور پر مدعو کرتے ہیں' ان موقعوں پر منتظمین کی طرف سے زیادہ زور قومی مفاہمت اور یکجہتی پر دے کر نہ صرف یہ تاثر عام کیا جاتا ہے کہ شیعہ و سنی در حقیقت ایک ہی شجر کی دو شاخیں ہیں بلکہ شیعہ کمیونٹی ہر اعتبار سے بہتر مسلمان اور حب الوطن پاکستانی ہیں۔ اس طرح ان کی غرض و غائیت شیعہ نوجوانوں کی قیادت کو سنیوں میں مقبول بنانا ہے اور ایسی ساز گار فضا پیدا کرنا ہے کہ مناسب وقت پر جب بھی ملک میں شیعہ انقلاب برپا کرنے کا آغاز کیا جائے تو یہی شیعہ نوجوان طبقہ مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے بلا رکاوٹ اپنا شیعہ

مشن پورا کر سکے۔

یہ ایک دور رس خطرناک گہری سازش ہے جس کا صحیح اور بر وقت ادراک پاکستانی مسلمانوں کو شیعوں کی غلامی سے بچا سکتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ ایران نے چند مخصوص پاکستانی شیعوں کو ڈاکٹر اے کیو خان ریسرچ لیبارٹریز کہوٹہ میں داخل کرانے کی کوشش کی تھی تاکہ پاکستان کے ایٹمی راز حاصل کئے جا سکیں' پتہ نہیں کیا نتیجہ نکلا' امکان ہے کہ اس وقت بھی کچھ تقیہ باز افراد وہاں اس مقصد کے لئے موجود ہوں۔

ایران کے مذہبی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ کربلا کا واقعہ ہی ایرانی انقلاب کی کامیابی کا محرک بنا اور امام حسینؓ کی پیروی ان کا مقصد اولیٰ ہے۔ وہ لوگ فخر سے کہتے ہیں کہ ان کے تمام آئمہ شہید ہوئے سوائے امام مہدی کے جو عالم غائب میں ہیں۔ ان کے مذہبی مدارس میں شہادت کی فضلیت بڑے موثر انداز میں بیان کی جاتی ہے۔ پتہ چلا ہے کہ ایران نے خود کش کمانڈوز کی ایک ایسی فوج ترتیب دی ہے جس کا کام جان دے کر اپنے مطلوبہ ہدف کو حاصل کرنا ہے۔

شیعہ طبقہ مسلح ہونا اپنا حق اور تخریب کاری کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ دہشت گردی اور تخریب کاری کے عمل سے بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے' اور شہنشاہ جیسے آمروں کو بھی زیر کیا جا سکتا ہے۔ دراصل ایران کے انقلاب کی بنیاد ہی دہشت گردی اور تخریب کاری پر رکھی گئی تھی اور شاہ کے خلاف انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے ہزاروں ایرانیوں نے پی ایل او کے جارج حبش کی زیر نگرانی عراق ' لیبیا اور لبنان میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت حاصل کی۔ آیت اللہ خمینی کی احسان فراموشی ملاحظہ ہو کہ جونہی ان کا ایران میں اقتدار پر قبضہ بحال ہو گیا' انہوں نے طوطہ چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پی ایل او کو ایران کا دشمن قرار دے دیا۔

پی ایل او کے تربیت یافتہ ایرانی تخریب کاروں نے بعد میں پاسداران انقلاب کے فرائض سنبھال لئے۔ وہ اس فن میں ایسی مہارت حاصل کر چکے

ہیں کہ اب دوسرے اسلامی ملکوں کے شیعہ نوجوانوں کو اپنے کیمپوں میں تخریب کاری کی تربیت دیتے ہیں۔ ان کا دعوی ہے کہ ان کے تربیت یافتہ تخریب کار اپنے جرائم کے ارتکاب کے بعد شاذو نادر ہی پکڑے جاتے ہیں۔

پاکستان کی سنی اکثریت کو شیعہ عقیدے سے چنداں کوئی سرو کار نہیں تاوقتیکہ ایران نواز مقامی شیعہ طبقہ اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں کو کھلے دل سے برداشت کرے، دوسروں پر اپنا نظریہ ٹھونسنے کی کوششوں سے احتراز کرے، بھائی چارہ کی فضا کو خراب نہ کرے،، تخریب کاری کے عمل سے گریز کرے اور ایرانی حکمرانوں کے اکسانے پر اپنے ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ نہ بنے۔

میرے دوست و احباب کا کہنا ہے کہ مجھے شیعہ امور سے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہئے بالخصوص آج کل جب کہ ان کے رویے میں شدید جارحانہ رجحانات پیدا ہو گئے ہیں اور وہ اپنے مخالفوں کو کسی طور برداشت نہیں کرتے، وہ ہر اس اخبار پر حملہ کرتے ہیں جو ان کی خبر نہ چھاپے یا ان کے متعلق کوئی سچی بات لکھ دے، ہر اس کتاب کو جلانے یا ضائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی پسند کی نہ ہو، ہر اس چھاپہ خانے پر دھاوا بول دیتے ہیں جو ان کی پسند کے خلاف کوئی مواد چھاپے اور ہر اس مسجد میں دوران نماز بم پھینکتے ہیں جو صحابہ کرامؓ کے ناموں سے منسوب ہیں یا جہاں عظمت صحابہؓ کا ذکر ہوتا ہو۔

میرا اپنے ان سادہ لوح دوستوں سے صرف اتنا کہنا ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے۔ چند دن کی زندگی کی خاطر حق گوئی سے کیوں گریز برتا جائے۔ آخر برائی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینا اور سچ کہنے سے ڈرنا بھی تو ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ جبکہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اس کا سرچشمہ ایران کے اپنے اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ ہیں۔ جبکہ بہت تھوڑی مقدار میرے ذاتی مشاہدات کی ہے۔ جن کا ایک محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے ذکر کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

رسالت مآب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں اپنے آخری خطبہ کے ذریعے اصول اخلاقیات اور ضوابط حسن معاشرت و مملکت

پر ایک ایسا جامع، مکمل اور لا زوال دستور العمل دیا جس میں صدیاں گزر جانے کے بعد کسی جہت سے کوئی ترمیم یا اضافہ ممکن نہیں اور جو دائمی اور مستقل انسانی منشور کی حیثیت سے ہمیشہ مشعل راہ رہے گا۔

بعد کے ادوار میں گمراہ شدہ طبقوں نے ان قرآنی تعلیمات میں متضاد عجمی تصورات، نظریات اور عقائد کی پیوند کاری کر کے امت واحدہ میں نفاق و افتراق کی راہیں کھولیں جن کے ذریعے بیشمار باطل فرقوں نے جنم لیا۔ ان کا مطمع نظر شرک و بدعت کا پرچار اور لاالہ الا اللہ کی اصل روح کو ہمارے دل و دماغ سے نکال باہر کرنا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے شخصیت پرستی، مردہ پرستی اور خانقاہیت کے غیر اسلامی نظریات اور عقائد کو برصغیر ہندو پاکستان کے کونے کونے میں پہنچایا اور ایسا فروغ دیا کہ آج کفر اسلام پر خندہ زن ہے۔

در اصل اسلام کے دشمن خواہ وہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں، ہمیشہ اس بات کے درپے رہے ہیں کہ مسلم امہ خلافت راشدہ کی طرز پر دوبارہ کسی طور پر کبھی اپنی صف بندی اور تنظیم نہ کر سکے۔

اس مایوس کن صورت حال سے نکلنے کے لئے ہمارے لئے واحد راستہ صرف یہ ہے کہ ان تمام باطل عقائد اور شیطانی تصورات اور نظریات کو جو گذشتہ تین چار صدیوں میں ہمارے درمیان گمراہ کن طبقوں کے ذریعے رواج دے دیئے گئے ہیں اور فرقہ واریت کے جذبات کو اکسایا گیا ہے، ترک کر کے قرآن کی تعلیمات کو اپنے لئے شمع ہدایت بنائیں اور رسول اللہ کی اتباع میں اس کا ریاستی سطح پر عملی نفاذ کریں۔

اللہ تعالی میرے دین میرے وطن اور میری قوم کا حامی و ناصر ہو ○

آمین ○

ایران کا مذہبی انقلاب

شاہ کی زیادہ تر مخالفت تین طبقوں کی طرف سے تھی۔ اولین مخالف طبقہ مذہبی لوگوں کا تھا۔ جو شاہ کی لادینی حکمت عملی، عورتوں کی مغرب زدگی اور ان کو حق رائے دہی دینے اور ہر سطح پر مذہبی طبقہ سے لاتعلقی کی وجہ سے اس کے خلاف تھا۔

شاہ کی مخالفت کا دوسرا ذریعہ طالب علموں کا طبقہ تھا۔ یہ لوگ ایک طرف تو تعلیمی معیار سے شاکی تھے تو دوسری طرف اس بات سے ناخوش تھے کہ ان کی مخبری کے لئے ان کے درمیان طالب علموں کے بھیس میں ساواک کے کارکن گھسا دیئے گئے تھے۔

تیسرا طبقہ وہ تھا جو کسی نہ کسی طرح سے ساواک کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھا۔ اس میں جنوبی تہران کے چھوٹے چھوٹے کاروباری لوگ مقابلتاً" زیادہ مذہبی ہونے کی وجہ سے نمایاں تھے اور جن کا معیار زندگی شمالی تہران میں رہنے والے متمول ایرانیوں سے کہیں نیچا تھا۔ آیت اللہ خمینی ان لوگوں میں کافی مقبول تھے۔ 1963 میں مذہبی فسادات اسی علاقے میں شروع ہوئے تھے جس کی بنا پر آیت اللہ خمینی کو ملک بدر کیا گیا تھا۔

ان کے علاوہ چند ایسی خفیہ پارٹیوں کے ہاتھ بھی تھے جن کا ظاہراً" کوئی نشان نہ تھا لیکن شاہ پر حملوں کی صورت میں یا پولیس کے ساتھ جھڑپ میں کبھی کبھی ظاہر ہوتے تھے۔ ان میں ایک تودہ پارٹی "فدائین" کی تھی جو روس کی پروردہ جماعت سمجھی جاتی تھی اور دوسری "مجاہدین خلق" (اسلامک سوشلسٹ) تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ کرنل قذافی کے زیر اثر ہے اور اس کے کارکنوں کو لیبیا میں تخریب کاری کی تربیت دی جاتی رہی ہے۔

شاہ کا خیال تھا کہ صاف ستھرا اور چمکتا دمکتا تہران ہی اصل ایران ہے۔ اس کو شاید احساس نہ تھا کہ 80 فیصد ایرانی دیہی علاقوں میں مٹی گارے کے مکانوں میں بجلی اور صاف پینے کے پانی سے محروم انسانی معیار سے کہیں پست

حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ لوگ حکومت کی بدترین بے توجہی کا شکار تھے۔ چونکہ ملک میں ہر قسم کے پھل اور سبزی کے علاوہ گندم بھی درآمد ہو رہا تھا اور ڈبوں میں بند کھانے پینے کی چیزیں اسرائیل سے آنی شروع ہو گئیں تھیں۔ اس لئے ان کی پیداوار ٹھپ ہو کر رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ 1973 میں تیل کی قیمتوں اور ملک کی آمدنی میں بے پناہ اضافہ کے باوجود بھی دیہاتی آبادی کی زندگی پر کسی طرح کا کوئی مثبت اثر نہ ہوا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دیہاتی آبادی آہستہ آہستہ تہران منتقل ہونے لگی اور یہ لوگ سگریٹ، غبارے، چنگم اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔

رہائش کے لئے ان لوگوں نے تہران کے جنوب میں کچے مکان بنانے شروع کر دیئے۔ اور چند مہینوں میں یہاں اچھی خاصی مضافاتی بستیاں آباد ہو گئیں۔

اب تہران کی تقریباً" ہر خوبصورت سڑک اور پارک میں یہ خستہ حال لوگ سگرٹ اور غبارے بیچتے ہوئے نظر آنے لگے۔ حکمرانوں کی نظروں میں یہ ناجائز اور گندی بستیاں اور ان خستہ حال لوگوں کا شہر میں وجود خوبصورت تہران کے چہرہ پر ایک بدنما داغ تھا۔ چنانچہ حکومت کے کارندوں نے ان بستیوں کو بلڈوزروں سے گرانا اور ان دیہاتیوں کو شہر سے جبریہ نکالنا شروع کر دیا۔ اس طرح تقریباً" ہر روز شاہ کی خفیہ پولیس اور ان لوگوں کے درمیان خونی تصادم ہونے لگے اور ان علاقوں میں جہاں پہلے ہی شاہ کے خلاف نفرت پیدا ہو چکی تھی اور اضافہ ہو گیا اور شاہ کی مخالفت اور خمینی کی حمایت میں ایک اور زبردست قوت وجود میں آنے لگی۔

ایران میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر امریکہ بھی کافی عرصے سے تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔ اور شاہ پر زور دے رہا تھا کہ وہ ملک میں تھوڑی آزاد خیالی کو بھی فروغ دینا شروع کرے۔ شاہ نے بھی سوچا کہ اس ملک کی سلامتی کا نظام اب اس درجہ مضبوط بنایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو تھوڑی

آزادی خیال دینے کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔

چنانچہ شاہ نے ملاؤں کو خوش کرنے کے لئے تہران میں کچھ مکانوں کو امام باڑوں میں تبدیل کر دیا۔ یہی امام باڑے بعد میں آہستہ آہستہ اسلحہ خانوں میں تبدیل ہوگئے اور آیت اللہ خمینی کی تقریروں کی کیسٹوں کی تقسیم کے مراکز بن گئے۔

1977 کے اواخر تک شاہ کی مزاحمت دبی دبی تھی۔ فدائین اور مجاہدین کے ہاتھوں دہشت گردی اور تخریب کاری کے صرف اکا دکا واقعات ہوتے رہتے تھے اور تہران یونیورسٹی کے ارد گرد مظاہرین اور انتظامیہ کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بھی ہوتی تھیں۔

1978 کے شروع میں انتظامیہ نے سوچا کہ آزاد خیالی کی پالیسی کو اور زیادہ تقویت دی جائے اور حکومت کی مخالف قوتوں کا حوصلہ پست کرنے کے لئے شاہ کے حق میں ایک بڑا مظاہرہ کروا دیا جائے۔ چنانچہ ایران کے شہر قم میں جو شیعہ علماء کی طاقت کا مرکز تھا' ایک بہت بڑی ریلی کا اہتمام کیا گیا۔ جہاں شاہ کے حق میں علماء کے خلاف نعرے بازی کی گئی۔

سیاسی حلقوں کے مطابق اس ریلی کا انعقاد حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ایران کے مختلف شہروں میں شاہ کے خلاف مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اب فدائین اور مجاہدین کے ساتھ ساتھ مذہبی لوگوں کے ذریعے تربیت یافتہ لوگ بھی کھل کر میدان میں آنے لگے۔ اور ملک میں بڑے پیمانے پر تخریب کاری شروع ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ کے خلاف انقلاب کے سلسلہ میں بنیادی کام فدائین اور مجاہدین نے کیا تھا۔ جونہی 1978 کے وسط میں انقلاب مخالف قوتیں زور پکڑنے لگیں۔ مذہبی حلقے اور فدائین اور مجاہدین اکٹھے ہو گئے اور ان سب نے یکجا ہو کر آیت اللہ خمینی کو اپنا علامتی رہبر قبول کر لیا۔

اسی دوران یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ پی ایل او کے لیڈر یاسر عرفات اور خمینی کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت جارج حبش ہزاروں ایرانیوں کو عراق

اور لبنان میں تخریب کاری کی تربیت دے رہے ہیں۔ اور شاہ کے ازلی مخالف کرنل قذافی اس تمام کارروائی کیلئے مالی امداد اور روسی اسلحہ فراہم کر رہے ہیں۔ ان تربیت یافتہ اور مسلح ایرانی گوریلوں کی خفیہ فوج نے اب بڑے پیمانے پر ملک میں تخریب کاری اور دھماکوں کے ذریعے انتشار اور بد امنی پھیلانی شروع کر دی۔

پہلے تو یہ گوریلے ایک ایک' دو دو کی ٹولیوں میں اور پھر درجنوں اور پھر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں عراق سے ایران میں دھکیل دیئے جاتے رہے تھے۔ اگست 1978 میں ابادان میں ریکس سینما میں دھماکے سے 600 سے زیادہ لوگوں کا جل جانا اسی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔ افواہ یہ تھی کہ یہ کام شاہ کے خفیہ ادارے ساواک کا ہے۔

خمینی کی تقریروں کے کیسٹوں نے بھی ایرانی لوگوں میں شاہ کے خلاف نفرت پھیلائی۔ اب یہ کیسٹ جنوبی تہران کے تقریباً ہر چوراہے پر لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے سنے جا رہے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکومت کی سلامتی کے اداروں کے ہاتھ سے ملک' خصوصاً تہران کا نظم و نسق نکلتا جا رہا ہے۔ اس کے بعد بنکوں' تجارتی مراکز' ڈیپارٹمنٹل سٹورز او سینما گھروں میں بموں کے دھماکے شروع کر دیئے گئے۔ تاکہ حکومتی مشینری کو مزید ناکارہ بنایا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک گیر ہڑتالوں نے بھی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ پیٹرول پمپوں پر پیٹرول نایاب تھا اور سردیوں میں لوگ مٹی کے تیل کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے۔

پھر تہران میں افواہ پھیلی کہ شاہی فوج نے لوگوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا ہے۔ اور اب مظاہرین کو دبانے کے لئے اسرائیلی فوج بلائی گئی ہے۔ اور کئی اسرائیلی جہاز پہلے ہی تہران پہنچ چکے ہیں۔ اس سے لوگوں میں شاہ کے خلاف غم و غصہ کی لہریں اور اضافہ ہو گیا۔

آخر کار حکومت نے صدام حسین سے پر زور مطالبہ کر دیا کہ خمینی کو عراق سے نکال دیا جائے۔ اکتوبر 1978 میں عراق سے پیرس منتقل ہونے کے بعد

خمینی کی سرگرمیوں اور اس کے بیانات کو نہ صرف بین الاقوامی تشہیر حاصل ہونے لگی بلکہ ایران کے اندر شاہ کے خلاف تحریک بھی مزید زور پکڑنے لگی۔

امریکہ میں کارٹر انتظامیہ کو بھی محسوس ہونے لگا کہ حکومت چلانا اب شاہ کے بس کی بات نہیں رہی۔ اور خمینی کا اقتدار میں آنا یقینی ہو گیا ہے۔ اس لئے امریکی لیڈر خمینی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سے ساز باز کرنے لگے۔ صدر کارٹر نے امریکہ کے سابق اٹارنی رمزے کلارک کو پیرس بھیجا جس نے خمینی سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان کو امریکہ کی حمایت کا یقین دلایا۔ اس کے بعد امریکن انتظامیہ نے شاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ غیر فوجی حکومت بنا کر صرف عارضی طور پر ایران چھوڑ دے ۔ کیونکہ ایران میں اس کی موجودگی میں حالات کے بہتر ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔

7 جنوری 1979 کو امریکہ کے ایک چوٹی کے فوجی افسر' ایر فورس جنرل روبرٹ ہائسر اپنے ساتھ کارٹر کا ذاتی پیغام لے کر شاہ سے ملنے تہران پہنچے۔ اور ان کو عارضی طور پر ایران چھوڑنے کے لئے راضی کر لیا۔

آخر کار جب 16 جنوری 1979 کو شاہ اور فرح آنسو بہاتے ہوئے اپنے آخری سفر پر جہاز پر سوار ہوئے تو ایک طرف تو لوگوں کی اکثریت نے خوشی کا اظہار کیا تو دوسری طرف چند ہزار لوگوں نے تہران کے امجدیہ سٹیڈیم میں اکٹھے ہو کر شاہ کے حق میں تقریریں کیں اور شاہ "زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ یہاں تک کہ یہ ریلی زیادہ سے زیادہ جذباتی ہوتی گئی اور عورتوں نے رونا اور آدمیوں نے شاہ کے پرچموں کو چومنا شروع کر دیا۔

ہفت روزہ نیوز ویک (30.1.79) کے مطابق شاہ نے اپنے ملک کے سقوط کا ذمہ دار کارٹر کو ٹھیرایا۔

شاہ کے ملک چھوڑنے کے بعد انتظامیہ اور فوج کی وفاداریاں تقسیم ہو گئیں۔ تہران میں شاہ کے حامی اور مغرب زدہ لوگوں میں بد دلی پھیل گئی اور ان کو ملاؤں کے تحت اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بے پناہ دولت کے ساتھ مغرب کی طرف خاموشی سے کوچ کرنا شروع کر دیا۔

جہاز میں سوار ہونے سے پہلے شاہ نے اپنے آخری وزیراعظم شاہ پور بختیار کو تھپکی دی اور اپنی اور اپنی فوج کی حمایت کا یقین دلایا۔ لیکن شاہ کی طرح وہ بھی اپنی موت کے آخری لمحہ تک سکون کی نیند نہ سو سکا۔ انقلابی عمل کے دوران تو وہ کسی نہ کسی طرح ملک سے بھاگ کر پیرس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا لیکن ایرانی پاسداران انقلاب نے "ایسی منصوبہ بندی کی کہ فرانسیسی پولیس کی حفاظت میں ہونے کے باوجود وہ ان کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا اور آخر کار اگست 1991 میں قتل کر دیا گیا۔

پہلی فروری 1979 کو آیت اللہ خمینی کی تہران واپسی پر تقریباً" سارا تہران اس کے خیر مقدم کے لئے امڈ آیا تھا۔ لیکن شہر میں کہیں کہیں پولیس اور فوجیوں کے ساتھ لوگوں کی کشمکش جاری تھی۔ چند ہی دنوں میں مسلح دستوں نے یکے بعد دیگرے نئے رہنما کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا شروع کر دیا۔ شاہ کے کمانڈوز کا ایک دستہ ایسا تھا جس کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس نے بھی آخر کار ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح لوگوں کی ہتھیار بندی اور انقلابی جذبہ جس کو مسلح افواج کی قوم اور شاہ کے درمیان وفاداری میں پڑنے والی دراڑ سے مدد ملی' آخر کار 11 فروری 1979 کو فتحیاب ہوا۔ اور ایران کی دو ہزار پانچ سو سالہ شہنشاہیت نے دم توڑ دیا۔ کہا گیا کہ کسی ملک کی فوج (جو دنیا کے بہترین اسلحے سے لیس ہو) کا یہ سریع ترین سقوط تھا۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ پچھلے 15 مہینے کی خوفناک خونی کشمکش میں تقریباً" دس ہزار لوگ مارے گئے۔ اخباروں نے لکھا کہ انقلاب کے بعد تہران میں اگر کوئی چیز آسانی سے دستیاب تھی تو وہ خود کار ہتھیار' رائفل اور مشین گن تھی۔ ہزاروں انقلابی ایک فوجی بیرک کے بعد دوسرے بیرک پر طوفانی طور پر حملہ آور ہوتے اور جو بھی اسلحہ ملتا اس کو قبضے میں لے لیتے اور چاروں طرف ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے شہر میں جشن مناتے۔ کچھ فوجی انقلابیوں کو دیکھ کر از خود اسلحہ خانوں کے دروازے کھول دیتے اور ان کی پسند کے ہتھیار لینے میں ان کی مدد کرتے۔

انقلاب کے بعد نئے حکمرانوں نے شاہی فوج کو سبکدوش کر کے ایک نئی فوج تشکیل دینی شروع کر دی۔ نوجوانوں کو اسلحہ استعمال کرنے اور فوجی تربیت دینے کے لئے بہت سے مرکز کھول دیئے گئے۔ اور ان کو پاسداران انقلاب کا نام دے کر گلیوں ' محلوں اور سڑکوں پر وسیع اختیارات کے ساتھ تعینات کر دیا گیا۔ وہ ہر شخص کی پوچھ گچھ کرتے' تلاشی لیتے اور جس کو چاہتے پکڑ کر انقلابی کمیٹیوں میں لے جاتے۔ یہ کمیٹیاں ہر امام باڑے/ مسجد میں قائم کی گئی تھیں جہاں مذہبی رہنما موقعہ پر ہی فیصلہ کر کے یا تو ان لوگوں کو چھوڑ دیتے یا جیل بھیج دیتے۔

بتایا گیا کہ لیبیا پہلا ملک تھا جس نے نئی حکومت کو تسلیم کیا اور پاکستان دوسرے نمبر پر تھا۔ روس اور امریکہ نے بھی 24 گھنٹے کے اندر اس حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔

انقلاب کے بعد انقلابیوں کی پہلی سب سے نمایاں کارروائی 14 فروری کو سفارت خانہ امریکہ پر حملہ تھا جس میں ایک شخص ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے اور امریکی سفیر اور 70 دوسرے سفارتی کارکنوں کو کئی گھنٹے یرغمال بنائے رکھا گیا۔ بعد میں یہ لوگ ڈاکٹر ابراہیم یزدی اور وزیر خارجہ کریم سنجابی کی مداخلت پر رہا کیے گئے۔

نئے وزیر اعظم مہدی بازرگان نے الزام لگایا کہ یہ کام خمینی کمیٹی کا ہے۔ بازرگان نے کہا کہ اس کمیٹی کے رکن سفارتی عملے اور غیر ملکی لوگوں پر حملے کرواتے ہیں اور لوگوں کو جیلوں میں ڈالتے ہیں اور اس طرح ہماری اور خود خمینی کی شہرت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

آیت اللہ خمینی کے اقتدار سنبھالنے کے تین دن کے اندر ہی شاہ کے چوٹی کے جرنیلوں' وزیروں' سفیروں اور ساواک کے عہدہ داروں کو گولی مار دینے کا کام شروع کر دیا گیا۔ انقلابی عدالتیں جو مذہبی لیڈروں پر مشتمل تھیں اور جن کے نام صیغہ راز میں رکھے جا رہے تھے ایک ہی نشست میں قتل کے فیصلے کرتیں جن پر فوراً" ہی عمل درآمد کر دیا جاتا۔

وزیر اعظم بازرگان نے ان بند دروازوں کے پیچھے قتل کے فیصلوں پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "یہ کارروائی ہمارے شاندار انقلاب کے لئے باعث ذلت ہے اور موجب رسوائی ہے"۔ اخباروں نے لکھا کہ "انقلابی عدالتوں کے یہ فیصلے انصاف کے اصولوں کی صریحاً" خلاف ورزی ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ انتقام کے ذریعے انقلاب مضبوط نہیں ہو سکتا۔ ہمیں صرف آزادی کے ان معیاری اصولوں اور انصاف کی پاسداری ہی مضبوط بنا سکتی ہے جس کے لئے ہم نے جدوجہد کی ہے"۔

انقلابی کمیٹی کے ایک جج آیت اللہ خلخالی سے کچھ عرصہ بعد پوچھا گیا کہ مجرموں کو فیصلہ سنانے کے فوراً" بعد قتل کرنا کہاں تک جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا " اسلامی عدالتی نظام کے تحت کسی سزا یافتہ قاتل کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا ناجائز ہے اس لئے اسے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھا جا سکتا"۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "اسلامی عدالتی نظام کے تحت کسی مجرم کو وکیل حاصل کرنے کی سہولت نہیں دی جاسکتی جب تک کہ مجرم بالکل گونگا نہ ہو"۔

انقلاب کے فوری بعد مذہبی رہنماؤں کی ایک ٹیم آیت اللہ خمینی کی سربراہی میں ایران کا آئین بنانے میں مصروف ہو گئی۔ اس ٹیم کے ایک رکن نے کہا کہ سعودی عرب کے آئین کی بنیاد چونکہ قرآن ہے اس لئے اس کو اپنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ ایران کے آئین کی بنیاد صرف شیعہ اسلام ہو گی۔

کردستان' بلوچستان' خوزستان اور دوسرے سنی علاقوں کے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ چونکہ ایرانی انقلاب اسلام کے نام پر لایا گیا ہے' اس کے آئین کی بنیاد بھی اسلام ہونی چاہیے۔ خود آیت اللہ خمینی خود بھی سنی لیڈروں کے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں ان کو یقین دلاتے رہے تھے کہ ایسا ہی ہو گا۔

پھر یکایک پتہ چلا کہ ایران کے آئین کی بنیاد اثنا عشری شیعیت پر رکھ دی گئی ہے۔ اس سے ایران کی ایک چوتھائی سنی آبادی میں سخت تشویش کی لہر

دوڑ گئی۔ کرد جو اس مسئلے پر احتجاج میں پیش پیش تھے حکمرانوں کا شدید نشانہ بنے۔ کیمونسٹ اور انقلاب مخالف کا نام دے کر ان پر اور ان کی عورتوں اور بچوں پر تشدد کیا گیا اور بے پناہ مظالم ڈھائے گئے اور ان کا سفاکانہ قتل عام کیا گیا، اس حد تک کہ کرد علاقوں میں جمعہ کے اجتماعات پر نیپام بم تک گرائے گئے۔ سینوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک دوسرے علاقوں میں بھی کیا گیا۔ اور اب تک کیا جا رہا ہے۔

ایران کے چوٹی کے شیعہ لیڈر آیت اللہ شریعت مداری اور کچھ دوسرے شیعہ لیڈروں نے مطالبہ کیا کہ اس آئین کی منظوری کے لئے ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے لیکن آیت اللہ خمینی نے اس مطالبے کو سختی سے رد کر دیا اور کہا کہ ایسا مطالبہ کرنے والے کردوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف سازش کر رہے ہیں اور ملک کے دشمن ہیں۔

مذہبی انقلاب کے مخالفین

اس خیال سے کہ شاہ کا کوئی بھی ساتھی انقلاب کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ انقلاب کے بعد ۳ دن کے اندر ہی شاہ کے جرنیلوں، وزیروں، مشیروں، سفیروں، اعلیٰ افسروں اور ساواک کے کارکنوں کو ختم کرنے کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ انقلابی عدالتوں سے سزائے موت کے حکم کے فوری بعد ان کو گولی مار دی جاتی اور ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا جاتا۔ حکومت کے ایک بیان میں کہا گیا کہ ان لوگوں کا قتل ایک مثبت اور تعمیری کارنامہ ہے اور یہ انقلاب کی رگوں میں ایک نیا اور تازہ خون انڈیل دے گا۔ مئی 79 کے آخر تک 300 سے زیادہ لوگوں کو گولی ماری جا چکی تھی۔

تہران کے ایک انگریزی روز نامہ تہران جرنل مورخہ 12.2.79 نے لکھا کہ اگر یہ قتال نئی انقلابی حکومت کے لئے انصاف کی مثال اور نمونہ ہیں تو یہ لوگوں کی تشویش کے لئے کافی ہے۔

انقلابی حکومت کے پہلے وزیر اعظم مہدی بازرگان نے 26.2.79 کو کہا کہ ان تمام لوگوں کے قتل میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں۔ انہوں نے بند دروازوں کے پیچھے انقلابی عدالتوں کے فیصلوں پر سخت نکتہ چینی کی اور انہیں ایران کی نئی حکومت کے لئے باعث شرم قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اچھے خاصے مذہبی اور انسانی اقدار کے حامل انقلاب کو ان وحشیانہ فیصلوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

تہران جرنل مورخہ 17.3.79 نے لکھا کہ یہ انقلابی عدالتیں جس جلد بازی اور بے اصولی طور سے قتل کے فیصلے کر رہی ہیں حکومت کے لئے باعث شرم ہے۔ انتقام ہمیں مضبوط نہیں بنا سکتا۔ صرف معیاری انصاف اور آزادی کار (جس کے لئے ہم لڑے ہیں) ہی ہمیں مضبوط بنا سکتے ہیں۔ اخبار نے لکھا کہ جون 79 تک 300 سے زیادہ لوگوں کو گولی مار دی گئی اور باقی تقریباً 4000 جیلوں میں موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

ایران میں انسانی حقوق کی کمیٹی نے بتایا کہ تقریباً" 4000 قیدی تہران کی قصر جیل میں بند ہیں اور موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ نہ تو ان کے رشتہ داروں کو ان سے ملنے دیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے نام کا کوئی خط قبول کیا جاتا ہے۔

بازرگان کی پارٹی نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ نے آیت اللہ خمینی کو ایک خط مورخہ 3.6.79 میں لکھا کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ملا لوگ حکومت چلا سکتے ہیں تو پھر دو متوازی حکومتیں کیوں بنائی ہوئی ہیں ایک دنیا کو دکھانے کیلئے جو بے اختیار ہے اور دوسری پس منظر میں جو اصلی کام کر رہی ہے۔

اپنے نام نہاد مخالف لوگوں کو مارنے کے ساتھ ساتھ ایران کے مذہبی حلقوں نے سوچا کہ دوسری غیر مذہبی جماعتوں یعنی مجاہدین خلق (اسلامی سوشلسٹ)، فدائین خلق (کیمونسٹ) اور سنیوں کا زور بلکہ وجود بھی ختم کر دینا چاہیئے۔ یاد رہے کہ ان پارٹیوں کا انقلاب کو کامیاب بنانے میں نمایاں ہاتھ تھا۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے شاہی فوج کو ختم کر کے ایک نئی فوج "پاسداران انقلاب" کے نام سے ترتیب دی گئی جس کو وسیع اختیارات دیئے گئے۔ مجاہدین اور فدائین نے اچانک محسوس کیا کہ اس فوج میں ان کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ ان دونوں جماعتوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے 22 فروری 1979 کو ایک ریلی کا پروگرام بنایا۔ آیت اللہ خمینی نے فوراً" فتویٰ دے دیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں لہٰذا ان سے کوئی رابطہ نہ رکھا جائے۔

گو اس ریلی میں تقریباً" ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے شرکت کی جس میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ لیکن بعد کے مظاہروں کو پاسداران انقلاب نے اپنے وسیع ذرائع اور اختیارات کی بنا پر آہستہ آہستہ ناکام بنا دیا۔ اور 1981 تک ان کے زور کو تقریباً" ختم کر دیا گیا۔ ان کی اکثریت ملک سے بھاگ گئی اور باقی چن چن کر مار دیئے گئے یا جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ ان میں سے کچھ تو سیاست سے ہی ریٹائر ہو گئے اور معافی مانگ کر گھروں میں بیٹھ گئے۔

ایرانی حکمرانوں کا سنی اقلیت (جو سرکاری اعداد و شمار کے مطابق کل آبادی کا 25 فیصد اور غیر سرکاری اندازوں کے مطابق 40 فیصد ہیں) کے ساتھ ناروا سلوک اور ایران میں ان کی حالت زار ایک الگ باب میں بیان کی گئی ہے۔

ایران کے موجودہ حکمرانوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ 1988 میں عراق جنگ سے فارغ ہو کر اپنے ملک کی تعمیر نو پر توجہ دیں گے اور ایران کی تباہ شدہ معاشی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنائیں گے۔ لیکن انہوں نے شاید یہ سوچا کہ ایسا کرنے سے پہلے اپنے انقلاب کو مزید مضبوط بنایا جائے اور اپنے باقی ماندہ مخالف عناصر کو (چاہے وہ ایران کے اندر ہوں یا باہر) مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔

ملک کے اندر ان عناصر کا خاتمہ کرنے اور مخالف پارٹیوں کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے انہوں نے پاسداران انقلاب کے علاوہ کئی لاکھ نوجوانوں پر مشتمل ایک دوسری فوج (بسیجی فوج) تیار کی اور اس کو وسیع اختیارات دیئے۔ یہ اختیارات اتنے سخت گیر اور ظالمانہ تھے کہ فدائین اور مجاہدین کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ کردستان، بلوچستان اور دوسرے صوبوں کی سنی آبادی نے بھی ایرانی آئین کی مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ ایران کا آئین شیعیت کی بجائے اسلام پر مبنی ہونا چاہیئے ۔ ان پر ناگفتہ بہ مظالم ڈھائے گئے اور کسی نہ کسی بہانے اب تک ڈھائے جا رہے ہیں۔

ایرانی حکمران دوسرے ملکوں میں موجود اپنے مخالفوں کو بھی اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور ان کو ختم کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عراق کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملک میں پناہ لینے والے کرد اور مجاہدین خلق کے ٹھکانوں پر بمباری کی جاتی ہے اور ان کے لیڈروں کو قتل کرنے کےلئے اپنے سفارتی کارکن اور بغداد میں سفارت ایران کی سیاسی گاڑیاں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔

دوسرے ملکوں میں اپنے مخالفوں سے نمٹنے کیلئے حکومت ایران نے ایک

خاص تنظیم "القدس سکواڈ" قائم کی ہے ۔ قاہرہ کے عربی اخبار الاہرام (8.12.92)کے مطابق خطہ کے تمام انتہا پسند لیڈروں کے مستقل مراکز ایران میں ہیں ان کو ایرانی پاسداران انقلاب کی نگرانی میں اسلحہ کے استعمال اور تخریب کاری کی تربیت دی جاتی ہے۔

مجاہدین کے لیڈر آقای محدسیان نے اخبار کو بتایا کہ القدس سکواڈ کے کمانڈوز کا سب سے بڑا تربیتی مرکز تہران کی امام علی یونیورسٹی میں واقع ہے۔ یہ یونیورسٹی تہران کے شمال میں شاہ کے محل سعد آباد پیلیس میں قائم کی گئی ہے۔ اس یونیورسٹی میں مختلف ممالک (جن میں پاکستان بھی شامل ہے) کے نوجوانوں کو اعلے فوجی اور دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔ اور ان کو ذہنی اور جسمانی طور پر دوسرے ملکوں میں ہر طرح کی تخریب کاری کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ یونیورسٹی کے ذیلی مراکز مشہد، قم اور تبریز میں بھی قائم ہیں۔ ملک سے باہر یہ مراکز افغانستان، لبنان اور سوڈان میں ہیں۔ جہاں القدس سکواڈ کے تربیت یافتہ ایرانی پاسداران تربیت دیتے ہیں ۔

بغداد کے عربی روز نامہ الجمہوریہ (4.1.92) نے انکشاف کیا کہ صدر رفسنجانی نے اپنے سلامتی اور خفیہ ایجنسیوں کے وزیر آقای فلاحیان اور القدس سکوائڈ کے کمانڈر احمد وحیدی کو حکم دیا ہے کہ وہ دوسرے ملکوں میں ایران کے مخالفین کے قتل کے منصوبوں کو جلد از جلد عملی جامہ پہنائیں۔

اس سے پہلے ایران کے دو تخریب کار بغداد میں مجاہدین کے لیڈر مسعود رجوی کو قتل کرنے میں ناکام رہے تھے (بغداد الجمہوریہ 26.12.91)۔ بعد میں پتہ چلا کہ دونوں حملہ آور جو بظاہرایرانی سفارت کار تھے۔ دراصل ساواک کے ایجنٹ تھے۔ اور اپنی سفارت کی سیاسی گاڑی میں حملہ آور ہوئے تھے۔

عراقی خبر رساں ایجنسی (INA) کے مطابق مجاہدین خلق کے ترجمان نے الزام لگایا کہ حال ہی میں ایران کی ملا حکومت نے بہت سے تربیت یافتہ تخریب کاروں کو سیاسی حیثیت دے کر اپنی وزارت خارجہ میں منتقل کر دیا ہے۔ تا کہ دوسرے ملکوں میں دہشت گردی اور تخریب کاری آسان ہو سکے اور ان لوگوں

کی سیاسی حیثیت کی بنیاد پر ان کو کوئی گزند بھی نہ پہنچے۔

ترجمان نے کہا کہ یہ سیاسی کارکن اس سے پہلے کاظم رجوی کو جنیوا میں قتل کر چکے ہیں۔ اور دوسرے ملکوں یعنی فرانس، اٹلی، لبنان، سعودی عرب، تھائی لینڈ، ترکی اور پاکستان میں تخریب کاری اور ایران کے مخالف لیڈروں کے قتل کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔

ایران کی سلامتی کے وزیر آقای فلاحیان نے اعتراف کیا (ایران ٹی وی 30.8.92)کہ وہ ایران کے اندر اور باہر اپنے مخالفوں کا سختی سے پیچھا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کا مخبری کا ایک ادارہ باہرکے ملکوں میں بھی کام کر رہا ہے اور بیرون ملک رہائش پذیر مخالفوں کے ساتھ سختی سے نپٹ رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بہت سے مخالفین کو تو وہ ایران کی سرحدوں پر ہی پکڑ لیتے ہیں۔

شاہ پور بختیار کا قتل ۔اگست 1991 میں شاہ کے آخری وزیر اعظم شاہ پور بختیار کا پیرس میں قتل اسی منصوبہ کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے (نیوز ویک 29.3.93) ۔ ایران کی مذہبی عدالت انقلاب کے فوراً بعد ہی اس کے خلاف موت کی سزا سنا چکی تھی۔ لیکن وہ ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اور تقریباً 12 سال فرانس کی پولیس کے زیر حفاظت رہا۔

پیرس میں اس پر 1980 میں بھی حملہ کیا گیا۔ شاہ پور بختیار تو بچ گیا لیکن ایک فرانسیسی سپاہی اور ایک پڑوسی عورت مارے گئے۔ حملہ آوروں کا ایرانی سربراہ انیس نقاشی پکڑا گیا اور فرانسیسی عدالت نے اس کو عمر قید کی سزا سنا دی۔ لیکن ایران اس کو آزاد دیکھنا چاہتا تھا۔ 1989 میں جب فرانس کا وزیر خارجہ سرکاری دورہ پر تہران گیا تو ایرانی حکومت نے اس پر زور ڈالا کہ نقاشی کو رہا کیا جائے۔ اس امید میں کہ اس کی رہائی کے بعد ایران کے ساتھ ان کے تعلقات میں گرمجوشی آ جائے گی۔ نقاشی کو 1990 میں رہا کر دیا گیا۔ اور ایران پہنچنے پر اس کا ہیرو کی طرح استقبال کیا گیا۔

اگست 1991 میں تین ایرانی بختیار کو ملنے پیرس کے باہر اس کے فلیٹ میں گئے جو پولیس کی زیر حفاظت تھا۔ بختیار چونکہ ان میں سے ایک ایرانی کو جانتا

تھا۔ اس نے ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ پولیس نے ان کی تلاشی لی اور ان سے کوئی اسلحہ برآمد نہ ہوا۔ لیکن بختیار کے کچن میں چاقو تو تھا جس سے ان ایرانیوں نے اس کا اور اس کے سیکرٹری کا گلا کاٹ دیا اور چپکے سے باہر نکل گئے ۔

دو دن کے بعد جب بختیار کے قتل کا پتہ چلا تو یہ قاتل لوگ سوئٹزر لینڈ پہنچ چکے تھے۔

ان ایرانی قاتلوں میں سے ایک بالاخر پکڑا گیا۔ فرانسیسی پولیس کا خیال تھا کہ ان کو برن میں ایرانی سفارت کے ایک کارکن سرحدی کی حمایت حاصل ہے۔ چناچہ فرانس نے سوئٹزر لینڈ سے سرحدی کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ اس پر ایران نے سرحدی کی سیاسی حیثیت کی بنا پر نہ صرف اس کے خلاف کسی کاروائی کا مطالبہ رد کر دیا۔ بلکہ تہران میں سوس سفارت خانہ کو بھی بند کر دیا۔

شاہ پور بختیار کے قتل پر ایران کے ایک نائب صدر مہاجرانی نے کہا (روز نامہ اطلاعات 11.8.91) کہ بختیار اپنی دوسری موت مرا ہے۔ پہلی موت وہ اس وقت مرا تھا جب اس نے شاہ کی وزارت عظمی قبول کی تھی۔

فرانس کے جج نے اپنی تحقیقات کی بنا پر کہا (روز نامہ لافگارو پیرس 4.9.91) کہ بختیار کا قتل ایرانی حکومت کے ایما پر ماہرانہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا ہے۔

چند دنوں کے بعد فرانس کی پولیس نے آیت اللہ خمینی کے بھتیجے مسعود ہادی کو گرفتار کر لیا (لافگار و پیرس 20.9.91)۔ اس قتل کے شبہ میں دو ایرانی ترکی میں بھی گرفتار ہوئے جنہوں نے اس قتل میں ایرانی حکومت کے ملوث ہونے کی تائید کی۔

بعد میں فرانس کی تحقیقاتی ٹیم نے ایرانی وزیر حسین شیخ عطار کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے اور ایران کے کئی اور اعلے افسروں (بشمول رفسنجانی) کو اس قتل میں مورد الزام ٹھرایا(پیرس ارنا 24.10.91)۔

آخر کار بختیار کے قتل میں ملوث ایک ایرانی سفارت کار ضیا سرحدی کو سوئٹزر لینڈ میں گرفتار کر لیا گیا۔ جس پر ایرانی ذرائع ابلاغ نے خوب شور مچایا۔ بعد میں یہ شخص فرانس کے حوالے کر دیا گیا (ڈان - کراچی۔ 28.5.92)۔ ایرانی اخبار (کیہان تہران - 28.5.92) نے لکھا کہ اگر اس شخص کو رہا نہ کیا گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ایران نے سوس کمپنیوں کو بھی دھمکی دی کہ ان کے ساتھ مالی معاہدے ختم کئے جا سکتے ہیں اور ایران میں ان کے لوگوں کو گرفتار بھی کیا جا سکتا ہے۔ - (بی بی سی - 26.5.92)۔

مارچ 1993 میں فرانس کی پولیس نے شاہ پور بختیار کے قتل کے سلسلے میں پیرس میں قائم شدہ ایرانی ٹی وی اور ریڈیو کے دفتر کی تلاشی لی۔ اس دفتر کا ایک ملازم تخریب کاری اور قتل کے الزام میں پہلے ہی پولیس کے قبضے میں ہے (لندن MEED - 12.3.93)۔

اپریل 1993 میں فرانس میں بین الاقوامی تخریب کاری کی تحقیق کرنے والے جج نے شاہ پور بختیار کے قتل کے جرم میں دو اعلے ایرانی افسروں کی گرفتاری کیلئے بین الاقوامی وارنٹ جاری کئے (کیہان فارسی لندن 22.4.93)۔ انہوں نے بتایا کہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ ہم کسی حکومت کے خلاف تخریب کاری کا مقدمہ لڑ رہے ہیں اور ایران اس مقدمہ کو ختم کرنے کیلئے فرانس پر بہت زیادہ دباؤ ڈال رہا ہے ۔

ایک بزرگ ایرانی عالم آقای اردبیلی نے اپنے جمعہ کے خطبے میں ایرانیوں' پاکستانیوں اور کویتیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا (تہران ٹائمز- 5-10-1991) " تمہارے اسلامی جذبے کو کیا ہوا؟۔ اس خطے میں یہاں بھی امریکی ہیں یا ان کی دلچسپیاں اور مفاد ہیں۔ ان پر حملہ کر دو .... اگر روزانہ دس امریکی قتل کر دیئے جائیں تو ان کو کویت میں داخل ہونے کی ہرگز جرات نہ ہو ....یاد رکھو جو بھی اس راہ میں مارا گیا۔ وہ شہید ہو گا"۔

ستمبر 92 میں چار ایرانی کرد لیڈروں (جو ایران کی مخالف پارٹی (KDP) سے تعلق رکھتے تھے) کو برلن کے ایک ریسٹوران میں قتل کر دیا گیا (بی بی سی-

18.9.92)۔ بعد میں اس جرم میں لبنان کی حزب اللہ کے 2 کارکن اور ایک ایرانی کو گرفتار کر لیا گیا۔

مئی 93 میں جرمنی کی ایک عدالت نے کھل کر الزام لگایا کہ ایران 4 کردوں کے قتل کا ذمہ دار ہے (نیشن ۔ لاہور ۔ 28.5.93)۔ اس نے بتایا کہ حزب اللہ کے کارکن اور ایرانی پاسدار اس قتل میں بالواسطہ ملوث ہیں۔

لندن کے ایک فارسی اخبار کیہان مورخہ 10.12.92 نے خبر دی کہ چار ایرانی جرمنی سے فرانس میں داخل ہوتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے ۔ ان کے پاس اسلحہ اور فرانس میں مقیم ایران کے مخالف لیڈروں کی فہرست تھی۔ اس پاداش میں اسی دن تہران میں ایک فرانسیسی کو بلا وجہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس سے اندازہ ہواکہ فرانس میں پکڑے جانے والے ایرانی کتنے اہم لوگ تھے۔

فروری 1993 میں ترکی نے ایران پر الزام لگایا(بی بی سی 16.2.93) کہ ایران ترکی میں دو ترک اخبار نویسوں اور ایک ایرانی مخالف لیڈر کے سیاسی قتل میں ملوث ہے۔ اور ان کے قاتلوں کو ایران میں تربیت دی گئی ہے۔ بی بی سی کے نمائندے نے تہران سے خبر دی کہ اپنے خلاف بڑھتے ہوئے الزامات کے پیش نظر ایران نے آج کل کافی مدافعانہ انداز اپنایا ہوا ہے۔ دراصل مصر سے لے کر برطانیہ (حتی کہ کینیا تک بھی) تمام ممالک اپنے اندر تخریب کاری کیلئے ایران کو مورد الزام ٹھیرا رہے ہیں۔ ترکی نے تو اس ضمن میں ثبوت بھی فراہم کئے۔

فروری 1993 میں جب ایران کے نائب صدر جنیوا میں انسانی حقوق پر تقریر کر رہے تھے تو ایران کے تقریباً" 20 مخالف گروہوں نے ایرانی حکومت کے خلاف کمیشن کو خط دیا اور پچھلے 14 سال سے ایرانیوں پر کئے جانے والے مظالم کے خلاف کمیشن میں آواز اٹھائی۔ ایک ایرانی عورت نے انسانی حقوق کے کمیشن کو بتایا کہ کس طرح ایرانی دہشت گردوں نے استنبول سے اس کے شوہر کو اغوا کیا اور بعد میں اس کی مسخ شدہ لاش برآمد ہوئی (فرنٹیر پوسٹ پشاور 20.2.93)۔

انہی دنوں دو ایرانی سکوٹر سواروں نے ایران کے ایک سابق سفیر آقای نقدی (جو 1982 تک اٹلی میں ایران کے سفیر تھے لیکن بعد میں مجاہدین خلق سے مل گئے) کو گولی مار کر ہلاک کر دیا(بی بی سی ۔ 16.3.93)۔ پیرس میں ایرانی حلقوں نے بتایا کہ نقدی کا نام ان 32 ایرانی لوگوں کی فہرست میں شامل تھا جن کو قتل کیا جانا تھا۔

مجاہدین کے ایک لیڈر نے بتایا کہ یہ کام ایران کے القدس سکواڈ کا ہے جو ایرانی فوج کا ایک دہشت گرد دستہ ہے ۔ اور جس کا کام دوسرے ملکوں میں ایران کے مخالف لیڈروں کو ختم کرنا ہے۔ (دی نیوز راولپنڈی۔ 18.3.93)

روز نامہ جنگ (16.2.90) / روز نامہ مسلم اسلام آباد (17.2.90)کے مطابق ایرانی انقلابی گارڈز نے پاکستان کے سرحدی شہر تافتان میں ایک ایرانی سردار بلوچ خان کو ہلاک کر دیا اور واپس ایران میں فرار ہو گئے۔

تفصیل کے مطابق بلوچ خان ایک زمانے میں شاہ کے وزیر تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ انقلابی حکومت انہیں قتل کر دے گی۔ اس لئے وہ پاکستان آ گئے تھے۔ پہلے کچھ عرصہ کراچی میں رہے اور پھر پاکستان کے سرحدی شہر تافتان میں مستقل طور پر آباد ہوگئے۔ اور وہاں ایک جنرل سٹور قائم کر لیا۔

دو مہینے پہلے ان کا سٹور ایرانی کمانڈوز نے بموں اور راکٹوں کے ذریعے تباہ کر دیا تھا لیکن وہ بچ گئے تھے۔ کل پھر ایرانی کمانڈوز نے پاکستانی سرحد کے اندر آ کر تافتان میں کلاشنکوف سے اندھا دھند فائرنگ کی اور بلوچ خان کو مارنے کے بعد واپس ایران فرار ہو گئے۔

مارچ 93 میں ایرانی پاسداروں نے ایران کے دو مخالف بلوچی لیڈروں کو کراچی کی ڈیفنس کالونی میں گولی مار دی ۔ اس سے پہلے بھی ان کے گھر واقع گلشن اقبال میں حملہ ہوا تھا۔ اور ان کے ایک ساتھی کو مار دیا گیا تھا۔ دو سال پہلے 1991 میں بھی ایک معروف بلوچی لیڈر کو پاکستان ۔ ایران سرحد پر قتل کر دیا گیا تھا۔ (ڈان کراچی ۔ 13.3.93)۔

6 جون 93 کو ایک اور ایرانی مجاہد کو کراچی میں قتل کر دیا گیا اور اس

کے ساتھ ایک پاکستانی راہ گیر بھی ہلاک ہوا (دی نیوز راولپنڈی 7.6.93)۔ اخبار نے لکھا کہ مقتول کا تعلق مجاہدین خلق سے تھا اور اس سے پہلے بھی اس پر قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا۔

لندن کے ایک عربی اخبار الشرق الاوسط (21.4.93) نے خبر دی کہ ایرانی القدس سکواڈ کے دو دستے جرمنی اور فرانس میں پہنچ چکے ہیں۔ تاکہ ان ملکوں میں مقیم ایران کے مخالفوں کو ختم کیا جا سکے۔ مجاہدین کے ایک ترجمان نے بتایا کہ قتل کئے جانے والے لوگوں میں شاہی خاندان کے کچھ لوگ، مجاہدین کے نمائندے اور کم از کم چار ایرانی مصنف اور شاعر شامل ہیں۔

لندن کے ایک انگریزی ماہنامہ (ایکو اوف ایران - مئی 93) نے لکھا کہ ایران کے ساتھ کردوں کا معاملہ اب زیادہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ ایرانی فوجیں اب عراقی سرحدوں کے اندر تک اپنے مخالف کردوں کا پیچھا کر رہی ہیں۔ ایران نے اب یہ شرط لگا دی ہے کہ جب تک ایرانی مخالفین کرد عراق سے نہیں نکالے جاتے۔ ایران ان کے خلاف اپنی فوجی کاروائی جاری رکھے گا۔

1994 کے شروع میں فرانس نے دو ایرانی مجرموں کو واپس ایران جانے کی اجازت دے دی۔ یہ دونوں سوس حکومت کو مجاہدین لیڈر کاظم رجوی کے قتل کے جرم میں درکار تھے۔ انسانی حقوق کے ایک گروہ نے اس فیصلہ پر فرانسیسی حکومت کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ اس فیصلہ سے دوسرے ملکوں میں ایرانیوں کے خلاف تشدد کے خطرات بڑھ جائیں گے۔ اس گروہ نے کہا کہ اب تک دوسرے ملکوں میں تقریباً" 60 ایرانیوں کے قتل میں ایران کے ملوث ہونے کا شبہ کیا جارہاہے۔(پاکستان ٹائمز۔ لاہور۔ (12.1.94)۔

بین الاقوامی دہشت گردی - اپنے مخالفوں کو قتل کرنے کے علاوہ ایرانی حکومت دوسرے ملکوں میں دہشت گردی کے واقعات میں بھی ملوث پائی گئی ہے۔

مجاہدین ریڈیو نے 28.10.91 کو بتایا کہ آج کل ایران میں کچھ تخریب کاروں

کو خاص تربیت دی جارہی ہے تاکہ ان کو فنی کارکنوں کے بھیس میں کویت میں تیل کے کنوؤں کی آگ بجھانے کے بہانے بھیجا جا سکے اور وہاں پر امریکی مفادات کو نقصان پہنچایا جاسکے۔

فرانس کے اخبار لافگارو (21.11.91) کے مطابق ایران نے 1989 میں پان امریکن جہاز کی تباہی کیلئے 10 ملین ڈالر دیئے۔ پی ایل او نے بھی اس جہاز کی تباہی کیلئے ایران کو ذمہ دار ٹھہرایا اور کہا کہ ایران نے اپنے مسافر بردارجہاز کی امریکہ کے ہاتھوں خلیج میں تباہی کا بدلہ لیا ہے۔ (سنڈے ٹائمز لندن - 22.2.92)۔

اس کے بعد مارچ 92 میں ارجنٹائنا میں اسرائیلی سفارت خانہ کو طاقتور بم کے ذریعے اڑا دیا گیا۔ جس میں تقریباً" 50 لوگ مارے گئے - ایران کی سرپرستی میں قائم ہونے والی جماعت الجہاد نے فوراً" اس کی ذمہ داری قبول کر لی اور کہا کہ انہوں نے حزب اللہ کے قائد موسوی کی اسرائیل کے ہاتھوں ہلاکت کا بدلہ لیا ہے۔ اور وہ اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کے خلاف ایسے حملے جاری رکھے گا۔ (وی۔ او۔ جی VOG - 19.3.92)۔

ایران کے مشہور مذہبی لیڈر آیت اللہ مشکینی نے اس تباہی پر سخت مسرت کا اظہار کیا، حملہ آوروں کو مبارکباد دی اور ان کو ایران کیلئے باعث فخر قرار دیا۔ انہوں نے کہا امریکہ اور اسرائیل دلائل کو نہیں سمجھتے۔ یہ دھماکہ کافی نہیں ہے۔ ایسے حملے اور ہونے چاہئیں (ایران ٹی۔ وی - 20.3.92)۔

امریکہ نے ایک بیان میں کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ارجنٹائنا میں ایران کے سفارتی نمائندے اس دھماکے میں ملوث ہیں۔ اس نے خبردار کیا کہ ایران کی سفارتیں جنوبی امریکہ اور دوسرے ملکوں میں ایسے ہدف تلاش کر رہی ہیں جہاں وہ اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کے مفاد پر سنگین حملے کر سکیں۔ امریکہ نے کہا کہ ایران اب ایک خطرناک تخریب کار ملک کی حیثیت سے سامنے آیا ہے (ڈان - کراچی - 9.5.92)۔

مجاہدین خلق کے خفیہ ریڈیو (14.12.92) نے الزام لگایا کہ ایرانی ملا حکومت

نے اپنی تخریب کاری کے جال کو دوسرے ملکوں میں اپنی سفارتوں کے ذریعے بہت فعال بنا دیا ہے۔ تاکہ ان ملکوں میں ایران کی مخالف قوتوں کو ختم کیا جا سکے یا کمزور بنایا جا سکے۔

مجاہدین لیڈر آقای محدسیاں نے مصری اخبار الاہرام (8.12.92) کو بتایا کہ اس خطہ کے تمام انتہا پسندوں کا مستقل ٹھکانہ ایران میں ہے جہاں ان کو پاسداران انقلاب کی نگرانی میں اسلحہ کے موثر استعمال اور تخریب کاری کی بہترین تربیت دی جاتی ہے اور ان کو ذہنی اور جسمانی طور پر دوسرے ملکوں میں ہر طرح کی دہشت گردی اور تخریب کاری کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔

فروری 93 میں ترکی کے وزیر داخلہ نے کہا (دی نیوز۔ راولپنڈی 5.2.93) کہ ہماری تفتیش سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ملک میں سیاسی قتلوں کے پیچھے ایران کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم اب تک ایک ایسے گروہ کے 19 کارکن گرفتار کر چکے ہیں جن کا براہ راست تعلق ایران سے ہے۔ اور جن کو ایران میں تخریب کاری کی تربیت دی گئی اور یہ ترکی میں ان لوگوں کے قتل پر مامور تھے جو ایران کے خیال میں لادین تھے یا جو سیاسی معاملات میں مذہبی عمل دخل کی مخالفت کرتے تھے یا جن کا تعلق ایران کی مخالف پارٹی مجاہدین خلق سے تھا۔

بی بی سی نے (6.2.93) کو بتایا کہ ترک وزیر خارجہ نے ایرانی وزیر خارجہ ولایتی کو ان واقعات کی تفصیل سے آگاہ کر دیا ہے اور ضروری ثبوت بھی فراہم کر دیئے ہیں۔

اسرائیلی ریڈیو (29.2.93) کے مطابق امریکی سی آئی اے نے الزام لگایا کہ ایران ایٹم بم اور دوسرے خطرناک ہتھیار حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ سی آئی اے کے سربراہ نے کہا کہ ایران پڑوسی اسلامی ملکوں میں انتہا پسندوں کو سرمایہ اور اسلحہ فراہم کر رہا ہے اور ان کو تخریب کاری کی تربیت دے رہا ہے تاکہ ان ملکوں کے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلایا جا سکے اور وہاں کی حکومتوں کو غیر مستحکم کرنے کے بعد ان پر اپنی اجارہ داری قائم کر سکے۔

بغداد کے عربی اخبار الجمہوریہ (2.3.93) کو مجاہدین خلق کے ترجمان نے بتایا کہ ایرانی انتظامیہ نے حال ہی میں ایک نیا دس دن کا تربیتی کورس شروع کیا ہے۔ جس میں پڑوسی ملکوں سے لائے گئے انتہا پسندوں کو دہشت گردی کے فنی پہلوؤں اور طریق کار کی تربیت دی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد ان کو واپس بھیج کر ان سے ایسے تخریب کاری کے کام لئے جاتے ہیں جن کی نشان دہی موقع اور محل کے مطابق ان ملکوں میں ایرانی سفارت کار کرتے ہیں اور ترتیب دیتے ہیں۔

مارچ 93 میں امریکی وزیر خارجہ نے ایران کو ایک بین الاقوامی عادی مجرم اور تخریب کار قرار دیا اور کہا کہ ایران اپنے مسلح گروہوں' حزب اللہ' الجہاد اور دوسری جنگجو تنظیموں کو دنیا میں دہشت گردی کے لئے استعمال کر رہا ہے ۔ وہ نہ صرف اپنے مخالفوں کو ختم کر رہا ہے بلکہ وہ تخریب کاری کے ذریعے دوسرے ملکوں میں دہشت گردی بھی پھیلا رہا ہے (وی او اے VOA ۔ 31.3.93)۔

قاہرہ کے عربی اخبار روز الیوسف (15.3.93) نے انکشاف کیا کہ ایرانی انقلاب کی چودھویں برسی کے موقع پر تہران میں اس خطہ کے انتہا پسندوں کی کانفرنس ہوئی ۔ جس میں عرب اور پاکستان سمیت پڑوسی اسلامی ملکوں کے تقریباً 2500 نوجوان شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا نعرہ تھا "عالمگیر انقلاب کے لئے ایک نئی حکمت عملی"۔

اس کانفرنس میں امریکہ' اسرائیل اور ان کے طرفدار ملکوں کے مفاد کے خلاف طریق کار کی منظوری دی گئی۔ خطہ کی سب سے بڑی مصر کی حکومت کو ختم کرنے کی ذمہ داری الجہاد اور حزب اللہ کو سونپی گئی۔

ایران نے اپنے نئے بجٹ میں تخریب کاری کے لئے 500 ملین ڈالر مختص کئے۔ اس مد میں آیت اللہ خامنہ ای کے پاس کروڑوں ڈالر کا پوشیدہ بجٹ اس کے علاوہ ہے۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ "ایکواوف ایران" نے اپنی اپریل 93 کی اشاعت

میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا " ایران کے دو چہرے ۔ رفسنجانی کی میانہ روی اور ملاؤں کی مقدس دہشت گردی "۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کا امریکہ کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے کا ہر موقع ایران کے متضاد عناصر کے طرز عمل کی نظر ہو جاتا ہے۔ رفسنجانی نے پچھلے کئی سالوں میں ایران کے بین الاقوامی مجموعی تاثر کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جونہی یہ کوششیں بار آور ہونے لگتی ہیں تو کوئی نہ کوئی چھپا ہوا ہاتھ ایران کی تخریب کاری کی خفیہ پالیسی کے اندر سے وارد ہو کر ان کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ بیرونی ملکوں میں مخالف ایرانی لیڈروں پر بڑھتے ہوئے حملوں کی وجہ سے ایران کا یہ خود شکستگی کا عمل کچھ عرصہ سے کافی واضح ہو رہا ہے۔ 16 مارچ کو روم کی ایک معروف سڑک پر ایران کے ایک پرانے سفیر کو جو اب مجاہدین خلق کے ساتھ تھے، گولی مار دی گئی۔ اگرچہ ہمیشہ کی طرح ایران نے اس جرم سے بھی انکار کیا۔ لیکن طریق کار سے ایران کا ہاتھ واضح نظر آتا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ تین دن پہلے ایرانی جہازوں نے شمالی عراق میں مخالف کردوں پر بم پھینکے جس سے چار کرد گوریلے اور بہت سے عام شہری ہلاک ہو گئے۔ کرد مخالف پارٹی کے بانی اور اس کے نائب (ایک کو جرمنی اور دوسرے کو آسٹریا میں) کو بھی مار ڈالا گیا۔ ترکی میں بھی چند سیاسی قتل کئے گئے اور ترک حکومت نے واضح طور پر ایران کو ان کا ذمہ دار ٹھیرایا۔ پیرس میں شاہ پور بختیاراور جنیوا میں مجاہد لیڈر کاظم رجوی، پاکستان میں اور کئی دوسرے ملکوں میں مجاہدین خلق کا قتل اس کے علاوہ ہیں۔

ماہنامہ نے لکھا کہ ایران نے ان جرائم میں ملوث ہونے سے اگرچہ ہر دفعہ انکار کیا لیکن حکومت ایران کا رد عمل اس کے انکار کو نہ صرف جھٹلاتا ہے بلکہ ان جرائم کو سچ بھی ثابت کرتا ہے۔ سچ پوچھیں تو ایران نے اپنے ان جرائم کی کبھی بھی مذمت نہیں کی بلکہ اپنے ان تمام گرفتار شدہ قاتلوں اور

مجرموں کی ہمیشہ پشت پناہی کی اور ان کو رہا کرانے اور بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اس ماہنامہ نے انکشاف کیا کہ ایران کی خفیہ تنظیموں (بنیادوں وغیرہ) نے حکومت ایران کی تخریب کاری کی پالیسی کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ مثال کے طور پر آیت اللہ صانعی نے کئی بلین ڈالر کی فیکٹریاں اور دوسری جائیدادیں حاصل کی ہوئی ہیں۔ جن کی آمدنی سے یہ شخص دوسرے ملکوں (الجزائر، مصر وغیرہ) میں تخریب کاری کے لئے سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ اس نے سلمان رشدی کے قتل کے لئے کئی ملین ڈالر کا انعام مقرر کر رکھا ہے۔ ایرانی حکومت گو صانعی کے کارناموں سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے لیکن اس کی یا اس کی بنیاد کی اعلانیہ مذمت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتی۔

ماہنامہ نے مزید لکھا کہ ایران لبنان کی حزب اللہ تنظیم کے ذریعے مغربی لوگوں کو یرغمال بنانے اورپھر ان کو رہا کرانے کا بھی ذمہ دار ہے۔ تا کہ اس کاروبار سے معقول معاوضہ حاصل کر سکے۔

مجاہدین لیڈر ڈاکٹر زاہدی نے ریڈیو قاہرہ کو بتایا (2.4.93) کہ ایران کی ملا حکومت نے حال ہی میں اپنے دہشت گردی اور شیعہ فلسفہ کو دوسرے اسلامی اور عرب ملکوں کو برآمد کرنے کی پالیسی کو تیز تر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی ملا مصری لوگوں کے مذہبی شعور کو بیدار کر کے اس سے غلط فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو یہ بتانا ہمارا فرض ہے کہ ایران کے موجودہ حکمرانوں کا صحیح اور سچے اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

مجاہدین خلق کے ایک اور مشہور لیڈر آیت اللہ جلال جندی نے ریڈیو قاہرہ کو بتایا (16.4.93) کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران کی ملا حکومت خطہ کے مسلم ممالک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجاہدین خلق اب تک ایک لاکھ سے زیادہ مجاہدین کی قربانی دے چکے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مجاہد ملاؤں کی جیلوں میں پڑے ہیں جن پر ناگفتہ بہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

مجاہدین کے ایک لیڈر سید مقدسی نے ریڈیو قاہرہ کو بتایا (19.6.93) کہ ایرانی لوگوں کو بچانے اورپڑوسی ملکوں میں ایرانی حکومت کی دہشت گردی کی برآمد کو روکنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ایران کی دہشت گرد ملا حکومت کو ختم کیا جائے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس ایسی دستاویزات اور نقشے ہیں جو خرطوم اور پورٹ سوڈان میں دہشت گردی کے تربیتی مراکز کی موجودگی کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان مراکز میں ایرانی پاسدار پاکستان سمیت اس خطہ کے کئی ملکوں کے انتہا پسندوں کو تربیت دیتے ہیں۔

ایرانی انقلاب کی برآمد

اسلامی نشرو اشاعت کی ایرانی وزارت نے اپنے ایک کتابچہ میں جو 1984 میں شائع ہوا۔ "انقلاب کی برآمد" کے موضوع پر آیت اللہ خمینی اور ان کے جانشین آیت اللہ منتظری کے بیانات کے حوالوں سے اس کا طریقہ اور مقاصد بیان کئے ہیں۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

"امام خمینی کی رہبری میں ایران کا اسلامی انقلاب دنیا میں صحیح اور سچا اسلام پھیلانے کے لئے چودہ سو سال کے بعد پہلی مہم ہے (ایرانی حکومت اور علماء شیعیت کو ہی سچا اسلام کہتے ہیں)۔ اگر اس انقلاب کا مقصد صرف ایران کے شاہ کو ہی تخت سے ہٹانا ہوتا تو یہ انقلاب ایران کی چار دیواری تک ہی محدود رہتالیکن ایرانی انقلاب ایک مستقل اور مسلسل جدوجہد ہے جس کا مقصد دنیا سے جھوٹ اور برائی کا خاتمہ کرنا ہے۔ لہٰذا یہ انقلاب ہر اس سر زمین میں وارد ہو گا جہاں جھوٹ اور برائی کا بول بالا ہے۔ ایرانی انقلاب کی برآمد کا مقصد تمام دنیا میں صحیح اور سچے اسلام کا نفاذ ہے۔ ہمیں اپنے انقلاب کو دوسرے ممالک کو برآمد کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ یہ بات غلط ہے کہ ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

جب ہم اپنے انقلاب کی برآمد کی بات کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے ملک کو وسعت دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں ایک ناقابل تسخیرقوت بن کر آگے بڑھنا ہے تا کہ صحیح اسلام کے احکام کو ایران میں' اس خطہ میں اور ساری دنیا میں نافذ کر سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ امام مہدی کی آمد کے مبارک موقعہ پر ایران کا اسلامی انقلاب اپنی تعلیم کے ذریعے تمام اسلامی ملکوں میں پھیل چکا ہو گا۔

ایران کا اسلامی انقلاب دنیا کی نو آبادیوں میں پہلے ہی جگہ بنا چکا ہے اور اب یہ ایک ابلتے ہوئے آتش فشاں پہاڑ کی طرح اپنا لاوا ہر جگہ چھڑکتا چلا جائے گا ـــــــــ ہمیں صرف اسلام کی سر بلندی اور مسلمانوں اور محکوم

لوگوں کی آزادی مقصود ہے۔ ہم ہر جگہ انقلاب لانے کی کوششوں میں معاونت کرنا چاہتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی ایران جیسے حالات پیدا ہوں اور ہم اس انقلاب کو ان ملکوں میں برآمد کر سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام مظلوم لوگ اپنے حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے معاملات کو اپنی گرفت میں لے کر اپنے حقوق کو بزور حاصل کریں"۔

برآمد کا طریقہ۔ انقلاب ایران کی برآمد کے طریقوں سے مراد ایرانی رہنماؤں کے ان بیانات کی دوسروں ملکوں میں تشہیر ہے جو ان کی طرف سے اس موضوع پر وقتاً" فوقتاً" دیئے گئے اور جن کو بروئے کار لا کر ایرانی اس مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دنیا میں اگر کہیں طاقتور حکومتیں ہمارے خلاف ہیں تو ان کے لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔ اس لئے ہمارا ہدف صرف عوام اور ان کا عقیدہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ لوگ سچائی کو جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ دبے ہوئے اور مظلوم ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے حکمرانوں کے خلاف جلد ہی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ہمیں اپنے سرکاری اور غیر سرکاری نمائندے دوسرے ملکوں میں لوگوں کو بیدار کرنے کیلئے بھیجنے چاہئیں۔ اگر ہم ایرانی انقلاب کو برآمد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں زیادہ سے زیادہ غیر سرکاری نمائندوں کو پوشیدہ طریقے سے دوسرے ملکوں کو بھیجنا چاہیئے تا کہ وہ ان کی گلیوں میں آزادی سے گھوم پھر سکیں اور عام لوگوں سے گھل مل کر ان سے قریبی روابط پیدا! کر سکیں۔ ان کے جذبات کو اکسا سکیں اور ایران جیسے انقلاب کی طرف ان کو مائل کر سکیں۔

اب جبکہ ایرانی قوم انقلاب کے ابتدائی دور سے کامیابی سے گزر چکی ہے اس پر اب ایک بھاری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسلامی جہاد شروع کرنے اور دوسرے ملکوں میں مظلوم اور دبے ہوئے لوگوں کی اپنی حکومتوں کے خلاف یورشوں میں ان کا ساتھ دیں۔ یہ ضروری ہے کہ تم اپنے انقلاب کو خوش

اسلوبی سے سنہری الفاظ میں پیش کرو۔

اس وقت امریکہ ہمارے پڑوسی نام نہاد اسلامی ملکوں کو ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہے اور ہمارے انقلاب کی برآمد کا راستہ روکنے کیلئے مصر' اردن اور دوسرے ملکوں کے کان بھر رہا ہے لیکن اے برادران و خواہران (ایرانی حاجیوں سے خطاب) یہ تمھارا فرض ہے کہ دوسرے ملکوں کے حاجیوں کے ذریعے ایرانی انقلاب کو برآمد کرو۔ ایرانی انقلاب' اس کے بانی اور اپنی قوم کے مقاصد کی کتابوں' رسالوں اور تقریروں وغیرہ کے ذریعے تشہیر کرو اور دوسرے ملکوں کے حاجیوں کو باور کراؤ کہ ہمارا انقلاب خالصتاً" اسلامی ہے۔

ایرانی انقلاب کی برآمد کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ دوسرے اسلامی ملکوں کی مسجدوں کے اماموں کو ایران آنے کی دعوت دیں تاکہ ان کے تعلقات ایرانی علماء کے ساتھ قائم ہو سکیں۔ ایرانی انقلاب کے اعلےٰ مقاصد اور عظیم ایرانی قوم کی قربانیوں سے ان کو آشنا کرو اور ان تک اسلام کا صحیح پیغام پہنچاؤ۔ اگر امریکہ اور اس کے پھوؤں کے غیر اسلامی اور وحشیانہ عزائم سے لوگوں کو موثر طور پر آگاہ کر دیا گیا تو وہ ضرور ایران اور اس کے انقلاب کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونگے۔

انقلاب کو برآمد کرنے کا فرض ایران کی ہر تنظیم پر عائد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کھیلوں کی تنظیموں کو بھی ایسے کھلاڑی دوسرے ملکوں میں بھیجنے چاہئیں جو ایرانی انقلاب سے متاثر ہوں اور اسے برآمد کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔

دوسرے اسلامی ملکوں میں ہماری سفارتوں اور فرہنگی مراکز کا سب سے ضروری فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خاص خاص موقعوں پر امریکہ اور اسرائیل کے خلاف اکٹھا کریں تاکہ وہ ان کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کر سکیں اور ان کے عزائم کا پردہ چاک کر سکیں۔

ہمارے سفیروں کو دوسرے ملکوں میں خاص طور پر نام نہاد اسلامی ملکوں میں اپنا وقت انتظامی اور غیر ضروری امور پر ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنے

انقلاب پر پختہ ایمان اور یقین رکھتے ہوئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے کہ وہاں کے لوگوں میں انقلاب کا جذبہ بیدار کریں اور اس کے لئے راہ ہموار کریں۔

اے ہمارے سفیرو! آپ ایران کے اسلامی انقلاب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آپ اپنے طور طریقے سے اسلام کی اقدار کو بلند رکھیں اور دوسرے ملکوں میں ایسی طاقتوں سے ہم آہنگی پیدا کریں اور ان کی رہنمائی کریں جو اسلامی انقلاب پر یقین رکھتی ہوں۔

تیسری دنیا کے لوگ خصوصاً جو مسلمان ہیں اور جنہوں نے مغرب کی سامراجی پالیسیوں کا مزا چکھ رکھا ہے ایران کی اسلامی جدوجہد سے خوب واقف ہیں اور دل و جان سے اس کی قدر کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان ملکوں کے لوگوں کے ساتھ اس رشتہ کو مضبوط کریں اور انکی جدوجہد میں انکی حوصلہ افزائی اور مدد کریں۔

انقلاب کیلئے دوسری قوتوں کی رہنمائی ۔ آیت اللہ خمینی اور آیت اللہ منتظری نے انقلاب ایران کی برآمد کیلئے جو طریقے اختیار کئے ان میں سے ایک طریقہ دبی ہوئی اور غلام قوموں کی راہنمائی تھی۔ انہوں نے مختلف موقعوں پر ان کو مخاطب کیا اور پیغام بھیجے تاکہ وہ اپنے ملکوں میں انقلاب کیلئے جوش و جذبے سے سرشار ہو سکیں اور اسلام کیلئے جنگ لڑ سکیں۔

انہوں نے کہا ”اے دنیا کے مسلمانو ۔ اسلام کو بچانے کے لئے جلدی کرو۔ دنیا کی بڑی طاقتیں اسلامی ملکوں اور ان کے حکمرانوں کو زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہو چکی ہیں۔ تم ان ظالموں سے بدلہ لینے کیلئے اٹھو۔ ایران اسلامی ملکوں کے لوگوں کا بھائی ہے لیکن تمہارے حکمران امریکہ کے ایجنٹ ہیں۔ اسلام کی فتح کا راز شہادت میں ہے۔ خمینی نے ایرانی انقلاب کی فتح کیلئے یہی ہتھیار استعمال کیا۔ ہم سچے دل سے تیار ہیں کہ تمہارے انقلاب کے حصول کیلئے ہم اپنے تجربات پیش کریں“۔

ایران کے موجودہ حکمران، آیت اللہ خمینی کی سوچ اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں کوشاں ہیں اور ٹھوس اقدام اٹھا رہے ہیں۔ ایرانی لیڈر اور

ذرائع ابلاغ متواتر اعلان کر رہے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں تمام اسلامی تحریکوں کا سرچشمہ ایران ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای اور دوسرے ایرانی لیڈر مختلف موقعوں پر اپنی تقریروں میں مندرجہ ذیل نکات پر زور دیتے رہے ہیں۔

۱۔ دنیا میں مظلوم لوگوں کیلئے انقلاب ایران ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ آج دنیا کے مسلمانوں کی نظریں ایران پر لگی ہوئی ہیں اور اسلامی ایران ان کی آخری امید ہے۔

۳۔ خمینی کا ایمان تھا کہ خدا نے ایران کو ان اسلامی ملکوں کو انقلاب کی برآمد کی ذمہ داری سونپی ہے جو اسلام کے معاملے میں مخلص نہیں۔ یہ یا تو مغرب زدہ ہیں یا رشوت خور اور ظالم۔

۴۔ الجیریا کے واقعات سے جو ایرانی انقلاب کی کامیابی کے زیر اثر ظہور پذیر ہوئے، شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو تقویت ملی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ واقعات اب الجیریا تک محدود نہیں رہیں گے۔

۵۔ دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی بیداری اور ابھرتی ہوئی سوچ ایران کے اسلامی انقلاب کا نتیجہ ہے۔ اب مسلمان اس قابل ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے ملکوں میں ایران جیسا انقلاب لا سکیں۔

۶۔ ہمیں اپنے انقلاب کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر کرنی چاہئیں تاکہ دوسرے ملکوں میں انقلاب کی راہیں زیادہ ہموار ہو سکیں۔

۷۔ اسلامی انقلاب کی شعاؤں نے جو ایران سے اٹھ رہی ہیں، تمام دنیائے اسلام میں روشنی پھیلا دی ہے۔

۸۔ دوسرے ملکوں میں اس وقت اسلام کے حق میں جو شورشیں اٹھ رہی ہیں ان کے اور ایران کے اسلامی انقلاب کے درمیان ایک روحانی رشتہ ہے۔ ایران ایک ایسی زندہ مثال پیش کر رہا ہے جس کی پیروی سے دوسرے ملکوں میں صحیح اسلامی (شیعہ) حکومتوں کا قیام ممکن ہو گیا ہے۔

۹۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صحیح اسلام (شیعیت) اب ایران کی حدود سے باہر پہنچ چکا

ہے کہ اسے بغیر کسی طاقت کے استعمال کے برآمد کیا گیا ہے۔ دنیائے اسلام میں تمام مذہبی شورشیں ہمارے انقلاب کا نتیجہ ہیں۔

۱۰۔ انقلاب کو ایرانی حدود میں محصور کرنیکی امریکی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور اب اس کا پیغام دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ چکا ہے۔ افریقہ اور دوسرے ملکوں میں اسلامی بیداری اس کا ثبوت ہے۔

۱۱۔ ایران نے دوسرے ملکوں میں بڑھتی ہوئی اسلامی جدوجہد کی حمایت کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کے دوسرے مسلمانوں کو ایران اور اسلام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

۱۲۔ ایران کی خارجہ پالیسی کا ایک بڑا مقصد دوسرے ملکوں خصوصاً افریقہ کے مسلمانوں کا ایمان مضبوط کرتا ہے۔ایران کے اسلامی پروپیگنڈا کی تنظیم اس مقصد کیلئے پہلے ہی 38000 علماء مختلف جگہوں پر بھیج چکی ہے اور ایک بلین ریال سے زیادہ خرچ پر کتابیں وغیرہ چھاپ کر دوسرے ملکوں میں تقسیم کی جا چکی ہیں۔

ایران کی مخالف پارٹی کے ایک رہنما ڈاکٹر زاہدی نے ریڈیو قاہرہ کو بتایا کہ رفسنجانی کی الیکشن میں فتح سے ایران کی دہشت گردی اور جارحانہ پالیسیوں میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ انہوں نے OIC اور اسلامی ملکوں کو ایران سے تعاون نہ کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ ایرانی حکومت جھوٹے نعروں کی آڑ میں چھپ کر مذہب کی تجارت کرتی ہے۔ انہوں نے خلیج کی عرب ریاستوں اور دوسرے پڑوسی ملکوں کو خبردار کیا کہ وہ ایران کے ساتھ اپنے کاروبار اور لین دین میں محتاط رہیں۔

ریاست ہائے متحدہ اسلامی ۔ آیت اللہ خمینی کی خواہش کے مطابق ایران کا منصوبہ ہے کہ وہ اسلامی ملکوں پر مشتمل ایک وسیع خطہ اپنے زیر اثر لائے جس میں خلیج، مشرق وسطےٰ اور شمالی افریقہ کے عرب ممالک، افغانستان، پاکستان اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں شامل ہو نگی۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ایران کا وضع کردہ طریقہ کار یہ ہے کہ ان ملکوں میں کسی طرح یا تو شیعہ انقلاب لائے جائیں یا ایران نواز حکومتیں بر سراقتدار لائی جائیں۔

مصری ذرائع ابلاغ کے مطابق ایران اس پروگرام پر بھرپور عمل کر رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں کروڑوں ڈالر خرچ کئے جا رہے ہیں۔ ایران کی کچھ سرکاری تنظیمیں، سیاسی نمائندے اور لبنان میں حزب اللہ کے کارکن اس مہم میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ نمائندے ان تمام ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے رابطے ایسے نوجوانوں خصوصاً شیعہ نوجوانوں سے ہیں جو یا تو بے کار ہیں یا کسی وجہ سے اپنی حکومتوں سے بیزار ہیں اور یا شیعہ تنظیموں کے سرگرم کارکن ہیں۔ ایسے نوجوانوں کو ایرانی اور بوسینائی لڑکیوں سے شادی کی ترغیب اور مالی پیشکش کی جاتی ہے اور تخریب کاری کی تربیت کے لئے ایران لایا جاتا ہے جہاں اس مقصد کیلئے درجنوں تربیتی مراکز کام کر رہے ہیں۔

ان مرکزوں میں نوجوانوں کے دماغوں میں بٹھایا جاتا ہے کہ ان کے حکمران غیر اسلامی ہیں، مغرب کے غلام ہیں یا امریکی اسلام کے پیرو ہیں۔ تربیت کاروں کے مطابق پروگرام کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل مرکزی جگہوں، چوراہوں اور پر ہجوم بازاروں میں بموں کے دھماکے کرنا جس سے لوگ بددل ہوں اور یہ ثابت ہو کہ اس ملک میں استحکام اور پائیداری نام کی کوئی چیز نہیں اور امن کا فقدان ہے۔ دوسری منزل، ان پولیس والوں، وکیلوں اور ججوں وغیرہ کا قتل ہے جو تخریب کاروں یا ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے یا ان کے خلاف وکالت کرنے اور یا ان کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں۔ تیسری منزل حکومت کا تختہ الٹنا اور شیعہ حکومت یا ایران نواز لوگوں کو برسراقتدار لانا ہے۔

اسکندریہ میں چند گرفتار شدہ مصری تخریب کاروں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے ایران کے شہر مشہد میں تربیت حاصل کی۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں تقریباً ۱۵۰۰ نوجوان زیر تربیت تھے جن کا تعلق مصر، الجزائر، تیونس، سعودی عرب اور پاکستان سے تھا۔

لندن کے ایک عربی اخبار المجلہ کے مطابق ایران نے فروری 1980 میں دنیا بھر سے انقلابیوں کی (جن میں پاکستانی شیعوں کے نمائندے بھی شامل تھے) ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس وقت سے لے کر اب تک اسلامی ملکوں میں انقلابی

تحریکوں کی مدد پر 14 بلین ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ایرانی حکومت نے صرف 1990 میں لبنان، پاکستان، افغانستان اور کئی دوسرے عرب ملکوں میں شیعہ تنظیموں اور دوسری انقلابی تحریکوں کی مدد کیلئے 120 ملین ڈالر مختص کئے۔ اخبار کے مطابق اسلامی ملکوں کی بڑی بڑی پارٹیاں جن میں لبنان میں حزب اللہ، عراق میں اسلامی انقلاب کی سپریم کونسل، پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ، افغانستان میں وحدت پارٹی، سوڈان میں (N I F)، مصر میں الجہاد اور الجزائر میں (I S F)اسلامک سالویشن فرنٹ شامل ہیں۔

ایران نے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے جنوبی لبنان میں 6 ریڈیو سٹیشن بھی قائم کئے ہیں جو 1993 سے کام کر رہے ہیں (1) ریڈیو گرین (2) صدائے امن (3) ریڈیو قرآن(4) صدائے اسلام (5) دعوت ایمان اور (6) صدائے العصر۔ ایران کا پروگرام پورٹ سوڈان میں بھی ایک ریڈیو سٹیشن قائم کرنا ہے جس کا نام صدائے انقلاب اسلامی ہو گا۔

ایران اس خطہ کے ملکوں میں نمایاں مقام اور برتری حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو بہترین اسلحے سے بھی لیس کر رہا ہے۔ اسلحہ سازی کے چند کارخانے جو شاہ کے زمانے میں انگلینڈ اور امریکہ کے تعاون سے قائم ہوئے تھے۔ان کی وسعت اور پیداوار میں اب کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ انقلاب کے بعد اسلحہ سازی کے مزید کارخانے شمالی کوریا، چین، آسٹریا، جارجیا اور یوکرائن کے تعاون سے قائم ہو چکے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں ایرانی انقلابی کارکن ان کارخانوں میں دن رات خاموشی سے کام کر رہے ہیں۔

خبروں کے مطابق ایرانی اسلحہ سازی میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اور اب ایسا جدید ترین اسلحہ بنایا جا رہا ہے جو اس خطہ میں کسی ملک کے پاس نہیں ہے۔ ایرانی وزراء دوستی کی آڑ میں دوسرے اسلامی ملکوں کا دورہ کر کے ان کی اسلحہ سازی کی صلاحیت کا اندازہ بھی لگا رہے ہیں تاکہ اس شعبہ میں ان سے کسی طرح پیچھے نہ رہیں۔ اب ایٹمی اسلحہ حاصل کرنے کیلئے بھی سرتوڑ کوششیں ہو رہی ہیں۔

ایران اور شیعیت

پہلی صدی ہجری کے آغاز ہی سے اسلام کو زبردست سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سازشیں دراصل ان لوگوں کی طرف سے تھیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی پر تلے ہوئے تھے ۔ ایک طرف تو اسلام کے حامی اور نام لیوا بنتے تھے اور دوسری طرف اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

ان سازشوں کا سربراہ یمن کا ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا جو محض اسلام سے اپنی نفرت کی وجہ سے مسلمان ہوا اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ شخص تورات اور انجیل کا عالم تھا اور اپنے دینی عقائد پر پختہ یقین رکھتا تھا۔ اسلام کا قوت حاصل کرنا چونکہ یہودیوں کے زوال کا باعث بن رہا تھا اس لئے مسلمان بن کر مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتا تھا اور غلط عقیدوں کے ذریعے ان کو گمراہ کرنا چاہتا تھا۔

ایمان لانے کے بعد اس نے بعض ایسی من گھڑت باتوں کی اشاعت شروع کر دی جو اسلام کی تعلیمات اور روح کے سراسر منافی تھیں اور جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم امہ کی وحدت کو نقصان پہنچا اور ان منافقین کی سازشیں کامیاب ہونے لگیں۔

یہودیوں کے علاوہ ایرانی آتش پرست مجوسی بھی حضرت عمرؓ کے ہاتھوں اپنی سیاسی قیادت سے محروم ہو چکے تھے۔ ایرانیوں کے مطابق عرب قوم جاہل اور ہر حیثیت میں ان سے کمتر تھی اس لئے اس کے ہاتھوں اپنی شکست کو باعث ذلت سمجھتے تھے۔ بظاہر تو مسلمان ہوگئے تھے لیکن عربوں کے خلاف انتقام کی آگ میں بری طرح جل رہے تھے۔ عربوں سے بدلہ لینے کیلئے وہ بھی اسلام کے خلاف یہودی سازشوں میں شریک کار ہوگئے۔ ایرانیوں کی پہلی کامیابی ان کے ہاتھوں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کی شہادت تھی۔

ایران کی درسی کتابیں عربوں کو ایک ظالم، وحشی اور جاہل قوم سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ عربوں نے ایران کو طاقت کے بل بوتے پر فتح کیا اور

یہاں کی تہذیب اور ثقافت کو تباہ کر دیا اور ایرانیوں کو جبراً مسلمان بنایا۔ لیکن ایرانی چونکہ سچائی پر یقین رکھتے تھے لہذا انہوں نے وہ مذہب قبول نہیں کیا جس پر عرب ایمان لائے تھے۔ چونکہ ایرانی انصاف اور سچائی پر یقین رکھتے تھے اور خالصتاً اریہ نسل سے تھے اس لئے انہوں نے سچائی پر مبنی شیعہ مذہب اختیار کیا۔

ایک اور سرکاری کتاب (جو شاہ کے زمانے میں چھپی) میں لکھا ہے "ایران میں آتش پرستی عرب حملہ آوروں کے ہاتھوں زوال پذیر ہوئی لیکن یہ ظاہری تسخیر ایرانیوں کے دلوں اور تہذیب کو زیر نہ کر سکی کیونکہ حملہ آور کوئی نئی چیز نہ لائے تھے اس طرح اسلامی فلسفہ جلد ہی ایرانی نظریات کے زیر اثر آگیا۔ شیعوں نے پیغامبر کے داماد کے حقوق کو بلند رکھا لیکن یہ اختلاف بھی صرف ایک ظاہری نکتہ تھا اصل فرق تو اسلام کی تعلیم اور ایران کی آزاد سوچ میں تھا۔"

کتاب میں مزید لکھا ہے "مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کیلئے قرآن خدا کا کلام ہے خدا کا نشان اور قانون۔ لیکن شیعوں کا عقیدہ اور ایمان دوسرے پرانے مذہبوں کی طرح صرف ایک شخصیت پر ہے جیسے مسیحوں کا خداوند مسیح پر اور بدھوں کا بودھ پر۔ اماموں کے اوپر ایرانیوں کی عقیدت نے ملک میں مشخص مذہب کی جگہ ایک الہامی مذہب ایجاد کر لیا اور ایرانی مذہب (شیعیت) کے عیسائی مذہب کے ساتھ اس رشتہ اور مناسبت نے شیعیت کو مغرب میں مقبول بنا دیا ہے"۔

ایران کی درسی کتابوں کے مطابق "شاہ اسماعیل صفوی نے 1501 عیسوی میں سنی مذہب کی بجائے شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ شیعوں کا قتل عام کیا اور تلوار کے زور پر تبرا' صحابہ کرام کو سرعام گالیاں دینا اور سینہ زنی کو نافذ کیا نیز اذان کو تبدیل کیا ۔ شاہ اسماعیل نے اس طرح ایرانیوں میں یگانگت کی ایک نئی روح پھونک دی بالکل اسی طرح جیسے ساسانیوں کے دور میں موجود تھی جب ایران کا مذہب آتش پرستی تھا"۔

ایرانی شیعہ علما کے مطابق رسول اکرم نے ایک الہام کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کو غدیرخم میں اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ ایران کے موجودہ رہنما اس واقعہ کو شیعیت کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اس روز کی یاد میں سرکاری طور پر بڑے جوش و خروش سے جشن مناتے ہیں۔ عام ایرانی سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ غدیر خم کے واقعہ کی بنا پر نہ صرف یہ کہ خلیفہ نہ بن سکے۔ بلکہ انہوں نے حضرت ابوبکر اور دوسرے خلفا کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تو پھر اس جشن کا کیا مقصد ہے ؟ اس پر وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا یہ بیعت کرنا مبنی بر تقیہ تھا۔

عید غدیر کے بعد ایرانی شیعوں کا دوسرا بڑا تہوار زرتشتیوں کی عید یعنی سال شمسی کا پہلا دن نوروز ہے ۔ یاد رہے کہ شاہ کے زمانے میں شیعہ علما اس دن کو جشن منانا غیر اسلامی تصور کرتے تھے لیکن اب شیعہ حکومت اس کو سرکاری طور پر منانے میں پیش پیش ہے کچھ ایرانی شیعہ لوگ آتش پرستوں کی طرح نوروز کے موقع پر آگ پر سے بھی گزرتے ہیں۔ ایران میں عیدالفطر اور عیدالاضحے کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

شیعہ ایران میں نماز با جماعت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بعض مساجد جو فن تعمیر کا نمونہ سمجھی جاتی ہیں' اکثر مقفل رہتی ہیں اور صرف کسی ملک کے سربراہ کو دکھانے کیلئے ہی کھلتی ہیں۔ ایرانی کہتے ہیں کہ جب تک ان کے امام مہدی ظاہر نہیں ہوجاتے باجماعت نماز نہیں ہوسکتی۔

ایرانی شیعہ رہنما گو خود کو مسلمان کہتے نہیں تھکتے لیکن اپنے آئین میں انہوں نے اپنا سرکاری مذہب اسلام کی بجائے جعفری اثنا عشری قرار دیا ہے۔ ایران کے سرکاری حلقے اور ذرائع ابلاغ بار بار دہراتے ہیں کہ یہی سچا اسلام ہے۔

شاہ کے زمانے میں پڑھے لکھے لوگ شیعیت کو سیاسی مذہب قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ صفوی خاندان نے عرب اور عجم میں تاریخی شگاف کو وسیع کرنے کیلئے اسلام کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایرانی ملا "قتل کرا

اور قتل ہو جاؤ" کے دلفریب نعروں کے سہارے پر پھلتے پھولتے اور پرورش پاتے ہیں۔ فارسی کی ایک ضرب المثل بھی سنائی جاتی تھی کہ "ایرانی قالین اور ایرانی ملا پر قدم مت رکھو کیونکہ اس طرح ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے" وہ شیعیت کا نعرہ بھی سناتے تھے جس کا مطلب ہے "خون ہمیشہ تلوار پر ظفریاب ہوتا ہے"۔

ایران کے مذہبی رہنما آیت اللہ خامنہ ای کا کہنا ہے کہ کربلا کا جذبہ جہاد ہی ایرانی انقلاب کی کامیابی کا باعث بنا ۔ وہ کہتے ہیں کہ حسین بن علی کی قربانی ہی نے اسلام کو زندہ رکھا وگرنہ اسلام پہلی صدی ہجری میں ہی مکمل طور پر ختم ہو چکا ہوتا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم شیعہ لوگوں کو اس واقعہ سے بہت فائدہ پہنچاہے ہم نے اس واقعہ کی بنیاد پر مذہب کی حفاظت کی۔ واقعہ کربلا کے متعلق شاہ کے زمانے میں ایک ٹی وی پروگرام میں ایک شیعہ عالم نے بتایا کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو کوفہ کی زبان فارسی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ پاکستانی شیعہ سڑکوں پر ماتم کرنے کو اپنے مذہب کی بنیاد قرار دیتے ہیں جب کہ ان کے امام آیت اللہ خمینی سرعام سینہ کوبی کو اسلام کی بدنامی کا باعث سمجھتے تھے۔ ایرانی ذرائع ابلاغ کے مطابق ان کی اس سوچ کی وجہ سے ان کی زندگی میں یہ رسم تہران اور ایران کے دوسرے بڑے شہروں میں تقریباً" ختم ہوگئی تھی لیکن سرکاری ناپسندیدگی کے باوجود اسے بالکل ختم نہیں کیا جاسکا۔

1992ء میں محرم کے دوران ایران کے بعض اخباروں نے سرعام سینہ کوبی خصوصاً" زنجیروں اور چھریوں کے استعمال کو ظالمانہ ' خوفناک اور قابل نفرت قرار دیا تھا۔ 1995ء میں محرم کے دوران آیت اللہ خامنہ ای نے بھی شیعہ عزاداروں پر زور دیا تھا کہ وہ ماتم کی رسم ترک کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ اس رسم کی وجہ سے شیعہ فرقہ ضعیف الاعتقاد اور غیر معقول نظر آتا ہے۔

شیعوں کا اصول "تقیہ" دروغ مصلحت ان کو اپنے اصل روپ میں نہیں آنے دیتا اور غیر شیعہ عوام ان کو صحیح طور پر پہچان نہیں پاتے۔ دنیا کیلئے یہ

جاننا مشکل ہوچکا ہے کہ شیعہ کی کونسی بات درست تصور کی جائے اور کونسی غلط ۔ ایران کی تاریخ گواہ ہے کہ شیعہ ایران آج تک کسی کا قابل اعتماد دوست نہیں بن سکا۔ اگر وہ آپ کی حمایت کرتا ہے تو کون جانے کہ یہ سچ ہے یا مبنی بر تقیہ؟۔

جو مسلمان صحابہ کرام کی دینی خدمات کی بنا پر ان کی عزت و احترام پر زور دیتے ہیں اور شیعوں کے بعض غلط عقیدوں کی نشان دہی کرتے ہیں' ایرانی حکومت اور شیعہ علماء ان کو سعودی عرب کے پروردہ "وہابی" کا نام دیتے ہیں اور ان کو ایرانی انقلاب اور شیعوں کا دشمن قرار دیتے ہیں۔

ایران میں 1990ء میں ایک بین الاقوامی اہل بیت کانفرنس منعقد کی گئی جس میں پاکستان سمیت دینا بھر سے شیعہ لیڈروں نے شرکت کی اور اس کے فیصلہ کے مطابق ایک بین الاقوامی اہل بیت کونسل قائم کی گئی جس کا صدر دفتر تہران میں ہے اور ذیلی دفاتر بہت سے دیگر ملکوں میں ہیں اور آیت اللہ خامنہ ای اس کونسل کے نگران اعلی ہیں۔ اس کا مقصد دنیا میں "شیعہ کے خلاف وہابیوں کے زہریلے پروپیگنڈے" کو ختم کرنا ہے۔ آیت اللہ جنتی (جو کونسل کے صدر ہیں) نے کہا "وہابی اپنی مالی طاقت کے بل بوتے پر "امریکی اسلام" کو سچا اسلام ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لہذا ہمیں مل کر ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے"۔

ایک ایرانی اخبار نے لکھا کہ پاکستان' افغانستان اور کچھ افریقی ملکوں سے آمدہ اطلاعات کے مطابق سعودی عرب کے پٹھو وہابیوں نے ایرانی مسلمانوں سے مقابلہ تیزتر کردیا ہے۔ اس سے پہلے یہ طبقہ اسرائیل کے اثرات زائل کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہابیوں کی نظر میں شیعہ یہودیوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔

ایک ایرانی عورت شہلا حائری (جو ایک ایرانی آیت اللہ کی پوتی ہے) نے امریکہ میں متعہ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "خواہشات کا قانون" (Law of Desire) ہے۔ متعہ کے اصول کو بیان کرتے

ہوئے وہ لکھتی ہے کہ "متعہ ایک مرد اور ایک غیر شادی شدہ عورت کے درمیان میاں بیوی کی حیثیت سے ہمبستری کیلئے زبانی معاہدے کا نام ہے جس کیلئے نہ کسی گواہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ رجسٹریشن کی اور اس معاہدے کیلئے وقت کی بھی کوئی قید نہیں۔ یہ معاہدہ ایک گھنٹہ یا زیادہ مدت کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔ اگر باہمی رضا مندی سے نہ بھی بڑھایا جائے تو یہ زبانی معاہدہ وقت کے خاتمہ پر از خود ختم ہو جاتا ہے۔

یہ مصنفہ مزید لکھتی ہے کہ ایران کے موجودہ شیعہ علماء متعہ کو فروغ دینے اور عام کرنے کیلئے باقاعدہ مہم چلا رہے ہیں تاکہ مغرب کی بے راہ روی اور آزادانہ شہوت رانی کا مقابلہ کیا جاسکے اور بدکاری کو قانونی شکل دی جاسکے۔

ایرانی حلقے اسی خاص مقصد کے تحت پاکستان میں بھی متعہ کی تشہیر عام کر رہے ہیں اور نوجوان نسل کو اس کیلئے اکسا رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک کتاب "اسلام - دین حکمت" جو محمد حسین بہشتی، ایرانی سپریم کورٹ کے سابق جج اور محمد جواد باہو نار سابق وزیراعظم کے مضامین کا اردو ترجمہ ہے، جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی کی طرف سے بڑی خوبصورتی سے شائع کی گئی ہے اور مفت تقسیم کی جا رہی ہے اس میں ایک علیحدہ باب متعہ کے متعلق بھی ہے جس میں نوجوانوں کیلئے متعہ کی اہمیت اور ضرورت تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سنی نوجوان اسی اصول کے تحت راغب ہو کر پہلے شیعہ عورتوں کی طرف جھکتے ہیں اور پھر شادی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایران اور اس کی مسلم (سنی) آبادی

ایران کی تاریخ کی درسی کتابوں کے مطابق صفوی بادشاہوں سے پہلے ملک کی مسلم(سنی) آبادی شیعوں سے کہیں زیادہ تھی۔ اور ایران کا سرکاری مذہب بھی سنی تھا۔ شاہ اسمٰعیل نے جب ۱۵۰۱ عیسوی میں شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تو اس کے کچھ درباریوں نے اس کو بتایا کہ گرد و نواح پر سنی کثرت سے آباد ہیں جو حکومت کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل نے جواب دیا "میں اس کام کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہوں۔ اگر کوئی شخص میرے اس فیصلے کے خلاف آواز اٹھائے گا تو میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

کتابوں کے مطابق شاہ اسمٰعیل نے اعلان کیا کہ خلیفوں (خلفائے راشدین) کو سر عام گالیاں دی جائیں اور ہر وہ شخص جو ان گالیوں کو سنے، کہے کہ "زیادہ سے زیادہ گالیاں دو"۔ اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی اس حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو، اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس نے اذان کو بھی تبدیل کیا اور تعزیہ، سینہ کوبی اور مرثیہ خوانی کو بھی رواج دیا۔

درسی کتابیں لکھتی ہیں کہ ایران کے لوگ جو ۹۰۰ سال پہلے سے سنی مذہب پر تھے شیعہ بنا دیئے گئے اور اس طرح صفویوں نے ساسانی دور کی طرح جب ایران کا مذہب آتش پرستی تھا از سر نو ایرانیوں میں یگانگت کی ایک نئی روح پھونک دی اور صدیوں بعد ایران کی وحدت اور عظمت کو ایک بار پھر زندہ کر دیا۔

یہ کتابیں لکھتی ہیں کہ صفویوں کے ہاتھوں سینوں کے ہولناک قتل عام (اطلاعات کے مطابق ۴ ملین سے زیادہ سنی قتل کئے گئے) سے ارد گرد کے ملکوں خصوصاً ترکی میں، غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی جس کے نتیجے میں ترک عثمانیوں اور صفویوں میں کئی لڑائیاں لڑی گئیں۔

رضا شاہ اور شاہ کے دور میں بھی سینوں کو بری طرح دبا کر رکھا گیا۔

یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو سنی کہتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ نہ صرف سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں نوکریوں کے دروازے ان پر بند تھے بلکہ تعلیمی درسگاہوں میں بھی ان کو داخلے نہیں ملتے تھے۔ وہ علاقے جہاں سنی اکثریت میں تھے جان بوجھ کر پس ماندہ رکھے گئے تھے۔

شاہ کے دور میں کم و بیش تمام شہری آبادی مغرب زدہ تھی اور اس کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ لیکن **شیعیت** کے معاملے میں وہ بھی بہت انتہائی متعصب تھے۔ ان کے دلوں میں سب مذہبوں کیلئے برداشت کی قوت تھی سوائے سنیوں کے جنہیں وہ مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر ایرانی پاکستانیوں سے سب سے پہلا یہی سوال کرتے تھے کہ آیا وہ مسلمان ہیں یا سنی۔ مسلمان کہنے پر وہ صحابہ کرامؓ کو گالیاں دینے کو کہتے تھے۔

ایران کے ایک مشہور سکالر شیخ مصطفےٰ راہنما نے جو آزاد مسلم تنظیم کے بانی اور ایک اہم کتاب (World Muslims) کے مصنف ہیں، جنوری 1979کو اپنے ایک بیان میں کہا کہ ایران میں شیعوں کی تعداد 27 ملین ہے جب کہ سنیوں کی آبادی 9 ملین ہے۔ سنی زیادہ تر کردستان، بلوچستان، تالش، کرمان شاہ کے کچھ حصوں میں اور خوزستان، خراسان، فارس اور جنوب مغربی آذربائیجان میں آباد ہیں۔

یہ حیران کن بات ہے کہ تہران میں لاکھوں سنی آباد ہیں لیکن ان کی **ایک مسجد** بھی نہیں ہے جہاں وہ آزادی سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ سکیں حالانکہ درجنوں گرجا گھر، آتش کدے، یہودی صومعے، ہندو مندر اور سکھ گردوارے بھی موجود ہیں۔

شاہ کی تخت گیر پالیسیوں کے پس منظر میں اور آیت اللہ خمینی کی اس یقین دہانی کے باعث کہ انقلابی تحریک اسلامی ہے اور اس کی کامیابی کے بعد اہل سنت کو بلا امتیاز برابری کی بنیاد پر سماجی اور مذہبی حقوق دیئے جائیں گے، سنیوں نے شاہ کے خلاف انقلاب میں بھرپور حصہ لیا لیکن شاہ کا تختہ الٹتے ہی خمینی کی طرف سے عہد شکنی، دغا بازی اور دوغلے پن کا عملی مظاہرہ شروع

ہو گیا۔

دنیا کو دھوکا دینے کیلئے ایک آزاد خیال شخص (بازرگان) کو وزیر اعظم بنا دیا گیا جب کہ پس پردہ شیعہ علماء ایران کا آئین مرتب کرنے میں لگ گئے۔ اس دوران آیت اللہ خمینی سنی راہنماؤں کو بار بار یقین دلاتے رہے کہ ایران کا آئین اسلامی ہو گا اور سنیوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔ لیکن اچانک ایک اعلان کے ذریعے **شیعیت** کو سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا اور سنیوں کو بہ یک قلم تمام جائز حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ آئین کے تحت ان کو یہودی، عیسائی، پارسی، آرمینی اقلیتوں جیسے علیحدہ حقوق بھی نہ دیئے گئے۔ ایرانی مجلس میں ان کے لئے نشستیں مخصوص کر دی گئیں لیکن سنیوں کو اس حق سے محروم رکھا گیا۔ اگر کوئی سنی اپنے علاقے میں مجلس کا امیدوار بننے کی کوشش بھی کرتا ہے تو اسے قتل کروا دیا جاتا ہے یا اس کے انتخاب میں دھاندلی کی جاتی ہے۔

ایران میں **شیعیت** کو سرکاری مذہب بنانے اور سنیوں کے ساتھ کی گئی بے انصافی اور زیادتی کے خلاف سنی اکثریتی صوبوں میں آواز اٹھائی گئی لیکن شنوائی اور داد رسی کی بجائے طاقت کا طاغوتی طریق کار اپنایا گیا۔ اور سنی آبادیوں کو سنگین ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر ان کی آواز کو بے دردی سے دبا دیا گیا۔

شیعہ حکومت کا پہلا ہدف سنی اکثریتی صوبہ کردستان بنا جہاں ان پر کمیونسٹ اور ضد انقلاب دشمن ہونے کا الزام لگا کر کرد آبادیوں پر نیپام بم برسائے گئےاور ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور لاتعداد عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ کردوں پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ ترک تنظیمیں امریکی سی۔ آئی۔ اے سے مل کر کردستان میں سازشیں کر رہی ہیں۔

سنی صوبہ بلوچستان کی آبادی کو بھی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دہشت گردی اور بربریت کا نشانہ بنایا گیا ان کو انقلاب مخالف کہا گیا۔ یہ اعلان

بھی کیا گیا کہ ایران کے دشمنوں نے مشرق میں آزاد بلوچستان کیلئے منصوبہ بندی کی ہے اور اس منصوبہ کا سربراہ جنرل اسمٰعیل استروم پاکستان میں پناہ گزین ہے۔

شیعہ انقلاب کے بعد ایران کی پہلی مجلس میں دو بلوچی سنی رہنما علامہ عبدالعزیز ملا زادہ اور علامہ احمد مفتی زادہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے سنی مسلمانوں پر ظلم و جبر کے خلاف اور ایرانی آئین پر اسلام کی بجائے شیعیت کی چھاپ لگانے کے خلاف مجلس میں پر زور آواز اٹھائی۔ لیکن ان کی ہر کوشش بے سود رہی اور ہر تجویز سختی سے ٹھکرا دی گئی۔ علامہ عبدالعزیز نہایت بد دل ہو کر مجلس کی رکنیت سے دستبردار ہو گئے اور چپ سادھ لی اور علامہ مفتی زادہ کو نظر بند کر دیا گیا جہاں وہ گزشتہ کئی سالوں سے قید و بند کی صعوبتوں سے گزر کر جاں بلب ہیں۔

علامہ عبدالعزیز کے بیٹے حافظ علی اکبر ملا زادہ کا ایک مضمون کچھ عرصہ پہلے لندن کے ایک پندرہ روزہ جریدے میں چھپا تھا اس میں انہوں نے ایران کے سنی مسلمانوں کی حالت زار نہایت درد ناک لفظوں میں بیان کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ تہران کے موجودہ شیعہ حکمران سنی مردوں کا قتل عام کرنے، انہیں جبراً" شیعہ مذہب اختیار کرنے اور سنی نوجوانوں کو نقل وطن کرنے پر مجبور کرنے کے ایک سہ جہتی دس سالہ منصوبہ پر عمل پیرا ہیں۔ اور اندیشہ ہے کہ اس طرح اپنے مردوں اور نوجوانوں سے محروم ہو کر لاوارث بیوہ عورتیں اور یتیم بچے عملی طور پر شیعہ حکومت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ایران کی شیعہ حکومت میں آج ریاست یا انتظامیہ کا کوئی عہدہ دار سنی نہیں ملے گا حد تو یہ ہے کہ سنی علاقوں میں متعین قاضی، جج اور سکولوں وغیرہ میں استاد بھی سارے شیعہ ہیں۔

حافظ علی اکبر لکھتے ہیں کہ ایران میں تمام ذرائع ابلاغ شیعہ عقائد اور نظریات کے پر چار کی پالیسی اپنا کر اہل سنت اور اسلام کے خلاف ایک مسلسل مہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسلامی اقدار و شعائر اور اسلاف کو تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ سنی طلباء کو یونیورسٹی سطح پر حصول تعلیم سے محروم رکھا جاتا

ہے۔ زاہدان یونیورسٹی میں دو ہزار طلبا میں سے صرف ۹ سنی طلبا کو داخلہ دیا گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ کاروبار، زراعت اور صنعت کی سکیموں میں امداد کیلئے بنک کے قرضے، لائسنس اور دیگر مراعات اور سہولتیں صرف شیعہ کے لئے مختص ہیں۔ خواہ ان سکیموں کا تعلق سنی علاقوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

حافظ علی اکبر لکھتے ہیں کہ بد قسمتی سے ان کا واسطہ ایک ایسی قیادت سے آن پڑا ہے جس کا ایمان ہی حقیقت حال کو چھپانا اور جھوٹ بولنا ہے۔ اور تقیہ سے کام لینا ان کے لئے عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

ایران میں سنیوں کی ایک اور جماعت " سازمان مجاہدین اہل سنت" نے اقوام متحدہ، رابطہ عالم اسلامی اور موتمر عالم اسلامی کو اپنے خطوط کے ذریعے ایران میں سنیوں کے ساتھ ہونے والے سفا کانہ سلوک اور ان کے قتل عام پر ان کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ صحیح حالت جاننے کیلئے اپنے وفود ایران بھیجنے کیلئے درخواست کی ہے۔ اس خط کی نقل پشاور کے ایک انگریزی روز نامہ فرنٹیر پوسٹ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۹۲ میں شائع ہو چکی ہے۔ انہوں نے اپنے خط میں ایران کی متعصب شیعہ حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جن کے تحت وہ مختلف طریقوں سے سنی اکثریت کے علاقے شیعہ اکثریت میں تبدیل کر رہے ہیں۔

یہ جماعت اپنے خط میں لکھتی ہے کہ ایران میں سنی اپنے بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں گو سنی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایرانی آبادی کا چوتھا حصہ ہیں۔ (لیکن غیر سرکاری طور پر 40 فیصد ہیں) ایرانی حکومت نے (جو کہ انتہائی متعصب شیعوں پر مشتمل ہے) ۱۹۷۹ سے اب تک سنیوں پر ظلم و ستم روا رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ بلوچستان میں جہاں ۹۹ فیصد سنی آباد ہیں اب تک ہزاروں لوگ یا تو تختہ دار پر لٹکائے جا چکے ہیں یا گولیوں سے بھونے جا چکے ہیں۔ ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ انقلاب مخالف ہیں، کیمونسٹ ہیں، ہیروئن کا کاروبار کرتے ہیں، وہابی ہیں یا خارجی جاسوس

ایران اور پاکستان

رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں سرکاری اور درسی کتابیں اس بات کو بار بار دہراتی تھیں کہ ایران کئی سو سال تک دنیا کے ایک وسیع حصے پر حکومت کرتا رہا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد ہر طرح ترقی یافتہ تھے اور گرد و پیش کے ملکوں سے برتر اور اعلےٰ تھے۔ مشرق میں افغانستان اور دریائے سندھ تک کے علاقے اور مغرب میں مصر تک کے علاقے صدیوں تک ایران کے زیر تسلط رہے ہیں۔ ایرانی بلوچستان کا مشرقی حصہ جو آج کل پاکستان کا علاقہ ہے انگریزوں نے قاجار خاندان کے حکمرانوں سے زبردستی چھین لیا تھا۔

ایران کے ذرائع ابلاغ بار بار دہراتے تھے کہ اس خطہ کے تمام ملکوں اور برصغیر میں زبان ' تہذیب ' رہن سہن اور لباس کا سرچشمہ ایران رہا ہے۔ ایرانی لوگ برملا کہتے تھے کہ برصغیر کے صاف رنگ کے لوگوں میں ایرانی خون ہے اور جنوبی ایران کے سیاہ فام لوگوں میں عربی خون ہے۔

شاہ کے زمانے کی درسی اور دوسری سرکاری کتابوں میں ایران کے آریہ نژاد ہونے پر بھی فخر کا اظہار کیا جاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ عرب غیر مہذب اور جاہل ہیں ۔ ترک ظالم ہیں اور پاکستانی پس ماندہ ہیں۔ مذہب کے متعلق لکھا جاتا تھا کہ ایران میں عرب حملہ آور اسلام کو لائے لیکن ایرانیوں نے بھی اس اسلام کو قبول نہیں کیا جس کی عرب پیروی کرتے ہیں۔

اس قسم کی سوچ نے ایرانیوں میں نہ صرف نسلی برتری اور تکبر بلکہ پڑوسی لوگوں کے خلاف حسد کی آگ بھی بھڑکا دی ہے۔ پڑوسی ملکوں کی ترقی اور امن ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور اس کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے ایرانی قوم اور ذرائع ابلاغ ان کی کمزوریوں کو اچھالتے رہتے ہیں۔ ان کے خلاف طرح طرح کے طنزیہ مضامین لکھتے اور نشر کرتے ہیں' ان کے مختلف طبقات میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ترکی کو آنکھیں دکھانے کے لئے یونان سے دوستی کرتے ہیں۔ اور پاکستان پر دباؤ بڑھانے

ہیں۔

اس جماعت نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ اقوام متحدہ' بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیمیں یا کوئی اسلامی ادارہ ان کی اس حالت زار پر کوئی توجہ نہیں دے رہا جس سے ایرانی حکومت کی اپنی سنی آبادی پر ظلم ڈھانے میں مزید حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

اس کے برعکس ایران کے ذرائع ابلاغ پاکستانی حکومت کو اکثر انتباہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر اس ملک میں تمام عقیدے کے لوگوں کو ان کے مذہبی معاملات میں آزادی نہ دی گئی اور شیعہ مخالف جماعت سپاہ صحابہ پر پابندی نہ لگائی گئی تو پاکستان میں نہ صرف خانہ جنگی ہو سکتی ہے بلکہ اس کے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

حد تو یہ کہ ایران اپنی 40 فیصد سنی آبادی کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر انتہائی ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا ہے جبکہ پاکستان نہ صرف خاموش تماشائی بنا ہوا ہے بلکہ اپنی معذرت خواہانہ پالیسی کے سبب سے ایک طرح سے گویا اس کی معاونت کر رہا ہے اور دوسری طرف پاکستان کی شیعہ اقلیت جو ڈھائی فیصد سے زیادہ نہیں' شہ پا کر اس ملک میں شیعہ انقلاب لانے کی باتیں کر رہی ہے۔

مسئلہ کا حل: میرے خیال میں اس مسئلے کا حل خود ایران نے پیش کر دیا ہے۔ ایران کے دستور میں اکثریتی آبادی یعنی فقہ جعفریہ کے عقیدے کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی کتاب و سنت کی سنی تعلیمات کو اپنے آئین میں شامل کر لینا چاہیے۔ اور پاکستان میں شیعوں کو وہی مذہبی اور سماجی مراعات دے دینی چاہئیں جو ایران میں سنیوں کو حاصل ہیں۔ پاکستان کے اہل تشیع کو بھی اس حل کو بخوشی قبول کر لینا چاہئے ' یہی مسئلے کا واحد حل ہے۔

کے لئے ہمارے ازلی دشمن بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ آپ اگر دب گئے تو آپ کے سر پر سوار ہو جاتے ہیں ۔ آپ سے مطلب پڑتا ہے تو آپ سے معافی مانگنے اور پاؤں پکڑنے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کسی وقت اچانک ایسی آنکھیں پھیر لیتے ہیں کہ آپ کو سمجھنا محال ہو جاتا ہے کہ کس بات پر ناراض ہو گئے ہیں۔

شاہ ایران پہلا حکمران تھا جو پاکستان بننے کے بعد اس ملک میں آیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا اپنے ملک کے باہر ایسا فقید المثال استقبال ہو سکتا ہے لیکن 1953 میں ایرانیوں کے اس کے خلاف فیصلے نے شاہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ گو وہ امریکہ کی مدد سے اپنا تخت واپس لینے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن اس کے بعد وہ پژمردہ رہنے لگا اور اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ اس حالت میں اسے پاکستانیوں کا اپنے ساتھ والہانہ لگاؤ بار بار یاد آتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی سلطنت میں پاکستان کو بھی شامل کرنے کا خواب دیکھنے لگا۔ اس نے سکندر مرزا کو ایران اور پاکستان کی کنفیڈریشن بنانے کی تجویز پیش کی۔ چونکہ سکندر مرزا بھی اقتدار پسندی اور جاہ طلبی میں کم نہ تھا۔ وہ فوراً" راضی ہو گیا۔ اکتوبر 58 کے شروع میں جب کہ سکندر مرزا کی تہران میں موجودگی کے دوران کنفیڈریشن کا مسودہ زیر غور تھا سکندر مرزا کو اچانک کراچی بلا لیا گیا۔ چند دنوں کے بعد جنرل ایوب نے اقتدار سنبھال لیا ۔ اس طرح کنفیڈریشن کی تجویز آگے نہ بڑھ سکی۔

صدر ایوب نے 1959 میں ایران کا دورہ کیا' شاہ ان کی شخصیت' ہمدردی اور خلوص سے بہت متاثر ہوا۔ اس کے بعد ان کے شخصی تعلقات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ولی عہد کی پیدائش پر عام ایرانی یہ کہتا پایا گیا کہ یہ جنرل ایوب کا بیٹا ہے۔

ولی عہد کی پیدائش کے بعد شاہ کو ایک دفعہ پھر اپنی شہنشائیت مستحکم محسوس ہونے لگی۔ اس دوران ایران کے تیل کی آمدنی میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ ادھر امریکہ نے شاہ کو تھپکی دی اور علاقے میں پولیس مین کا رول ادا

کرنے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ امریکہ نے ایرانی فوج کے لئے نہ صرف جدید اسلحہ فراہم کیا بلکہ امریکیوں نے نئی سطح پر اس کی تربیت کے لئے ایران کی وزارت جنگ میں فرائض سنبھال لئے۔

امریکی سی آئی اے نے شاہ کے دوسرے خفیہ حفاظتی بازو یعنی ساواک اور اندرونی سلامتی کے اداروں کو بھی منظم اور مضبوط کرنا شروع کر دیا اور شاہ ایک دفعہ پھر خود اعتمادی محسوس کرنے لگا۔ اور اس میں پہلے والا دم خم اور تکبر لوٹ آیا۔

1965 میں جب ہندوستان نے پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا تو شاہ کا خیال تھا کہ پاکستان اس حملے کی تاب نہ لا سکے گا اور اس کو ایک دن بھی برداشت نہ کر سکے گا۔ چنانچہ ایرانی حکومت اور اس کے ذرائع ابلاغ نے شروع کے دو دنوں میں مکمل غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا۔ ریڈیو تہران نے تو یہاں تک نشر کر دیا کہ ہندوستان کا لاہور پر قبضہ ہو گیا ہے اور اس نے وہاں کھڑے ہوئے 60 پاکستانی ہوائی جہازوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن جب جنرل ایوب نے اپنے خط میں سختی سے یہ لکھا کہ دوست اور دشمن کو پرکھنے کا یہی وقت ہے تو شاہ نے شاید یہ دیکھتے ہوئے کہ خلاف توقع پاکستان نے بھارتی حملہ کو نہ صرف پسپا کیا ہے بلکہ ہندوستان کو منہ توڑ جواب بھی دیا ہے' پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

یہ تو پتہ نہیں کہ ایران نے اس جنگ میں پاکستان کی کیا مادی امداد کی لیکن ایرانی اخباروں کے مطابق پاکستانی فوجی زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے ایرانی نرسوں کا ایک دستہ کچھ مقدار خون کے ساتھ پاکستان گیا تھا۔ جنگ کے دوران کسی ایرانی اخبار نے ہندوستان پر تنقید نہیں کی۔ بلکہ اس جنگ کو پاکستان کی جنگ لکھا۔ اور جنرل ایوب کے بارے میں کئی توہین آمیز کارٹون بھی چھاپے۔ شاہی دربار کے رسالے "پہلوی نامہ" نے ایرانی نرسوں کو پاکستان بھیجنے پر لکھا "جب پاکستان میں جنگ چھڑ گئی اور بہت سے مسلمان بھائی زخمی ہو گئے تو شیرو خورشید (ہلال احمر کی بدل)سوسائٹی کے سربراہ پروفیسر خطیبی ایرانی نرسوں کو

لے کر ان کی دیکھ بھال کے لئے پاکستان گئے"۔

جنگ کے فوراً بعد ایک ہندوستانی خیر سگالی کا وفد ایران گیا۔ وفد کے سربراہ نے کہا کہ ایران نے اس جنگ میں پاکستان کی صرف اخلاقی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا جو اس نے پورا کیا۔ ہم اس کے لئے ایرانی حکومت کے شکر گزار ہیں۔

ادھر جنرل ایوب نے 1967 میں اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" میں ایک فقرہ لکھ دیا کہ "اسلام میں بادشاہت کا کوئی تصور نہیں اور جانشینی کا موروثی بنیادوں پر تعین نہیں کیا جاسکتا"۔ اس پر شہنشاہی دربار میں غصہ کی لہر دوڑ گئی اور شاہ نے اپنے وزیروں اور مشیروں کو جنرل ایوب سے انتقام لینے کا اشارہ دے دیا۔ ایرانی ذرائع ابلاغ نے اشارہ پاتے ہی ایوب کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کا آغاز کر دیا۔

امریکن سی آئی اے کا ایک تربیت یافتہ ایجنٹ اور ساواک کا سابق سربراہ جنرل پاکروان پہلے ہی ایرانی سفیر کی حیثیت سے پاکستان میں موجود تھا' اس نے جنرل موسیٰ (جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے) اور کچھ دوسرے ہم مسلک لوگوں کے ساتھ مل کر ایوب کے خلاف شورش میں ایک نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ہماری حکومت کو اس سفیر کے کردار سے متعلق شاید دیر سے معلومات حاصل ہوئیں اور پھر پاکروان کو خاموشی سے پاکستان چھوڑنا پڑا۔

شاہ کے زمانے میں سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے والی جغرافیہ اور تاریخ کی درسی کتابوں میں پاکستان کے متعلق حقیقتوں کو جان بوجھ کر توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا۔ چھٹی کلاس کی جغرافیہ کی کتاب (1966) سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ کابل اور قندھار اس شاہراہ پر واقعہ ہیں جو ایران کو ہندوستان سے ملاتی ہے (پاکستان کا ذکر نہیں)۔

۲۔ مغربی پاکستان میں پنجاب' سندھ' بلوچستان اور وہ علاقے شامل ہیں جہاں افغانی آباد ہیں (پختونوں کو افغانی لکھا ہے)۔

۳۔ انگریزوں نے ناصرالدین قاجار کے زمانے میں ایرانی بلوچستان کا مشرقی حصہ زبردستی حاصل کر لیا تھا جو ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بن گیا۔

۴۔ درہ خیبر ہندوستان میں داخل ہونے کا قدرتی دروازہ ہے۔ (پاکستان کا ذکر نہیں)۔

۵۔ بحیرہ عرب کا نام بدل کر بحیرہ اومان رکھ دیا گیا ہے۔

ہندوستان کی تقسیم کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا گیا کہ ہندوستان کے لیڈر بلکہ حکومت برطانیہ بھی ملک کو تقسیم کرنے کے خلاف تھی۔ لیکن محمد علی جناح کے دباؤ کے تحت ان کو اس تقسیم سے متفق ہونا پڑا۔

1971 کی جنگ کے متعلق تاریخ ایران کی درسی کتاب (1975 درس پانچ) میں لکھا ہے "1971 میں پورے پاکستان میں خونی واقعات شروع ہو گئے اور پاکستان کے دونوں حصوں میں یہ خوفناک جنگ آخر کار مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر ختم ہوئی۔ اور مشرقی پاکستان آزادی کا اعلان کر کے بنگلا دیش بن گیا"۔

شاہ کی حکومت کے دوران ایران میں مغربی طرز زندگی کو اپنانے کی بے حد حوصلہ افزائی ہوئی۔ یہاں تک کہ حکمران طبقہ کے علاوہ عام لوگ بھی تہران میں خود کو مغرب کا حصہ سمجھنے لگے۔ یورپی لباس میں عورتیں اور مرد' یورپی سامان سے پر اور یورپی طرز پر سجی ہوئی دکانیں اور سپر مارکیٹ' قدم قدم پر شراب خانے' غرضیکہ تہران ایک یورپی شہر معلوم ہوتا تھا۔

مغرب کی اندھا دھند تقلید کے ذریعہ ایران کی کوشش تھی کہ یورپ کے ساتھ نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی اور تجارتی تعلقات بھی قائم کئے جائیں' چنانچہ سینٹو اور آر سی ڈی کے تحت مغرب سے روابط بڑھانے کے لئے سڑکوں' ریلوں اور دوسرے مواصلاتی ذرائع کو ترقی دی گئی۔ جبکہ مشرق سے اپنے روابط کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ خود اپنے ملک کے مشرقی حصوں کو غیر ترقی یافتہ بھی رکھا گیا۔

شاہ اپنے آریہ نژاد ہونے پر بھی فخر محسوس کرتا تھا چنانچہ 1965 میں اس

نے آریہ مہر کا خطاب اختیار کیا۔ 1967 میں اپنی تاج پوشی کی رسم ادا کی اور 1971 میں ایرانی سلطنت کی 2500 سالہ برسی نہایت شان و شوکت اور دھوم دھام سے منائی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہ ان بے مثال ڈرامائی مظاہروں سے دنیا پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ وہ اب اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنی سرحدوں سے آگے دیکھ سکے۔ اور اس خطہ میں پولیس مین کا رول ادا کر سکے۔

1973 میں تیل کی قیمتیں چار گنا بڑھ گئیں اور ایران کی تیل کی آمدنی 5 بلین ڈالر سے بڑھ کر 20 بلین ڈالر کے قریب پہنچ گئی۔ عربوں نے تیل کی برآمدات پر 1973 میں جو پابندی لگائی ۔ شاہ اس میں بھی شامل نہیں ہوا اور اس طرح اس نے اسرائیل اور دوسرے ملکوں کو تیل برآمد کر کے بے پناہ ڈالر حاصل کئے۔

ان تمام واقعات اور حالات نے شاہ کے اندر جاہ طلبی، آمریت پسندی اور تکبر کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔

1974 میں ہندوستان کے ایٹم بم کے دھماکے نے بھی شاہ کو بہت متاثر کیا۔ اب اس نے "مشرق کی طرف دیکھنے" کی پالیسی اپنائی ۔ بندر عباس کو ترقی دی اور پاکستان کی سرحد پر چاہ بہار کی بندر گاہ کو علاقہ میں سب سے بڑا اور جدید بحری اور فوجی اڈہ اور ایٹمی توانائی کا مرکز بنایا۔

مشرق کی طرف دیکھنے کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایران نے فیصلہ کیا کہ کرمان اور زاہدان کو ریل کے ذریعے ملا دیا جائے تاکہ برصغیر پاک و ہند کا یورپ اور روس سے تجارتی رابطہ قائم ہو جائے۔ اس موقعہ پر ایک ایرانی اخبار (کیہان انٹرنیشنل 4.1.78) نے لکھا کہ اس سے پہلے یہ رابطہ اقتصادی اعتبار سے قابل عمل نہیں سمجھا گیا کیونکہ پاکستان اپنے خطے میں ہندوستانی مال کی نقل و حرکت کے لئے مراعات دینے کے لئے تیار نہ تھا...... امید ہے اس ریلوے لائن بننے سے ہندوستان اب اپنا مال یعنی چینی، سیمنٹ، لوہا اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں ایران کو برآمد کر سکے گا...... اخبار نے لکھا کہ امید ہے کہ اس منصوبے کی تکمیل پر برصغیر کے لوگوں کا ریل کے ذریعے یورپ جانے کا

دیرینہ خواب بھی پورا ہو جائے۔

سنا گیا کہ اس پالیسی کے پیچھے شاہ کی نظریں پاکستانی بلوچستان پر تھیں جہاں وہ کسی طریقے سے اپنا دائرہ عمل بڑھانا چاہتا تھا۔ شاہ کا فرانس کے ایک روز نامے کو 1974 میں یہ بیان دینا کہ پاکستان پر حملے کی صورت میں ایران یقیناً" مداخلت کرے گا۔ بے معنی نہیں تھا۔

انہی دنوں ایران کے ایک اعلیٰ افسر نے سرگوشی میں مصنف کو بتایا کہ در اصل افغانستان میں روسی مداخلت اور اس کی گرم پانیوں تک رسائی کی شدید خواہش پر شاہ کو سخت تشویش ہے ۔اس لئے وہ پورے ایرانی اور پاکستانی بلوچستان کو دفاعی اعتبار سے مضبوط بنانا چاہتا ہے۔ تا کہ روس افغانستان سے آگے نہ بڑھ سکے۔

پختونستان :۔ایران میں یہ مسئلہ سب سے پہلے ساواک کے ایک افسر میجر والیاں نے 1962 میں اچھالا۔ والیان 1960 میں ایک ایرانی طائفہ لے کر پاکستان آیا اور پاکستان کی وزارت تعلیم کے مہمان کی حیثیت سے یہاں دو ہفتہ قیام کیا۔ وہ ویسے بھی ساواک میں پاکستانی ڈیسک کا انچارج تھا اور غیر سرکاری طور سے بھی پاکستان آتا رہتا تھا اور یہاں کچھ لوگوں سے اس کے خاص مراسم بھی تھے۔ 1962 میں اس نے فارسی میں ایک سرسری سی کتاب "پاکستان" لکھی۔ جس میں پختونستان کے مسئلے کو حکومت افغانستان کے نقطہ نظر سے نمایاں کیا۔

جغرافیہ کی درسی کتابوں (جو 1966 اور 1969 میں شائع ہوئیں) میں بھی اس مسئلہ کا ایران میں پہلی بار ذکر کیا گیا۔ اور لکھا کہ کچھ عرصہ پہلے تک افغانستان کی بیرونی تجارت براستہ پاکستان ہوتی تھی ۔ لیکن جب سے دونوں ملکوں میں پختونستان کے مسئلے پر اختلافات پیدا ہوئے ہیں یہ تجارت زیادہ تر روس کے راستہ ہوتی ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ تہران یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے طالب علموں کو پختونستان پر مقالہ لکھنے کو کہا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں اخباروں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

تہران جرنل (27.8.76) نے صدر داؤد کے پاکستانی دورہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا "ملاقاتوں میں جو ضروری مسائل زیر غور آئیں گے۔ ان میں دونوں ملکوں میں پشتو بولنے والوں کا مسئلہ اور نئے سرے سے سرحدوں کا تصفیہ اور افغانستان کی ہندوستان سے تجارت کے لئے پاکستانی سہولتیں شامل ہیں"۔

تہران جرنل (29.8.76) نے اسی موضوع پر پھر لکھا "حکومت افغانستان ڈیورنڈ لائن کو نہیں مانتی ۔ کیونکہ یہ لائن سرحدی صوبہ میں انگریزی فوجوں کی موجودگی اور امیر عبدالرحمن کی حکومت کے درمیان صرف ایک علامتی لائن تھی ۔ افغانستان اب پاکستان میں، پختونوں کے سیاسی حقوق کی یقین دہانی چاہتا ہے"۔

تہران جرنل (19.7.77) نے لکھا کہ "کابل انتظامیہ کو امید ہے کہ پاکستان میں فوجی حکومت کے آنے سے پختونستان کے مسئلے پر جلد سے جلد بات چیت ہو گی۔ کیونکہ افغان حکومت نے پختونوں اور بلوچوں کے لئے قومی حقوق کا مطالبہ پھر زور شور سے شروع کر دیا ہے"۔

تہران جرنل (10.9.78) نے "امریکن میگزین "فارن پالیسی" کی رپورٹ چھاپی جس میں کہا گیا تھا کہ اگر پاکستان اپنی پختون اور بلوچی آبادی کو زیادہ خود مختاری نہیں دیتا تو روس اور افغانستان کی کیمونسٹ حکومت ان کی طرف سے مداخلت کر سکتی ہے اور اس طرح پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

کیہان انٹرنیشنل (13.9.78) نے پاکستان۔ افغان تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ کہ دونوں ملکوں کے درمیان بڑا مسئلہ پختونستان کا ہے۔ کابل چاہتا ہے کہ یہ علاقہ پاکستان کے پختونوں پر مشتمل ہو۔ پاکستان زور دیتا ہے کہ یہ اس کا اندرونی معاملہ ہے اس پر کسی اور ملک سے بات چیت نہیں ہو سکتی۔

بدقسمتی سے پاکستان نے ایران میں اکثر ایسے سفیر بھیجے جو پاکستان کے وفادار کم اور ایران کے بہی خواہ زیادہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ایرانی حکومت' اس کے ذرائع ابلاغ اور عوام کی صحیح سوچ اور عزائم سے کماحقہ آگاہی نہ ہو سکی۔ ہمارے نمائندوں نے صرف حکمران طبقہ سے دوستی بڑھائی اور عوام سے کسی سطح پر بھی ہمارا رابطہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کے لئے جو مواقع میسر تھے ہم

نے ان سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ایک شیعہ سفیر کے ہاتھوں تو ہم اپنے وطن کا کئی ہزار مربع میل علاقہ بھی گنوا بیٹھے۔

پاکستان کی تعلیمی درسگاہوں میں ایرانی طالب علموں کے داخلے کے لئے ہم نے ان کے انتخاب میں اپنا حق کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ جو ایرانی طالب علم داخلے کے سلسلے میں سفارت میں آیا اس کو دھتکار دیا گیا۔ اس کی بجائے جو نام حکومت ایران بھیجتی اسے قبول کر لیا جاتا' چاہے وہ ہمارے تعلیمی معیار پر پورا اترتا یا نہ اترتا ہو۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان میں طلبا کے روپ میں اکثرساواک کے رکن ہوتے جن کا کام یا تو پاکستان میں دوسرے ایرانی طلبا کی مخبری یا مقامی خاص معلومات کا حصول ہوتا۔

شاہ کے زمانے میں پاکستان میں سفارت ایران اور اس کے فرہنگی مراکز کا ایک کام یہ بھی تھا کہ پاکستان میں ایسے لوگوں کی فہرستیں تیار کریں جو ایران کے لئے کام کرتے ہوں۔ ان کو باقاعدگی سے اپنے استقبالیوں میں دعوت دیں اور ان کی شراب اور دوسری ضرورتوں کا خیال رکھیں اور وقتاً" فوقتاً" عیاشی کے لئے انہیں ایران بھیجتے رہیں۔

اس کے برعکس ہم اپنی پسند کے کسی ایرانی کو پاکستان آنے کی دعوت بھی نہیں دے سکتے تھے۔ 1964 میں صدر ایوب نے تہران میں ایرانی سکالروں کی میٹنگ میں اپنی وزارت خارجہ کے افسروں کو حکم دیا کہ کلیات اقبال (جو اقبال پر شائع ہونے والی ایران میں پہلی کتاب تھی) کے مصنف آقای احمد سروش کو پاکستان بلایا جائے اور اس کی علامہ اقبال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی خواہش کو پورا کیا جائے۔ لیکن ہمارے اس وقت کے سفیر نے ایرانی حکومت کے ساتھ مل کر احمد سروش کی بجائے ساواک کے ایک رکن کو پاکستان بھجوا دیا جو اپنے دورے کے دوران مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف کام کرنے والی تنظیموں کا سراغ لگاتا رہا۔ ایسے ہی سازشی ہتھکنڈوں کی وجہ سے انجمن فرہنگی ایران و پاکستان کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر ابو تراب رزانی اور صدر آقای مطیع اللہ حجازی جو ایران کے نامور سکالر تھے اور ہمارے لئے بہت کام کرتے تھے'

پاکستان نہ دیکھ سکے۔ اس کے برعکس ایران نواز پاکستانیوں کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ ایران پہنچ کر ساواک سے رابطہ کریں۔ ان کو نہ صرف مہمان کے طور پر رکھا جاتا تھا بلکہ ایران کی سیر کے علاوہ دوسری مراعات بھی دی جاتی تھیں۔

دراصل ایران کے متعلق پاکستان کی سوچ ہمیشہ مدافعانہ اور معذرت خواہانہ رہی ہے۔ شاید اس ڈر سے کہ مشرقی سرحدوں کی طرح کہیں مغرب میں بھی ہمارا کوئی دشمن پیدا نہ ہو جائے۔ ہماری اس کمزوری نے ایران اور ایرانی لوگوں کا ہمارے ساتھ رویہ نہ صرف طنزیہ بلکہ توہین آمیز بنا دیا ہے۔ یہ لوگ اوپر سے ہمارے مسائل کے حق میں ہمارے ساتھ ہاں میں ہاں ملاتے ہیں لیکن اندر سے خوش ہوتے ہیں۔ ممکن ہے ان کے اس کردار میں انکے مذہبی اصول "تقیہ" کا بھی دخل ہو لیکن یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ایرانی شیعہ جو کہتا ہے کرتا نہیں ۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے اور آپ کا کبھی مخلص دوست نہیں ہو سکتا۔

اخبارات ۔ ایران میں ہمیشہ سے اخبارات حکومت کے کنٹرول میں رہے ہیں۔ شاہ کے زمانے میں وزارت اطلاعات میں ساواک کا ایک ونگ تھا جو اخباروں کے لئے مضمون اور اداریے لکھا کرتا تھا۔ اخباروں کے اپنے دفتروں میں بھی ساواک کے لوگ تھے جو ہر خبر اور دوسرے مندرجات پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ ہر اخبار کے اداریے اور مضمون حکومت کی اپنی پالیسیوں کی عکاسی کرتے تھے۔

انقلاب کے بعد تو ایرانی اخبارات اور میگزین وغیرہ پر حکومت کا کنٹرول اور زیادہ سخت ہو گیا ہے۔ اب تو حکومت یا اس کی پالیسی کے خلاف لکھنے پر ان کے خلاف تخریب کار چھوڑ دئے جاتے ہیں اور ان کے دفاتر اور سازو سامان کو دیکھتے ہی دیکھتے تہس نہس کر دیا جاتا ہے۔

شاہ کے زمانے کے اخبارات میں سے چند اداریوں اور مضمونوں کے نہ صرف طنزیہ بلکہ دشمنی پر مبنی چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

تہران جنرل (9.2.75) نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں زلزلہ پر تبصرہ

کرتے ہوئے لکھا "یہ زلزلہ پاکستان کے لئے رحمت ثابت ہوا کیونکہ بیرونی عطیات ضرورت سے کہیں زیادہ مل گئے اور اس کے زرمبادلہ کے ذخیرہ میں کافی اضافہ ہوا"۔

تہران جنرل (25.4.76) نے لکھا "پاکستان سے تعلقات معمول پر لانے کی مسز گاندھی کی تجویز سے ایران کو بہت خوشی ہوئی ۔ دراصل دونوں ملکوں کی دشمنی نو آبادیاتی نظام کی پیدا وار ہے۔ دونوں میں اس قدر مشترک باتیں ہونے کے باوجود یہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ دیکھا جائے تو ان کو ایک قوم ہونا چاہیئے"

اخبار نے مزید لکھا کہ "ہندوستانی اور پاکستانی جب اپنے ملکوں سے باہر ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ آخر ان میں ایسی کون سی چیز ہے جو دونوں کو تقسیم کر رہی ہے...... دونوں کی وضع قطع اور پس منظر ایک ہے...... جو دونوں کی شناخت کو الگ ظاہر نہیں کرتے...... یہ دونوں ملکوں کے لیڈروں کا کام ہے کہ اس باہمی یکسانیت کو حقیقی بنائیں"۔

تہران جنرل (30.8.76) میں ایک مضمون کے مندرجہ ذیل نکات ملاحظہ ہوں۔

١۔ پشاور میں شیرپاؤ کا قتل اور اس کے بعد بموں کے دھماکوں کا سلسلہ پختونوں کی قوم پرستی کا مظہر ہے۔

٢۔ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ اور حکومت کا وفاقی نظریہ پاکستان کے سب سے بڑے مستقل سیاسی مسائل ہیں۔

٣۔ 1940 کی لاہور قرار داد کے تحت صوبوں کو مکمل خود مختاری کا حق تھا۔ لیکن 1955میں اس قرار داد کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ مشرقی پاکستان کے مقابلے میں مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کا بغیر کسی صوبائی خود مختاری کے ایک وحدت بنا دیا گیااور اس طرح ان اصولوں کی نفی کر دی گئی جن پر پاکستان قائم ہوا تھا۔

تہران جنرل (1.9.76)میں ایک دوسرے مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ

ہوں۔

۱۔ مغربی پاکستان کو مرکزی حکومت کے ساتھ ایک یونٹ بنانا بہت بڑی غلطی تھی ۔ یہ لاہور کی قرار داد پاکستان کی سراسر نفی تھی۔

۲۔ اس یونٹ کا وزیر اعلیٰ کوئی اور نہیں بلکہ ڈاکٹر خان صاحب تھا جس نے ہندوستان کی تقسیم کے وقت سرحد میں وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے صوبہ سرحد کو پاکستان سے باہر رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

۳۔ پاکستان کے دونوں حصوں میں مساوات کا عمل بنگال اور پنجاب کو نزدیک نہ لا سکا۔ بلکہ اس عمل نے متضاد رجحانات کو مزید تقویت دی۔

۴۔ ان تمام متضاد عوامل کا نتیجہ فوجی آمریت کی شکست اور بنگلا دیش کے قیام کی صورت میں نکلا۔ اور اس سے سرحد کے عوام کے قومی جذبہ کو بھی تقویت ملی۔

۵۔ اس طرح پاکستان جس کی بنیاد تقسیم ہند پر رکھی گئی تھی خود تقسیم کا شکار ہو گیا۔

تہران جرنل (3.3.77) نے لکھا۔ "ہندوستان ایران کی طرف رعایتی قیمت پر تیل خریدنے کے لئے دیکھ رہا ہے لیکن پاکستان اسلحہ خریدنے کے لئے ایران کی طرف ڈالر حاصل کرنے کے لئے دیکھ رہا ہے"۔

ایران کی انقلابی حکومت: شاہ کے بعد انقلابی حکمرانوں کی پاکستان کے متعلق سوچ بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی غیر لچکدار اور سخت ہے۔ انقلاب کے شروع میں تہران کے ایک مشہور چوراہے پر دنیا کے تین مشہور سربراہوں کی قد آور تصاویر آویزاں کی گئیں جن پر بڑے حروف میں لکھا تھا "امریکی کتے"۔ ان میں مصر کے انور سادات اور عراق کے صدام حسین کے علاوہ پاکستان کے جنرل ضیاء الحق بھی تھے۔ انور سادات اور ضیاء الحق کو تو کسی طرح ختم کر دیا گیا ہے۔ لیکن صدام حسین ابھی تک بچے ہوئے ہیں۔ انہی دنوں کئی اخباروں نے ضیاء الحق کو ضیاء الباطل بھی لکھا۔ ایرانی بلوچستان کی سنی آبادی پر دباؤ ڈالنے کے لئے اخباروں نے یہ بھی لکھا کہ مشرقی سرحدوں پر

ایران کے دشمنوں نے آزاد بلوچستان بنانے کی سکیم تیار کر لی ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ آغا شاہی کی مارچ 1979 میں تہران آمد پر اخباروں نے لکھا کہ ایرانی حکومت ان سے سینٹو' افغانستان اور بلوچستان کے مسئلوں پر بات چیت کرے گی۔ تہران جرنل (8.3.79) نے لکھا کہ بلوچستان (جو ایران اور پاکستان دونوں میں واقع ہے) کی خود مختاری کا مسئلہ یقیناً" زیر بحث آئے گا۔

ایران کے وزیر خارجہ کریم سنجابی نے بھٹو کی پھانسی پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ پاکستان کے فوجی جرنیلوں کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔

کیہان انٹرنیشنل (16.4.79) نے لکھا کہ "کرنل قذافی کی چین سے ایٹم بم حاصل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئی ہیں۔ چنانچہ اسے حاصل کرنے کے لئے اب اس نے پاکستان سے رجوع کیا ہے۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے پاکستان کو بھاری مالی پیشکش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کارٹر نے پاکستان کی ہر قسم کی امداد بند کر دی ہے"۔

انقلاب کے فوری بعد جب ایک پاکستانی شیعہ وفد آیت اللہ خمینی کی خدمت میں انہیں مبارک باد دینے کے لئے گیا تو آیت اللہ نے ان کو اپنے حقوق "حکومت پاکستان سے زبردستی چھین لینے کا حکم دیا اور ان کو یقین دلایا کہ "تمہارا امام تمہارے ساتھ ہے"۔ چنانچہ انہوں نے واپس آ کر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد ڈالی ۔ جو ایران کی سرپرستی میں کام کر رہی ہے۔

آغا مرتضیٰ پویا انقلاب ایران کے دوران آیت اللہ خمینی کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور انہوں نے اسلام آباد سے مئی 1979 میں انگریزی روز نامہ "مسلم" کا اجرا انہی کی خواہش کے تحت کیا۔

بعد میں ایک مشہور ایرانی اخبار "کیہان" نے اپنے طویل مضمون "پاکستانی شیعوں پر ایرانی انقلاب کے اثرات" میں لکھا کہ اس انقلاب نے پاکستان اور اس کے شمالی علاقوں کے شیعوں میں جان ڈال دی ہے اور ان کو اس حد تک فعال بنا دیا ہے کہ وہ اب اپنے حقوق کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

انقلاب کے بعد ایران کے مذہبی حکمران اپنے مختلف مسائل میں الجھ گئے۔ اگلے سال عراق سے جنگ شروع ہو گئی جو تقریباً 8 سال جاری رہی۔ اس سے بھی ایران میں بے پناہ مالی ' معاشی ' معاشرتی اور فوجی مسائل پیدا ہوئے۔ گو انقلاب کے فوری بعد انہوں نے اپنے مخالفوں اور شاہ کے وزیروں' مشیروں اور سفیروں کو سینکڑوں کی تعداد میں چن چن کر ختم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود ہزاروں مخالفین ملک سے فرار ہو کر دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جنگ کے بعد ایرانی حکمرانوں نے سوچا کہ ملک کی تعمیر نو شروع کرنے سے پہلے ان عناصر کو ختم کرنا چاہیئے جو انقلاب کی کمزوری کا باعث بن رہے ہیں۔ اندرون ملک ان عناصر سے نمٹنے کے لئے ایک نیم فوجی تنظیم بنائی گئی جو تقریباً 5 لاکھ افراد پر مشتمل ہے اور اس کو وسیع اختیارات دئے گئے۔ دوسرے ملکوں میں اپنی سفارتوں کے ذریعے اپنے مخالفوں کی فہرستیں تیار کی گئیں۔ اور ان کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ اب تو ایرانی حکومت نے دہشت گردوں کو دوسرے ملکوں میں اپنے سفارت کار بنا کر بھیجنا شروع کر دیا ہے تاکہ الزام کی صورت میں ان کے لئے سیاسی تحفظ حاصل کیا جاسکے۔ ان کا کام منصوبہ بنانا ہوتا ہے۔ اصل تخریب کاری مقامی لوگوں یا حزب اللہ کے کارکنوں سے کروائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے فوری طور پر ایران دوسرے ملکوں میں تخریب کاری اور دہشت گردی کے واقعات میں ملوث ہونے سے صاف انکار کرتا ہے لیکن اگر اس کے خلاف عوامی رد عمل ہو یا وہاں کے اخبار یا ریڈیو ان پر تنقید کریں تو ایرانی حکام عام طور پر یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اس ملک کے بعض عناصر جو امریکہ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں' نہیں چاہتے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہتری ہو۔

انقلاب کے بعد ایرانیوں میں ایک نیا احساس بیدار کیا جا رہا ہے۔ ایرانی حکمران اور سرکاری ذرائع ابلاغ بار بار دھراتے ہیں کہ ان کا مذہب شیعت ہی سچا اسلام ہے۔ اور دنیا کے باقی مسلمانوں کا مذہب "امریکی اسلام" ہے۔ امریکہ

کے خلاف دنیائے اسلام میں آج کل جو نفرت پھیلی ہوئی ہے یا پھیل رہی ہے' ایران اپنے مقاصد کے پروپیگنڈے میں اس سے کافی فائدہ اٹھا رہا ہے۔

ایران کے راہنماؤں کے بیانات کے مطابق ان کے پروگرام میں مندرجہ ذیل مقاصد کا حصول شامل ہے۔

۱۔ دنیا کے ہر کونے میں ایرانی انقلاب اور شیعہ عقیدے کے مخالفین کو ختم کرنا۔

۲۔ شیعہ عقیدے کی تعلیم کو دنیا کے ہر کونے میں وارد کرنا۔

۳۔ دوسرے ملکوں میں شیعہ آبادی کو فعال بنانا' ان کی مالی امداد کرنا' اسلحہ سپلائی کرنا اور ان کو اپنے ملکوں میں شیعہ انقلاب لانے کے لئے تخریب کاری کی تربیت دینا اور استعمال کرنا۔

۴۔ اسلامی ملکوں میں مغرب کی طرف دار یا لادینی (Secular) حکومتوں کو ختم کرنا اور ایران کی طرف دار "خالص اسلامی" حکومتیں لانا۔

۵۔ اسلامی ملکوں میں مذہبی تنظیموں کی ہر قسم کی مدد کرنا اور ان میں "اسلامی انقلاب" لانے کے لئے ان کے کارکنوں کو تخریب کاری اور دہشت گردی کی تربیت دینا۔

۶۔ مشرق وسطی میں قیام امن اور اسرائیل کے ساتھ ہر قسم کے معاہدوں کو ناکام بنانا۔ اور

۷۔ شمالی افریقہ' وسطی ایشیا اور پڑوسی اسلامی ملکوں میں شیعہ یا اپنے طرفدار حکمران لا کر ایران کی رہبری میں متحدہ اسلامی ریاستوں کا اتحاد قائم کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ایران دوسرے ملکوں میں نہایت مستعد اور باصلاحیت نمائندے بھیج رہا ہے۔ اور اپنے منصوبے پر کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ پاکستان کی شیعہ جماعت "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" جو ایرانی اخباروں کے مطابق ان کے انقلاب کے الہامی اثرات کے تحت قیام میں لائی گئی' نے پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ وہ پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب لانے کے لئے اپنے کارکنوں کو ضروری تربیت دے رہی ہے۔

انقلاب کے بعد ایران کے مذہبی حکمران اپنے مختلف مسائل میں الجھ گئے۔ اگلے سال عراق سے جنگ شروع ہو گئی جو تقریباً 8 سال جاری رہی۔ اس سے بھی ایران میں بے پناہ مالی ، معاشی ، معاشرتی اور فوجی مسائل پیدا ہوئے۔ گو انقلاب کے فوری بعد انہوں نے اپنے مخالفوں اور شاہ کے وزیروں، مشیروں اور سفیروں کو سینکڑوں کی تعداد میں چن چن کر ختم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود ہزاروں مخالفین ملک سے فرار ہو کر دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جنگ کے بعد ایرانی حکمرانوں نے سوچا کہ ملک کی تعمیر نو شروع کرنے سے پہلے ان عناصر کو ختم کرنا چاہیئے جو انقلاب کی کمزوری کا باعث بن رہے ہیں۔ اندرون ملک ان عناصر سے نمٹنے کے لئے ایک نیم فوجی تنظیم بنائی گئی جو تقریباً 5 لاکھ افراد پر مشتمل ہے اور اس کو وسیع اختیارات دیئے گئے۔ دوسرے ملکوں میں اپنی سفارتوں کے ذریعے اپنے مخالفوں کی فہرستیں تیار کی گئیں۔ اور ان کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ اب تو ایرانی حکومت نے دہشت گردوں کو دوسرے ملکوں میں اپنے سفارت کار بنا کر بھیجنا شروع کر دیا ہے تاکہ الزام کی صورت میں ان کے لئے سیاسی تحفظ حاصل کیا جا سکے۔ ان کا کام منصوبہ بنانا ہوتا ہے۔ اصل تخریب کاری مقامی لوگوں یا حزب اللہ کے کارکنوں سے کروائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے فوری طور پر ایران دوسرے ملکوں میں تخریب کاری اور دہشت گردی کے واقعات میں ملوث ہونے سے صاف انکار کرتا ہے لیکن اگر اس کے خلاف عوامی رد عمل ہو یا وہاں کے اخبار یا ریڈیو ان پر تنقید کریں تو ایرانی حکام عام طور پر یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اس ملک کے بعض عناصر جو امریکہ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، نہیں چاہتے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہتری ہو۔

انقلاب کے بعد ایرانیوں میں ایک نیا احساس بیدار کیا جا رہا ہے۔ ایرانی حکمران اور سرکاری ذرائع ابلاغ بار بار دھراتے ہیں کہ ان کا مذہب شیعیت ہی سچا اسلام ہے۔ اور دنیا کے باقی مسلمانوں کا مذہب "امریکی اسلام" ہے۔ امریکہ

کے خلاف دنیائے اسلام میں آج کل جو نفرت پھیلی ہوئی ہے یا پھیل رہی ہے، ایران اپنے مقاصد کے پروپیگنڈے میں اس سے کافی فائدہ اٹھا رہا ہے۔

ایران کے راہنماؤں کے بیانات کے مطابق ان کے پروگرام میں مندرجہ ذیل مقاصد کا حصول شامل ہے۔

۱۔ دنیا کے ہر کونے میں ایرانی انقلاب اور شیعہ عقیدے کے مخالفین کو ختم کرنا۔

۲۔ شیعہ عقیدے کی تعلیم کو دنیا کے ہر کونے میں وارد کرنا۔

۳۔ دوسرے ملکوں میں شیعہ آبادی کو فعال بنانا، ان کی مالی امداد کرنا، اسلحہ سپلائی کرنا اور ان کو اپنے ملکوں میں شیعہ انقلاب لانے کے لئے تخریب کاری کی تربیت دینا اور استعمال کرنا۔

۴۔ اسلامی ملکوں میں مغرب کی طرف دار یا لادینی (Secular) حکومتوں کو ختم کرنا اور ایران کی طرف دار "خالص اسلامی" حکومتیں لانا۔

۵۔ اسلامی ملکوں میں مذہبی تنظیموں کی ہر قسم کی مدد کرنا اور ان میں "اسلامی انقلاب" لانے کے لئے ان کے کارکنوں کو تخریب کاری اور دہشت گردی کی تربیت دینا۔

۶۔ مشرق وسطی میں قیام امن اور اسرائیل کے ساتھ ہر قسم کے معاہدوں کو ناکام بنانا۔ اور

۷۔ شمالی افریقہ، وسطی ایشیا اور پڑوسی اسلامی ملکوں میں شیعہ یا اپنے طرفدار حکمران لا کر ایران کی رہبری میں متحدہ اسلامی ریاستوں کا اتحاد قائم کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ایران دوسرے ملکوں میں نہایت مستعد اور باصلاحیت نمائندے بھیج رہا ہے۔ اور اپنے منصوبے پر کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ پاکستان کی شیعہ جماعت "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" جو ایرانی اخباروں کے مطابق ان کے انقلاب کے الہامی اثرات کے تحت قیام میں لائی گئی' نے پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ وہ پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب لانے کے لئے اپنے کارکنوں کو ضروری تربیت دے رہی ہے۔

1985 میں ایرانی صدر خامنہ ای کے لاہور آنے پر پاکستانی شیعوں نے جس سرکشی اور ملک دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا وہ پوری قوم کے لئے باعث شرم ہے اور اس کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

خامنہ ای اور ضیاء الحق ایک کار میں جب لاہور ایرپورٹ سے باہر آ رہے تھے تو یہ ایران نواز شیعہ "خامنہ ای زندہ باد" اور "ضیاء الحق امریکی کتا" کے نعرے لگا رہے تھے۔ وہ دوسرے لوگوں کو ڈنڈوں کے زور پر مجبور کر رہے تھے کہ وہ بھی ضیاء الحق کے خلاف نعرے لگائیں۔ ان شیعوں نے اپنے سروں پر خون آلود پٹیاں باندھ رکھی تھیں اور خمینی اورخامنہ ای کی تصاویر اور پرچم اٹھا رکھے تھے جن پر "خمینی رہبر" لکھا ہوا تھا۔

اس مظاہرے سے صاف ظاہر ہوا ہے کہ پاکستانی شیعہ ملک دشمنی اور ایران نوازی میں کس حد تک آگے جا چکے ہیں۔

مصنف کو 1991 سے 1993 کے درمیان شائع شدہ ایسے مواد (ایرانی اور بین الاقوامی) تک رسائی حاصل ہوئی جس سے پاکستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں کے متعلق ایرانی سوچ اور پالیسیوں کی کافی حد تک عکاسی ہوتی ہے۔ ان میں سے چند اہم اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ریڈیو تہران (2.3.91) نے خبر نشر کی کہ جنرل فضل حق کے گھر کے قریب ایک بم پھٹا ہے۔ ریڈیو نے کہا کہ یہ جنرل پاکستانی شیعہ لیڈر عارف اللہ حسینی کے قتل میں ملوث ہے۔

بی بی سی (2.6.91) کے مطابق پاکستان اور ایران نے مجرموں کو ایک دوسرے کے حوالے کرنے کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اس طرح پاکستان نے آخر کار ایران کا یہ پرانا مطالبہ پورا کر دیا ہے۔

اب ایرانی پاسداران انقلاب اور دوسرے تخریب کار پاکستان میں ایران کے مخالفین کو اطمینان سے مارتے ہیں ساتھ ہی دوسری تخریب کاری کی وارداتیں کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد حکومت پاکستان ان کو بغیر مقدمہ چلائے ایران واپس بھیج دیتی ہے۔

دی نیوز۔ راولپنڈی (5.6.91) تہران میں پاکستانی سفارت کے مطابق انقلاب کے بعد اب تک 40 کے قریب پاکستانیوں کو ناجائز دواؤں کے کاروبار کے جرم میں پھانسی دی جا چکی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ پاکستانی اس الزام میں ایران کی مختلف جیلوں میں ابھی تک بند ہیں۔

تہران ٹائمز (9.6.91) نے لکھا کہ خود پاکستان کی وزارت خارجہ نے پاکستانی وہابیوں کا یہ الزام بے بنیاد قرار دیا جس میں کہا گیا تھا کہ ایران پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔ (ایران نے اس الزام کو مسترد کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی)۔

تہران ٹائمز (13.7.91) نے بتایا کہ چار پاکستانی (جن میں ایک عورت بھی شامل ہے)تہران میں ایک بنک کو لوٹنے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ دو گاڑیاں، بہت سی مقامی اور خارجی کرنسی اور ایک کیلو سونا بھی ان سے ضبط کر لیا گیا۔

دی انڈیپنڈنٹ' لندن (17.7.91) کے مطابق بلوچی لیڈر امان اللہ بلوچ نے ایرانی پاسداران انقلاب کے چیف کمانڈر میجر جنرل رضائی کے پاکستان کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اور ایران دونوں مل کر بلوچوں کو کچلنے کی سازش کر رہے ہیں۔ انہوں نے بین الاقوامی اداروں سے درخواست کی کہ وہ ان کے ہاتھوں بلوچوں کا ممکنہ قتل عام رکوائیں۔

ریڈیو تہران (17.7.91) نے اپنے تبصرہ میں کہا کہ پاکستان میں فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے لوگوں میں اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک فرقہ پرست جماعت سپاہ صحابہ نے شیعوں کے خلاف دھمکی آمیز بیان دئے اور پھر ان کو قتل کیا...... پاکستان کے سیاسی حلقوں کے مطابق ملک میں مختلف قومیتوں کے درمیان بے شمار مسائل کی وجہ سے ملک آج کل بہت حساس اور نازک صورت حال سے دو چار ہے......... اگر حکومت پاکستان ایسے فرقوں کو سزا دے سکتی ہے جو باہر سے مدد حاصل کرتے ہیں اور دوسرے اسلامی گروہوں پر حملے کرتے ہیں تو یقیناً" پاکستان کو استحکام حاصل ہو گا ورنہ یہ اندرونی

اضطراب پاکستان کے دشمنوں کے لئے اس میں عدم استحکام پیدا کرنے کی راہ ہموار کر دے گا۔

ریڈیو کردستان (4.8.91) نے اپنے تبصرہ بعنوان "بلوچوں کو کچلنے کی بزدلانہ کوششیں" میں کہا ہے۔ ایرانی وزیرخارجہ اور جنرل محسن رضائی کے پاکستان کے دورے کا مقصد ہمارے غیر مسلح امن اور آزادی پسند بلوچی بھائیوں کے خلاف ان کو دبانے کے لئے ایک سازشی اقدام تھا۔ محسن رضائی نے پاکستان سے واپسی پر بتایا کہ ان کے دورے کا مقصد ایران کی مشرقی سرحدوں کی سلامتی کو یقینی بنانا تھا اور باغیوں (یہ اصطلاح بلوچوں کے لیے شاہ کے زمانے میں بھی استعمال ہوتی تھی اور اب ملاؤں کی حکومت بھی استعمال کرتی ہے) کی سرگرمیوں سے سختی سے نپٹنا تھا۔ اور وہ ایرانی جو پاکستان بھاگ کر بچ نکلے ہیں انہیں واپس لانا تھا۔

ریڈیو کردستان کے مطابق ایران کے نائب صدر حسن حبیبی نے بتایا کہ ایران پاکستان کے ساتھ اپنی سرحدوں کو خار دار تار اور جنگلے لگا کر اور رکاوٹیں کھڑی کرکے مضبوط بنا رہا ہے تاکہ سرحد پار کرنا مشکل ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے یہ اقدام پاکستان کے ساتھ ایرانی فوجی خفیہ معاہدوں کا شاخسانہ ہے۔ ہم بلوچی بھائیوں کے خلاف اس سازش کی پر زور مذمت کرتے ہیں اور جابرانہ طریقوں سے دبائے گئے ان مظلوم لوگوں کی ہر طرح کی مدد کا اعلان کرتے ہیں۔

تہران ٹائمز (12.9.91) نے صدر پاکستان کے ایران کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "ایران اور عراق کی جنگ کے دوران ہمارے کئی پڑوسی ملک مغرب اور اسرائیل کی غلط بیانیوں کا شکار ہو گئے اور ایران سے دور رہنے لگے لیکن اب ان ملکوں نے اپنی غلطیوں کا احساس کر لیا ہے اور وہاں کے لوگ ایران سے اچھے رشتے قائم کرنے کے لئے جوق در جوق یہاں آ رہے ہیں"۔

ریڈیو تہران (14.9.91) نے صدر پاکستان کے ایران کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "امریکہ کی پاکستان پر فنی پابندیوں (خصوصاً" ایٹمی ٹیکنالوجی") کے باعث یہ قدرتی امر ہے کہ پاکستان ایران کی طرف دیکھے۔ اس صورت حال میں

یہ کہا جا سکتا ہے کہ رکاوٹوں کے باوجود ایران اور پاکستان باہمی تعاون سے قوت حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی (8.10.91) نے اپنے اداریے میں لکھا "پاکستانی حکومت اس قدر کمزور ہے کہ چار سال گزرنے کے بعد بھی شیعہ لیڈر عارف اللہ حسینی کے قاتلوں کو گرفتار نہ کر سکی ۔ قتل ایک قابل نفرت کام ہے اور اس کو کسی صورت سراہا نہیں جا سکتا لیکن پاکستانی حکومت اور اس کا عدالتی نظام اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ جنرل فضل حق جو حسینی کے قاتلوں میں شمار ہوتا تھا قتل کر دیا گیا تاکہ اس واقعہ کو ایران کے سر تھوپ کر ایران اور پاکستان کی دوستی کو نقصان پہنچایا جاسکے......فضل حق کے قاتلوں کے متعلق قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے چند یہودی جاسوس پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے نزدیک پکڑے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنصیبات کو نقصان پہنچا کر ہندوستان ۔ پاکستان تعلقات کو خراب کرنا چاہتے تھے۔ ممکن ہے فضل حق کے قاتلوں کا تعلق اسی گروہ سے رہا ہو۔ اور وہ پاکستان کے سست کار عدالتی نظام سے فائدہ اٹھا کر یہاں مذہبی افراتفری پھیلانا چاہتے ہوں۔

اخبار نے لکھا پشاور میں ایرانی قونصل خانہ پر حملہ کے نتیجے میں اسلام آباد میں امریکہ اور سعودی عرب کے سفارت خانوں پر حملہ کے لئے ان کے دشمنوں کے لئے راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں پاکستانی حکومت کی طرف سے بلا وجہ تاخیر ایران ۔ پاکستان تعلقات بھی خراب کر سکتی ہے۔

ہفتہ وار زندگی ۔ لاہور (12 اکتوبر 1991) نے جنرل فضل حق کے قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :۔

یہ حقیقت ہے کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ اور دوسرے سرگرم شیعہ حضرات جنرل فضل حق کو حسینی کا قاتل سمجھ رہے تھے ۔ وہ ان کے خلاف بیانات جاری کرتے اور نعرے لگاتے ۔ اور تو اور ایران کے ایک وزیر پیپلز پارٹی کے دور میں اسلام آباد آئے تو انہوں نے اعتزاز احسن کی موجودگی میں

پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علامہ عارف الحسینی کے قتل کے مقدمے کے حوالے سے ایسی باتیں کہیں جنہیں وسیع حلقوں نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔ حال ہی میں مینار پاکستان پر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کنونشن میں بھی جنرل فضل حق کے خلاف نعرے لگائے گئے اور ان کو چند دن کا مہمان قرار دیا گیا۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے رہنما علامہ ساجد نقوی اب ہر روز بیان داغ رہے ہیں کہ ہم عدالتی کاروائی پر یقین رکھتے ہیں۔ اس طرح انتقام لینے پر نہیں۔ ان کا یہ بیان کتنا سچ ہے اور کتنا پرفریب' یہ تو قانونی کاروائی کے بعد ہی پتہ چل سکتا ہے۔

ساجد نقوی نے گزشتہ ڈیڑھ دو سال میں ایک بار بھی اپنے شوریدہ سر پیرو کاروں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور قانونی کاروائی کے نتائج کا انتظار کریں۔

جریدے نے آخر میں لکھا کہ ایرانی سفارت کار پر الزام اگرچہ افسوس ناک ہے لیکن یہ الزام لگ چکا ہے۔ ہمارے ایک قاری نے پشاور سے اطلاع دی ہے کہ سینیٹر ہاشم خان کی ضمانت کی منظوری کے خلاف فقہ جعفریہ کی طرف سے ایک احتجاجی جلسے کا انعقاد ہوا تھا اس میں ایرانی قونصلر صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ایران پاکستان کا دوست ہے لیکن یہ نہ بھولا جائے کہ ایک ایرانی سفارت کار صادق گنجی کو لاہور میں ایک مذہبی گروہ ہی کے پرجوش نوجوانوں نے قتل کیا تھا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ پاکستان کے اندر فرقہ ورانہ سرگرمیوں میں شریک ہیں۔

ایران کے بعض سفارتی نمائندوں کے بارے میں یہ تاثر موجود ہے کہ وہ پاکستان کے اندر ایسی کاروائیوں میں شریک رہتے ہیں جو منصب سفارت کے شایان شان نہیں ہیں۔ یہ تاثر پروپیگنڈے اور غلط اطلاعات کی بنیاد پر بھی قائم ہو سکتا ہے لیکن اس کی موجودگی سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس کو ایرانی سفارت خانے کے احتجاجی اور پاکستانی وزارت خارجہ کے معذرتی بیانات سے

زائل نہیں کیا جا سکتا' اس سے سلگتے جذبات مزید بھڑک سکتے ہیں۔

کیہان انٹرنیشنل (10.10.91) نے اپنے اداریہ میں لکھا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں چند ایسے سیاسی گروہ ہیں جو امریکی سی آئی اے کے زیر اثر ہیں اور ایران اور پاکستان کے درمیان قریبی رشتوں کو پسند نہیں کرتے۔

فارسی روز نامہ ابرار (10.10.91) نے لکھا کہ پاکستان میں بیرونی امداد اور دخل اندازی کی وجہ سے فرقہ واریت کے شدید اور تباہ کن واقعات بڑھ رہے ہیں۔ مشتبہ فرقے جن کو باہر سے سیاسی اور مالی امداد مل رہی ہے پاکستان کے مختلف فرقوں کے درمیان نفاق پیدا کر کے ملک کے خلاف ایک خطرناک سازش کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ امریکہ بہائیوں کے سیاسی فرقے کی بھی پشتیبانی کر رہا ہے۔ اس فرقے نے اپنی توجہ اب پاکستان کی طرف مبذول کر لی ہے تاکہ اس افراتفری سے جو وہابیوں نے اس ملک میں پیدا کی ہے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

اخبار نے لکھا کہ پاکستان نے سپاہ صحابہ کے ہاتھوں بہت نقصانات اٹھائے ہیں۔ اس کے وجود کو تسلیم کرلینے سے پاکستانی مسلمانوں کے مسائل بد سے بدتر ہو سکتے ہیں۔

تہران ٹائمز (10.10.91) نے لکھا کہ اسلام آباد سے بڑی دل شکن خبریں آ رہی ہیں۔ وہابیوں نے ایران' پاکستان تعلقات کو نقصان پہنچانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔

تہران ٹائمز (16.10.91) کے مطابق ایران کے نائب وزیر خارجہ علی محمد بشارتی نے اظہار خیال کیا "پاکستان کا ایک مشکوک گروہ جو شیطانی مقاصد رکھتا ہے' تہران۔ اسلام آباد تعلقات خراب کر رہا ہے۔ ہم نے اپنے پاکستانی دوستوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ اگر اس گروہ کو اپنی گندی حرکات جاری رکھنے کا مزید موقع دیا گیا تو پاکستان کی اپنی قومی وحدت کو نقصان پہنچ سکتا ہے' پاکستانی قوم کے اندر نفرت کے بیج بوئے جاسکتے ہیں اور اسلام آباد میں مرکزی حکومت کے اختیارات کی بیخ کنی ہو سکتی ہے"۔

ریڈیو تہران (5.11.91) کے مطابق صدر رفسنجانی نے امید ظاہر کی ہے کہ ایران اور پاکستان کے درمیان سرحدوں پر ایرانی باغیوں کو قابو کرنے کا سمجھوتہ موثر ثابت ہو گا۔

کیہان انٹرنیشنل (9.11.91) نے بتایا کہ صدر رفسنجانی نے ایران کی مشرقی سرحدوں پر امن اور سلامتی کے مستحکم ہونے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور اسے ایران کی بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔ انہوں نے ایرانی فوجوں کی بھی تعریف کی جنہوں نے باغیوں کی سختی سے سرکوبی کی جس کی وجہ سے ایران کے ساتھ اس معاملے میں تعاون کرنے کے لئے پاکستان کی حوصلہ افزائی ہوئی تا کہ ایرانی باغیوں کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاسکے۔

ایران کے نیم سرکاری انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (19.12.91) نے لکھا "اگرچہ پاکستانیوں کو اپنی برسیاں منانے کا روائتی شوق ہے لیکن معلوم ہوتا ہے انہوں نے اپنی زندگی کا تاریخی سانحہ 20 سال پہلے پاکستان ٹوٹنے کے واقعے کو بالکل بھلا دیا ہے...... چند مضمونوں کے علاوہ سرکاری ذرائع ابلاغ میں یا سرکاری اور فوجی حلقوں میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے پتہ چلتا ہو کہ پاکستانی قوم کو ڈھاکہ میں ہندوستانی فوجوں کے سامنے ذلیل ہو کر ہتھیار ڈالنا یاد ہے۔

اخبار نے لکھا اس جنگ میں تقریباً چار ہزار فوجیوں کے مرنے پر پاکستان میں کوئی یاد گار نہیں بنائی گئی۔ اس زمانے کے واقعات کے متعلق حقائق کا دیرینہ فقدان ہے۔ دراصل سچائی کا مقابلہ کرنے کے ڈر نے اب تک یکے بعد دیگرے آنے والی پاکستان کی تمام حکومتوں کو عدالتی کمیشن کی اس رپورٹ کو چھاپنے سے روکا ہوا ہے جس نے اس شکست کی چھان بین کی تھی۔

اخبار نے لکھا کہ سندھ میں لگا تار تشدد کے واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1971 میں پیش آنے والا علیحدگی کا بھوت پاکستان کا پھر پیچھا کرنے لگا ہے۔ اور قوم پرست سندھی' پنجابی اکثریت کے ہاتھوں اپنے حقوق کی پامالی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ایک آزاد ملک سندھ دیش بنانے کے لئے اسلام آباد سے دور بھاگنے کی پر زور وکالت کر رہے ہیں۔

کیہان انٹرنیشنل (2.1.92) کے مطابق پاکستان کے سرکاری حلقوں نے بتایا کہ افغانستان کے معاملے میں اس کی وزارت خارجہ جو جنگ کو ختم کرنے کے لئے بے چین ہے اور مضبوط فوجی آئی ایس آئی جس کو افغانستان میں گوریلا جنگ کی فتح کا یقین ہے' کے درمیان کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

ریڈیو تہران (3.1.92) نے بتایا کہ پاکستان اپنا ایٹمی پروگرام جاری رکھنے کے لئے بضد ہے اس لئے امریکہ نے اس کی مالی اور فوجی امداد بند کر رکھی ہے۔

ریڈیو تہران (20.1.92) نے بتایا کہ فرانس سے اسلحہ خریدنے کی پاکستانی کوششوں سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اسلحہ خریدنے کی دوڑ میں اضافہ ہو گا اور اس سے صرف اسلحہ بیچنے والے ملکوں کی تجارت میں ہی ترقی ہو سکتی ہے۔ یہ ملک دوسرے ملکوں کو آپس میں لڑانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔

تہران ٹائمز نے لکھا (21.11.92) کہ پاکستان میں حالیہ سیاسی افراتفری تشویش ناک ہے لیکن حیران کن نہیں کیونکہ مخالف لیڈر بے نظیر بھٹو نے انتخابی نتائج کو جو نواز شریف کو اقتدار میں لائے' تسلیم نہیں کیا۔

اخبار نے لکھا کہ پاکستان کی تاریخ میں پچھلے 45 سال میں زیادہ عرصہ فوجی حکمران رہے' کئی مرتبہ آمروں نے اس کا آئین معطل کر دیا۔ بدقسمتی سے پاکستان کی تاریخ میں اب تک مخلص لیڈروں کا فقدان رہا ہے جس کی وجہ سے ملک معاشی اور سیاسی طور پر پسماندہ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی فوج میدان میں اترنے کے لئے ایک دفعہ پھر پر تول رہی ہے۔

کیہان انٹرنیشنل (26.11.92) نے لکھا کہ لیبیا کے لیڈر کرنل قذافی نے پاکستان میں 20 نومبر کو مظاہرین پر وحشیانہ پولیس تشدد پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور صدر اسحاق سے سخت احتجاج کیا ہے۔

فارسی اخبار ابرار (29.11.92) نے پاکستان کے موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے پیش گوئی کی کہ اگر اقتدار میں شرکت پر سمجھوتہ نہ ہو سکا تو فوج لازمی

طور پر دخل انداز ہو گی۔ پاکستانی فوج جو امریکہ کے اسلحہ سے آراستہ اور تربیت یافتہ ہے' اقتدار حاصل کرنے کے لئے کھلم کھلا یا خفیہ کردار ادا کرتی ہے۔ اور جب بھی ضرورت سمجھتی ہے حالات کو اپنے مفاد میں ڈھال لیتی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ پاکستان کے بحری اڈوں کو مضبوط بنایا جا رہا ہے تا کہ سعودی عرب اور یمن کے درمیان جنگ کی صورت میں سعودی عرب کا دفاع کیا جا سکے۔

ریڈیو تہران (11.1.93) نے اپنے تبصرے میں کہا "جب 1947 میں پاکستان میں بڑے پیمانے پر مہاجر آنے شروع ہو گئے تو اردو بولنے والے مقامی لوگوں میں اپنے لئے کوئی جگہ نہ بنا سکے' یہی وجہ ہے کہ حکومت پاکستان بہاریوں کو پاکستان لانے میں محتاط رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔

ریڈیو نے کہا کہ دراصل اردو بولنے والوں کی کراچی اور حیدر آباد میں اکثریت نے سندھیوں میں احساس محرومی پیدا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں آئے دن لسانی جھگڑے فساد ہوتے رہتے ہیں۔

ماہنامہ ایکو اوف ایران' لندن (فروری 1993) نے لکھا کہ خبروں کے مطابق امریکی چھاتہ بردار سپاہی پاکستان میں صحرائی کمانڈوز کی حیثیت سے تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ان خبروں سے ایران میں کافی تشویش پائی جاتی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ پاکستانی فوجی کمانڈروں کا خفیہ طور پر افغانستان جانا' اسلام آباد اور ریاض میں قریبی تعلقات اور پاکستان اور ترکی میں فوجی تعاون سے تہران کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ جنرل حمید گل کے افغانستان جانے پر بھی ایران پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا۔

ماہنامہ ایکو اوف ایران ۔ لندن ۔(اپریل 1993) نے لکھا کہ پاکستان کے برخواست شدہ وزیراعظم نواز شریف نے پچھلے دنوں تہران میں ایرانی لیڈروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوششیں کی لیکن ان کو زبانی جمع خرچ کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ نواز شریف نے اپنے آپ کو ایران کا دوست اور اس کا حمایتی ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ ان لیڈروں کا اعتماد حاصل کرنے میں

کامیاب نہ ہوسکے۔ کیونکہ امریکہ اور سعودی عرب کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کے لئے نواز شریف کی کوششیں ایرانیوں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔

تہران کے فارسی روز نامہ سلام نے لکھا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نواز شریف کی سبکدوشی فوج کی مدد سے عمل میں آئی۔

ریڈیو تہران (8.5.93) نے بتایا کہ امریکہ نے الزام لگایا ہے کہ چین نے پاکستان کو M-11 میزائل دیئے ہیں۔ ریڈیو نے کہا کہ اگر ایسے میزائل پاکستان کو دے دیئے گئے ہیں تو ہندوستان کے قومی مفاد کے ساتھ اس کی سلامتی یقیناً متاثر ہوگی۔

ماہنامہ ایکو اوف ایران ' لندن (مئی 1993) نے انکشاف کیا کہ غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق ایرانی کابینہ کے اجلاس میں تجویز کیا گیا کہ پاکستان میں آزاد یا اسلامی لوگوں کو اقتدار میں لانے کے لئے ایران اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے ۔ ایران کو چونکہ پاکستانی شیعوں پر اثر انداز ہونے کی کافی روحانی طاقت حاصل ہے اس لئے ایرانی حکمران پاکستان میں موجودہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ تہران میں سیاسی مبصروں کا کہنا ہے کہ ایران پاکستان کے موجودہ حالات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا اوراسلام آباد میں کسی ایسی حکومت کو اقتدار میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتا جو ایران دشمنی پر مبنی ہو ۔

پاکستان میں امریکہ نواز وزیراعظم کی تقرری پر تہران میں کافی تشویش پیدا ہوئی ہے۔ اس وقت تہران مستقل کابینہ کی تشکیل کا انتظار کر رہا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ پاکستان میں ایرانی سفیر کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ تہران صدر اسحاق کی حمایت کرتا ہے۔ کیونکہ صدر کا نواز شریف کو معزول کرنا مکمل طور پر قانونی تھا۔

ماہنامہ ایکو اوف ایران ۔لندن (جون 1993) نے بتایا کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے نواز شریف کی بحالی کے فیصلے سے تہران میں اچانک حیرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ایران کو امید تھی کہ اسحاق خان فوج کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کر

لے گا۔

اخبار نے بتایا کہ نواز شریف افغان لیڈروں کو ساتھ لانے کے بہانے ایران کی مدد اور پشت پناہی حاصل کرنے کے لئے تہران آئے لیکن وہاں ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی' اب جب کہ نواز شریف اقتدار میں پھر واپس آگئے ہیں پاکستان میں مستقبل کے واقعات تہران کی امیدوں پر شاید پورا نہ اتریں۔

ریڈیو تہران (11.7.93) نے کہا کہ پاکستان میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے سیاسی لیڈروں کے درمیان کشمکش کی جڑیں بہت گہری ہیں اور قومی مسئلوں پر جلدی مفاہمت ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم فوجی جرنیلوں پر نگاہیں ڈالیں تو ان کی ہوس اقتدار بھی کوئی سیاسی سمجھوتہ نہیں ہونے دے گی۔ اگر انہوں نے موقعہ پایا تو وہ غیر جانبداری کو چھوڑ کر فوراً" سیاسی میدان میں کود پڑیں گے۔

ماہنامہ ایکو اوف ایران ۔لندن (جولائی 1993) نے بتایا کہ پاکستان میں تیزی سے تبدیل ہونے والے واقعات نے تہران کو تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ اس دوران پاکستان کے سیاسی ڈرامے کے تمام کردار ایران کی امداد اور تحفظ حاصل کرنے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں اور ایرانی لیڈروں کی سمجھ سے باہر ہے کہ وہ کس گروپ کی حمایت کریں۔

اخبار کے مطابق نواز شریف نے ایرانی لیڈروں کو یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اقتدار میں آگئے تو پاکستان کو امریکہ کے دباؤ کے نیچے نہیں آنے دیں گے۔ غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق نواز شریف کے پاس چند ایسی دستاویزات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر اسحاق اور کچھ فوجی کمانڈروں کے درمیان پاکستان میں مغرب کے حق میں اور ایران کے خلاف حکومت بنانے کے خفیہ معاہدے موجود ہیں۔

ایران اور پاکستانی شیعہ

ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں اہل سنت اور شیعوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ان میں مکمل مفاہمت پائی جاتی تھی' شیعہ صرف اس لئے شیعہ تھا کہ وہ شیعہ گھرانے میں پیدا ہوا تھا' اس کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے اور اہل سنت کے عقیدے میں کوئی فرق بھی ہے یا نہیں۔ محرم کے دنوں میں سب مل کر جلوس نکالتے تھے اور کبھی باہم لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت ہمارے کتنے ہی شیعہ دوست تھے جو صحابہ کرام کا ہماری طرح احترام کرتے تھے اور سربازار چھاتی پیٹنا بے حیائی ہی نہیں بلکہ اسلام کی روح کے خلاف تصور کرتے تھے۔ اس وقت کے سنی بھی شیعہ کو مسلمان ہی سمجھتے تھے اور ان کے ہاں رشتہ داریاں کرنے کو عار نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس آج وہ صورتحال باقی نہیں رہی' شیعہ کو سنی کا دشمن بنا دیا گیا اور پاکستان میں مذہبی اختلافات کی فضا پیدا کر دی گئی' اس کی کیا وجہ ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے ؟

1979 میں ایرانی انقلاب کے بعد جب پاکستانی شیعوں کا وفد آیت اللہ خمینی کو مبارکباد دینے کی غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو خمینی نے ان کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان میں اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے خود کو منظم کریں اور اپنی جدوجہد تیز کر دیں۔ خمینی نے ان کو اپنی اور ایرانی حکومت کی طرف سے ہر طرح کی امداد اور پشت پناہی کا بھی یقین دلایا۔

چنانچہ پاکستان واپس آکر شیعہ لیڈروں نے خمینی کی ہدایت کے مطابق تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد رکھی۔ حکومت پاکستان کو زور دار الفاظ میں اپنے مطالبات پیش کئے۔ شیعہ طالب علموں کیلئے الگ دینی نصاب اور ملک کے ہر شعبہ میں مساوی نمائندگی کا مطالبہ کیا اور مرنے مارنے کی باتیں کرنے لگے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے نصف درجن سے زیادہ مسلح تنظیمیں بنائیں۔ مثلاً" امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آئی ایس او) ' مختار فورس' سپاہ اولیا' اہل ملیشیا' حسینی فورس' شیعہ یوتھ فورس ' سپاہ محمد وغیرہ۔

اسی طرح آیت اللہ خمینی کی ہدایت پر پاکستان میں کئی شیعہ سکول کھولے گئے جن میں ایرانی سکولوں کا نصاب پڑھایا جاتا ہے جسے نجف' قم اور مشہد کے تعلیم یافتہ استاد پڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند اخبار اور میگزین بھی شروع کئے گئے۔ جن میں اسلام آباد سے شائع ہونے والا انگریزی اخبار "مسلم" بھی شامل ہے۔ ایران ان اخبارات و جرائدکو مختلف طریقوں سے اشتہاری اور مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ ان سب نے ایران کے شیعہ انقلاب کو اسلامی انقلاب اور خمینی کو اسلامی دنیا کا رہنما ثابت کرنے کیلئے ایک باقاعدہ مہم شروع کر رکھی ہے۔ کچھ سنی اخبار بھی شاید مالی امداد کے لالچ میں اس مہم کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ اگر ایران کا انقلاب اسلامی ہے تو وہاں کا سرکاری مذہب شیعہ اثنا عشری کیوں ہے اسلام کیوں نہیں ؟

ایران نے پاکستان میں اپنے ایجنٹ اور نمائندے بھی مقرر کر رکھے ہیں جن کا حکومت اور دوسری مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور ادبی حلقوں میں گہرا اثر ورسوخ ہے۔ وہ ایران کے قومی اور مذہبی دنوں کے موقعہ پر ان خاص دنوں کی یاد منانے کیلئے جلسے جلوس اور مختلف تقاریب کا انعقاد کر کے پاکستان کی مقتدر سیاسی' ادبی شخصیتوں اور حکومتی وزیروں' مشیروں وغیرہ خصوصا" ضعیف الاعتقاد اہلسنہ کو بلا کر ایران اور خمینی کی تعریف میں مقالے پڑھواتے اورتقریریں کرواتے ہیں جن کی ایرانی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بعد میں خوب تشہیر کی جاتی ہے۔

ایران کے ایک معروف فارسی اخبار کیہان نے اپنی 13 '15 اور 16 جون 1991ء کی اشاعت میں تین قسطوں میں چھپنے والے مضمون "پاکستانی شیعوں پر ایرانی انقلاب کے اثرات" میں لکھا ہے کہ ایرانی انقلاب سے پہلے پاکستانی شیعہ غیر منظم تھے' وہ اپنے حقوق اور مقاصد سے بالکل بے خبر تھے اور سینہ کوبی اور دیگر شیعہ رسومات کو نامکمل طریقے سے ادا کرتے تھے۔ ایرانی انقلاب نے ان کو اپنی صحیح شناخت کا حوصلہ فراہم کیا۔

اخبار لکھتا ہے کہ انقلاب کے فوری بعد پاکستانی شیعہ اکابر پنجاب کے شہر بھکر میں جمع ہوئے اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک نے نہ

صرف پاکستانی شیعوں کو اتنا فعال بنایا کہ انہوں نے ایرانی انقلاب کے اصل مقاصد کے حصول کیلئے 1980ء میں پاکستان کی سیکرٹریٹ کا کامیابی سے گھیراؤ بھی کیا جو تین دن تک جاری رہا اور پاکستان کی فوجی حکومت کو ان کے مطالبات ماننے پر مجبور کر دیا۔

اخبار مزید لکھتا ہے کہ ایرانی انقلاب نے پاکستانی شیعوں میں قربانی کی ایک نئی روح پھونک دی ہے جس نے (بقول اخبار)ان کو جذبہ جہاد ' جذبہ شہادت اور اپنے حقوق کے لئے قربانی دینے کا حوصلہ بخشا۔ انہوں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ متحد رہ کر اور قربانیاں دے کر ہی وہ اپنے "حقوق" حاصل کرسکتے ہیں۔

علامہ عارف اللہ حسینی کی تحریک جعفریہ کی سربراہی کا ذکر کرتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ وہ دیوانگی کی حد تک ایرانی انقلاب اور آیت اللہ خمینی سے متاثر تھے ۔ انہوں نے نجف میں خمینی کے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا تھا اور وہ خمینی کو دنیائے اسلام کا امام اور انقلاب ایران کو مسلم ملکوں میں اسلامی تحریکوں کا محور تصور کرتے تھے۔ عارف حسینی نے ایرانی انقلاب کے مقاصد کو پاکستان میں روشناس کرانے اور ترقی دینے میں بڑا موثر کردار ادا کیا۔ آخر کار ضیاء الحق نے علامہ کو شہید کروا دیا۔ حسینی کے بیٹے نے ان کی شہادت پر کہا کہ جب تک خمینی زندہ ہے میں اور پاکستانی شیعہ قوم یتیم نہیں ہوسکتے۔

یہی اخبار آگے چل کر لکھتا ہے کہ ایرانی انقلاب کے اثرات کی ایک اور روشن مثال پاکستان میں ایسی بہت سی ثقافتی' مذہبی ' ادبی اور معاشرتی تنظیموں کا قیام ہے جو ایرانی انقلاب کے مقاصد اور خمینی کی شخصیت پر کتابیں ' رسالے اور دوسرا مواد شائع کریں گے۔

اخبار کے مطابق تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان میں ایک ایسی جفاکش'وفا شعار اور متحرک جماعت بن چکی ہے جو پاکستان میں ایران کیلئے بہت موثر کام کر رہی ہے۔ حکومت پاکستان اور سپاہ صحابہ (جو سعودی خاندان کی پرور دہ ہے) کی مخالفت کے باوجود یہ اپنی سیاست اور کارکردگی کو پاکستان کے دور دراز علاقوں تک لے گئی ہے۔ اب شمالی علاقہ جات کے سادہ لوح لوگ ایرانی انقلاب سے

اس قدر متاثر ہوچکے ہیں کہ ان کے ہر گھر اور مسجد میں خمینی کی تصاویر پہنچ چکی ہیں اور مقامی پولیس کی مزاحمت کے باوجود سکردو کی ایک مرکزی سڑک کا نام شاہراہ خمینی رکھا جا چکا ہے۔

اخبار آخر میں لکھتا ہے کہ ایرانیوں اور پاکستانی شیعوں میں بہت سی قدر مشترک کے پیش نظر ایرانی انقلاب کے مقاصد کو پاکستان میں آگے بڑھانے اور مزید ترقی دینے کے بہت سے مواقع موجود ہیں۔ ایرانی وزارت خارجہ' تبلیغ اسلام کی وزارت اور دوسری وزارتوں کو ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان میں اور زیادہ تعمیری کام کرنا چاہئے۔ پاکستان کے شیعوں پر بھی ایرانی انقلاب کے مقاصد کو اپنے ملک (پاکستان) میں تشہیر کرنے اور آگے بڑھانے کی کلیدی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

مضمون میں درج ذیل نکات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے :۔ (1) پاکستان کے بانی (قائداعظم محمد علی جناح) شیعہ تھے۔ (2) پاکستان میں شیعوں کی آبادی 25 فیصد ہے۔ (حالانکہ شیعہ آبادی در اصل 2.5 فیصد ہے) (3) پاکستان کی سنی آبادی دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے ایک گروہ دیوبندی اور دوسرا گروہ جو 80 فیصد ہے بریلوی ہے ۔ بریلوی اپنے عقیدے کی بنا پر شیعوں کے زیادہ قریب ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ آیت اللہ خمینی نے پاکستان میں شیعہ قیادت کو پیغام بھیجا تھا کہ اس ملک میں بریلوی عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کریں اور جہاں تک ہو سکے ان کو اپنی مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ شریک کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایرانیوں ' خصوصا" ان کے سفارت کاروں اور ثقافتی مراکز (جو پاکستان میں نصف درجن سے زیادہ ہیں) کے کارکنوں نے بھی پاکستانی شیعوں میں سنیوں کے خلاف تعصب کو ہوا دی اور انہیں فعال بنانے کی غرض سے اپنے حقوق بزور چھیننے کی تلقین کی۔ پاکستان میں اپنے ایرانی مطبوعہ مواد کو کثرت سے پہنچایا گیا اور یہاں کی مقامی زبانوں میں ترجمہ کروایا گیا جو صریحا" صحابہ کرام کی مخالفت اور مذمت اور نعوذ باللہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے گستاخی پر بھی مبنی ہے۔ اب تقریبا" ہر پاکستانی

شیعہ خمینی کو اپنا امام تصور کرتا ہے ان کے گھروں میں خمینی کی تصویریں آویزاں ہیں اور یہ طبقہ ایران کے ہر حکم کو بجا لانا اپنا جزو ایمان سمجھتا ہے۔

علاوہ ازیں ایرانی ذرائع ابلاغ پاکستانی شیعہ تنظیموں کی روز بروز کی کارروائیوں اور ساجد نقوی کی مصروفیات اور بیانات کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور پابندی سے انکی نشرو اشاعت کرتے ہیں۔ ایران کی دو خبر ایجنسیاں پاکستان میں نہایت جوش و خروش سے سرگرم عمل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کام ہی ایران کو صرف ایسی خبریں بھیجنا ہے جن سے پاکستان کے شیعوں کی مدد اور پشتیبانی مقصود ہو۔

پاکستانی شیعوں نے ایک تنظیم "امل" (لبنان کی "امل" کی طرز پر) بنائی ہے' جو پاکستان کے شمالی علاقوں میں کافی فعال ہے ۔ یاد رہے کہ لبنان میں 1960ء سے پہلے کوئی شیعہ سنی مسئلہ نہیں تھا اور دونوں فرقے بغیر کسی امتیازی رویے کے بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ ساٹھ کے عشرے میں ایک ایرانی شیعہ عالم موسے صدر کو لبنان میں اس غرض سے بھیجا گیا کہ وہاں شیعہ آبادی کو منظم کیا جائے اورفعال بنایا جائے ۔ لبنان میں "امل" اور حزب اللہ کی بنیاد موسے صدر نے ہی رکھی۔ یہی موسے صدر کسی اجلاس میں شرکت کیلئے 1978ء میں لیبیا گئے اور پھر واپس نہیں آئے اس سلسلے میں ایران لیبیا سے ابھی تک ناراض ہے۔

تحریک جعفریہ کے سربراہ ساجد علی نقوی پاکستان میں اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے اور ایرانی لیڈروں سے نئی ہدایات اور رہنمائی حاصل کرنے کیلئے وقتا" فوقتا" ایران جاتے رہتے ہیں جہاں آیت اللہ خامنہ ای اور ایرانی صدر ہاشمی رفسنجانی ان سے ملنے کیلئے خصوصی وقت دیتے ہیں۔

ایرانی حکومت سپاہ صحابہ پاکستان کی کھلے بندوں مذمت کرتی ہے اس کو سعودی حکومت کا پرور دہ کہتی ہے اور ایرانی انقلاب اور شیعوں کا کھلا دشمن قرار دیتی ہے۔ اسلام آباد میں ایران کا سفارت خانہ' ایرانی علما اور اخبار آئے دن حکومت پاکستان پر زور دیتے رہتے ہیں کہ سپاہ صحابہ کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔

ایران کے نائب وزیر خارجہ نے کچھ عرصہ پہلے ایک ایرانی اخبار کو بتایا: "پاکستان کا ایک مخصوص گروہ جو شیطانی مقاصد رکھتا ہے تہران' اسلام آباد تعلقات خراب کر رہا ہے۔ ہم نے اپنے پاکستانی دوستوں کو بتا دیا ہے کہ اگر اس گروہ کو اپنی مکروہ حرکات جاری رکھنے کا مزید موقع دیا گیا' تو پاکستان کی اپنی قومی وحدت کو نقصان پہنچ سکتا ہے' پاکستانی قوم کے اندر نفرت کے بیج بوئے جا سکتے ہیں اور اسلام آباد میں مرکزی حکومت کے اقتدار کی بیخ کنی کی جا سکتی ہے"۔

پاکستان کے متعلق ایرانی اخباروں کا رویہ بھی انتہائی جارحانہ ہے۔ جب کوئی شیعہ قتل ہو جائے تو ڈنکے کی چوٹ پر اس کی شد و مد سے مذمت کرتے ہیں اور حکومت پاکستان اور سپاہ صحابہ کو اس کا ذمہ دار ٹھیراتے ہیں - ایک اخبار نے لکھا کہ پاکستان میں شیعہ لیڈروں کو قتل کرنے کے لئے سعودی دولت خرچ کی جا رہی ہے۔ ایک دوسرے اخبار نے حکومت پاکستان کو خبردار کیا کہ اگر سپاہ صحابہ کو ختم نہ کیا گیا تو پاکستان میں خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے۔

تحریک کے سیکرٹری جنرل اخوند زادہ کو جب پشاور میں 1992ء میں جنرل فضل حق کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تو اس کے خلاف ایران کے ذرائع ابلاغ نے بڑا شور مچایا' یہاں تک کہ ایرانی حکومت نے اس کے خلاف تہران میں زبردست مظاہرے کروائے اور مظاہرین نے سپاہ صحابہ اور سعودی عرب کے خلاف نعرے لگائے۔

شیعوں کا کہنا ہے کہ پاکستان میں تاریخ اسلامی کی درسی کتابیں شیعہ موقف کے مطابق نہیں ہیں۔ ان میں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو دختران نبی کیوں لکھا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق اکبر" اور حضورؐ کا سب سے زیادہ وفادار ساتھی کیوں لکھا گیا ہے۔ اور یہ کیوں لکھا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ایرانیوں کی سازشوں کا نتیجہ تھی جس کا واضح مقصد پاکستان کے محسن ایران کے خلاف نفرت پھیلانا ہے اور یہ محسن کشی ہے - درسی تاریخ میں ابن سبا کا ذکر کیوں کیا گیا جس کا شیعہ تاریخ میں کوئی وجود نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اگرچہ پاکستان میں شیعہ آبادی دو فیصد سے زیادہ نہیں' اس کے باوجود شیعہ لیڈر ہر شعبے میں مساوی حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ملک میں تقریباً" 60

فیصد اعلیٰ عہدوں پر فائز شیعہ افراد اپنی برادری کے لوگوں کی خوب پشت پناہی کرتے ہیں اور انہیں ہر قسم کا فائدہ پہنچاتے ہیں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے پاس سرکاری اور غیرسرکاری دفتروں میں شیعہ کارکنوں کی فہرستیں اور مکمل تفصیلات موجود ہیں' یہ کارکن حکومت کی ایسی باتوں اور فیصلوں سے جن کا تعلق شیعوں سے ہو۔ تحریک کو مطلع کرتے رہتے ہیں اور تعلیمی اور مذہبی حکمت عملی مرتب کرتے وقت تحریک کے فیصلوں کی پیروی کرتے ہیں۔

پاکستان میں فوجی اور غیر فوجی محکموں' میں یہاں تک کہ پولیس اور خفیہ اداروں میں بھی تقریباً" ہر حساس کلیدی عہدے پر شیعہ فائز ہیں اور ان کو تمام شعبوں میں بلا امتیاز بالا دستی حاصل ہے' اسی وجہ سے ایران کے لئے پاکستان کی سیاست میں نہ صرف دخل اندازی ممکن ہو گئی ہے۔ بلکہ اس کے لئے اس ملک میں تخریب کاری اور دہشت گردی بھی کروانا آسان ہو گیا ہے۔یہاں تک کہ ان واقعات کی تحقیقات کو توڑنا مروڑنا اور بے نتیجہ بنانا بلکہ سرے سے دبانا بھی ممکن ہو گیا ہے۔ اب پاکستان کا کوئی حساس منصوبہ اور سلامتی کا راز ایران سے پوشیدہ نہیں ہے اور بھارت سے اسکی قربت کے پیش نظر پاکستان کے لئے یہ صورت حال بہت خطر ناک ہے۔

انقلاب کے بعد سے ایران کی شیعہ حکومت اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ تمام مسلم ممالک میں مختلف ہتکنڈوں سے شیعہ حکومتیں لائی جائیں اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایران اور شیعہ نواز لوگ برسراقتدار لائے جائیں۔ اس مقصد کیلئے ترکی ' الجزائر' مصر' اردن' سعودی عرب ' خلیجی ریاستوں اور پاکستان میں بے حساب ڈالر خرچ کئے جا رہے ہیں اور ایرانی ان ملکوں میں اپنے ہم عقیدہ شیعوں کو حسب منشا استعمال کر رہے ہیں۔

لندن کے ایک معروف انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (مئی 1993) کے مطابق ایرانی کابینہ کے اجلاس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں اپنی پسند کی حکومت لانے کے لئے ایران اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔ ایران کو، چونکہ پاکستانی شیعوں پر اثر انداز ہونے کے لئے کافی روحانی طاقت میسر ہے' اس لئے پاکستان میں موجودہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ایران کے لئے

ممکن ہے"۔

یوں لگتا ہے جیسے ایران' عراق جنگ کے خاتمہ کے بعد ایرانیوں کی ساری توجہ پاکستان کی طرف مبذول ہوگئی ہے جہاں ان کے لئے ماحول بھی نہایت سازگار ہے۔ ایرانیوں کی پوری کوشش ہے کہ پاکستان میں مکمل طور پر شیعہ حکومت قائم ہو۔ اس مقصد کے تحت ایرانی انقلابی سینکڑوں کی تعداد میں پاکستان کے مختلف علاقوں میں پھیل چکے ہیں جہاں وہ ایران مخالف جماعتوں کے لیڈروں کو قتل کرنے کا کام سر انجام دیتے ہیں وہیں وہ اپنے لوگوں کو تخریب کاری کی تربیت بھی دیتے ہیں جن کا مقصد دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعے ملک میں افراتفری ' بے چینی اور انتشار پھیلانا ہے اور پاکستان میں شیعہ انقلاب کیلئے راہ ہموار کرنا ہے۔

آخر ایسی مساجد میں نمازیوں پر بم پھینکنا جن کے نام صحابہ کرام پر رکھے گئے ہیں کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ پاکستان میں بھی ان دہشت گردوں کا طریقہ کار بالکل وہی ہے جو ایران میں "انقلابیوں" کا انقلاب سے پہلے تھا جس کا مقصد بھی ایرانی عوام میں انتشار اور بے چینی پھیلا کر انقلاب کیلئے راہ ہموار کرنا تھا۔

اب تو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے باقاعدہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ وہ پاکستان میں ایران کی طرز پر انقلاب لانا چاہتی ہے اور اس کیلئے وہ اپنے کارکنوں کو ضروری تربیت دے رہی ہے۔ تحریک کے ایک لیڈر نے کہا کہ ان کے کارکن اصول پرست ہیں اور وہ سیاست اور لیڈر شپ کو ایران کی طرز پر چلانا چاہتے ہیں لیکن اس سلسلے میں کوئی فوری تحریک چلانے سے پہلے کارکنوں کو تربیت دینا ضروری ہے (نوائے وقت راولپنڈی مورخہ 6 مارچ 1993ء)

پاکستان میں حکومت وقت کو سمجھنا چاہئے کہ یہ کس ڈھب کی تربیت ہوگی' اس کا ذمہ دار کون ہوگا اور اس کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟

ہمارے بااختیار اداروں کو یاد ہوگا کہ اگست 1991ء میں ہزاروں شیعہ کارکنوں نے پاکستان سیکرٹریٹ پر کیسے اچانک اور منظم حملہ کرکے ڈرامائی انداز میں قبضہ کیا تھا اور سرکاری مشینری کو تقریباً" مفلوج کرکے رکھ دیا تھا۔ سنا ہے

ان دفتروں میں کام کرنے والے شیعہ کارکن بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔

بعد میں ایک شیعہ لیڈر نے بتایا کہ یہ کارروائی تو ایک ریہرسل تھی اس بار ان کے پاس صرف ڈنڈے تھے اگلی دفعہ خودکار ہتھیار ہوں گے۔

آزاد کشمیر کے شیعہ لیڈر مفتی کفایت حسین نقوی نے کہا "ہمارے بچوں نے پچھلے مہینے اسلام آباد میں پاکستان سیکرٹریٹ پر قبضہ کرکے اپنی اہلیت ثابت کر دی ہے اگر علامہ ساجد نقوی حکم دیں تو ہم ریڈیو اور ٹی وی سٹیشنوں پر بھی قبضہ کر لیں گے"۔

انہوں نے کہا کہ بعض اخباروں کا شیعوں کے ساتھ رویہ درست نہیں ہم ان کی ملک بھر میں گردش روک دیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اسلحہ رکھنا ہمارا شرعی حق ہے اور کوئی ہمیں اس حق سے نہیں روک سکتا۔

اگر پاکستانی شیعہ اس ملک کواپنا وطن سمجھتے ہیں توانہیں وطن دوستی کاثبوت دینا چاہئے اورملک میں لا قانونیت پھیلا نے سے باز رہنا چاہئے۔ ایرانی شیعہ لیڈروں کو اپنا راہنمااور ایران کو اپنی طاقت کا سرچشمہ سمجھ کر پاکستانی شیعوں کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں جن سے ان کی وطن دشمنی کا تاثر عام ہو اور جن سے ان کے سنی بھائیوں (جو یہاں اکثریت میں ہیں) کی دل آزاری ہوتی ہو آخر یہ کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے کہ 90 فیصد سنی اکثریت کی موجودگی میں یہاں شیعہ انقلاب کی باتیں کی جائیں۔

ایران کے شیعہ حکمرانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اس ملک کے شیعوں کو پاکستانی سمجھیں اور ان کو مختلف طریقوں سے بہکا کر اور ورغلا کر پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہیں۔ اس تاثر کو بھی ختم ہونا چاہئے کہ ایرانی سفارت کار اور دوسرے ایرانی نمائندے پاکستانی شیعوں کی مدد اور پشت پناہی میں سفارتی اداب سے بہت آگے نکل چکے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے مخالفوں کے قتل میں بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ ملوث سمجھے جاتے ہیں۔

حکومت پاکستان کے لئے بھی لازم ہے کہ ایران کی نسبت سے وہ اپنا معذرت خواہانہ رویہ ترک کر کے ایسی واضح پالیسیاں وضع کرے جو ایک آزاد ملک کے شایان شان ہوں۔ پاکستانی حکام کو دوستی کے دائرے میں رہتے ہوئے

ایرانی حکومت پر یہ بات صاف طور پر واضح کر دینی چاہیے کہ جب ایران میں سینوں کی 40 فیصد آبادی کے باوجود شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا ہے تو پاکستان میں 98 فیصد سنی اکثریت اس کو سنی سٹیٹ کیوں قرار نہیں دے سکتی اور اس پر ایران کو یا پاکستانی شیعوں کو کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔

حکومت کو شیعوں کی مسلح تنظیموں اور ان کی وطن دشمنی اور ایران نواز کاروائیوں پر بھی کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے محرکات و مضمرات

جنرل ضیاء الحق نے 1977 میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد ایران کے بادشاہ کی خوشنودی کے لئے اسلام آباد کی ایک سڑک کا نام "رضا شاہ پہلوی ایونیو" رکھ دیا۔ انہوں نے 15 اکتوبر 1977 تک اپنی حکومت کے ابتدائی تین مہینے کے دوران دو بار تہران کا دورہ کیا۔ اسی سال 31 اکتوبر کو انہوں نے نہ صرف ایران کے ولی عہد کی یوم ولادت پر مبارک باد کا پیغام بھیجا بلکہ اس موقعہ پر ایک پاکستانی فوجی بینڈ بھی تہران روانہ کیا۔ ایران کے اخباروں نے لکھا کہ جنرل ضیاء الحق کسی ملک کا واحد حکمران ہے جس نے ولی عہد کو مبارک باد کا پیغام بھیجا ہے۔ وہاں کے اخباروں سے یہ بھی پتہ چلا کہ سترہ سالہ ایرانی ولی عہد ہماری فرنٹیئر کور کا اعزازی کرنل بھی ہے۔

جنرل ضیاء الحق آخری بار ستمبر 1978 میں اس وقت تہران گئے جب ایران میں شدید انتشار اور بدامنی تھی، شاہ کا تخت بری طرح ڈگمگارہا تھا اور شاہ خود بھی دماغی طور پر بڑی حد تک ماؤف ہو چکا تھا۔

ان تمام اقدامات سے جنرل ضیاء کا مقصد خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن ان کی خیر سگالی کا ایک منفی پہلو ضرور دیکھنے میں آیا اور وہ یہ کہ امام خمینی کے ایرانی انقلاب کے فوراً بعد ان کو بھی امریکی کتوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اس فہرست میں دوسرے دو حکمران مصر کے انور سادات اور عراق کے صدام حسین تھے۔ ان تینوں کی قد آور تصویریں تہران کے ایک مشہور چوراہے میں لٹکائی گئیں اور ان پر لکھا گیا "امریکہ کے کتے"۔ ایک اخبار نے ضیا الحق کو ضیاء الباطل بھی لکھا۔

مصر نے ایران کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا لیکن انور سادات کی شاہ کے ساتھ ہمدردیوں کی وجہ سے آیت اللہ خمینی اتنے الرجک تھے کہ انہوں نے مصر کے ساتھ کسی قسم کے سیاسی تعلقات قائم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

1981 کے دوران مصری عوام میں جب کچھ بے چینی پھیلی (شاید کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کی وجہ سے) تو ایران نے مصری لوگوں کو ایک پیغام میں کہا۔ "اے

مصری بھائیو اور بہنو ! تمہارا ملک جو ایک وقت تیسری دنیا کی آزادی کی تحریکوں کی بنیاد تھا اب امریکہ اور اسرائیل کی حفاظت کے لئے قلعہ بنایا جا چکا ہے .... شاہ ایران کے بعد امریکہ نے اپنی توجہ تمہارے ملک کی طرف مبذول کر لی ہے اور اپنے مکار ایجنٹ انور سادات کی معرفت اسرائیل کے ساتھ ایسے شرمناک معاہدوں کا آغاز کر دیا ہے جو تمہارے لئے باعث شرم ہیں....... سادات کی غیر اسلامی حکومت کی طرف سے بڑے پیمانے پر طالب علموں کی گرفتاریاں اور مسجدوں پر جابرانہ قبضے نے تمہاری اسلامی تحریک کے لئے مشکلات پیدا کر دی ہیں .... اب صرف تمہاری قوت مزاحمت اور قربانیاں ہی ہیں جو اس عوامی لام بندی کو انقلاب میں تبدیل کر سکتی ہیں اور سادات کے فسطائی نظام کو تہ و بالا کر سکتی ہیں"۔

اکتوبر 1981 میں انور سادات کے قتل پر ایران میں بڑے پیمانے پر خوشیاں منائی گئیں' ان کے قاتل خالد اسلامبولی کو خوب نوازا گیا اور اس کو شہید قرار دیا گیا۔ تہران کی ایک معروف سڑک (یہاں پر پہلے مصر کا سفارت خانہ تھا) کا نام خالد اسلامبولی سٹریٹ رکھ دیا گیا۔

انور سادات کے قتل کے موقعہ پر ایرانی حکمرانوں نے مصری لوگوں کو ایک پیغام بھیجا اور کہا" اے مصر کے لوگو! مصر کے فرعون کی تباہی کے ساتھ ہی تمہاری اسلامی تحریک ایک نئے باب میں داخل ہو گئی ہے ۔ ایران کو بڑی امید ہے کہ مغلوب مصری عوام ایران کے انقلاب سے راہنمائی حاصل کریں گے اور امام خمینی کی تعلیم و ہدایت سے فائدہ اٹھائیں گے"۔

ایران کی نظر میں دوسرے "کتے" صدام حسین کو ختم کرنے کے لئے بھی عراقی عوام اور وہاں کی شیعہ آبادی کو مختلف پیغامات بھیج کر اکسایا گیا۔ ایک پیغام میں کہا گیا: "اے عراقی قوم ! صدام ' محمد رضا شاہ سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔ عراقی قوم کا جذبہ جہاد بھی ایرانیوں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اس لئے تمہیں اس جابر حاکم کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ اٹھو اور اس جابر کمیونسٹ حکومت کے خلاف بغاوت کر دو۔ صدام میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ جنگ جاری رکھ سکے"۔

یہ صدام حسین کی خوش قسمتی ہے کہ وہ ایران سے آٹھ سالہ جنگ اور اس کو ختم کرنے کے لئے ایران کی دوسری سازشوں کے باوجود ابھی تک زندہ ہے۔

ایران کی نظر میں امریکہ کے تیسرے "کتے" ضیاء الحق تھے ۔ لیکن ایران کو انہیں ختم کرنے کے لئے کوئی جلدی نہ تھی کیونکہ اس کو اطمینان تھا کہ پاکستان میں ایرانی کارندے اور ایجنٹ موجود ہیں جن کے لئے صرف ایک اشارہ ہی کافی ہے' صرف منصوبہ بندی کی ضرورت ہے اور اس میں ایرانی اب کافی مہارت حاصل کر چکے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں ضیاء الحق میں ایک کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے اختیارات کو استعمال کر کے ملک میں سختی سے قانون کی پابندی کروانے کی بجائے دوسروں کو خوش کرنے پر زیادہ صرف کرتے تھے اور اپنے ارد گرد کے خوشامدی لوگوں پر اندھا دھند بھروسہ کرتے تھے' ان کی اسی کمزوری نے آخر کار ان کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

1980 میں ملک میں زکوۃ اور عشر کا قانون نافذ کر دیا گیا لیکن شیعہ طبقہ زکوۃ دینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے اس فیصلہ پر احتجاج کیا اور پھر اسلام آباد کی انتظامیہ کے شیعہ افسران کے خفیہ اشتراک سے پاکستان سیکرٹریٹ کا زبردست گھیراؤ کر لیا۔ تین دن کے بعد حکومت نے شیعوں کو زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

ایران کے ایک مشہور اخبار نے لکھا کہ ایران کی انقلابی تحریک سے متاثر ہو کر پاکستان کے شیعوں نے اپریل 1979 میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد رکھی اور ایک ہی سال میں اتنے فعال ہو گئے کہ 1980 میں اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایسا کارنامہ انجام دیا جس نے ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی' انہوں نے پاکستان کے مرکزی دفاتر کا گھیراؤ کیا جو تین دن جاری رہا اور پاکستان کی فوجی حکومت کو اپنے مطالبات منوانے پر مجبور کر دیا۔

اخبار نے لکھا کہ شیعوں کی یہ کارروائی پاکستان بننے کے بعد ان کا یہ پہلا اہم کارنامہ تھا۔

ایرانی اخبار کے اس تبصرے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی شیعوں کی اس کارروائی کے پیچھے ایران کا کوئی خفیہ ہاتھ یقیناً" کارفرما تھا۔

چند سالوں کے بعد جنوری 1985 میں انقلاب ایران کے دوران تہران میں ابھرنے والے نعرے " ضیاء الحق امریکہ کا کتا" کی گونج پاکستان میں بھی سنائی دی اور وہ بھی اس وقت کے ایرانی صدر خامنہ ای کی موجودگی میں' اس سلسلے میں ایک پاکستانی اخبار کی رپورٹ ملاحظہ ہو:۔

ایران کے صدر خامنہ ای اور ضیاء الحق لاہور کے ہوائی اڈے سے ایک کار میں سوار ہوئے لیکن ابھی ان کی کار ایئر پورٹ کی حدود میں ہی تھی کہ یہ اطلاع ملی کہ ایئر پورٹ کی حدود کے باہر کافی بڑے ہجوم نے سڑک روک رکھی ہے' یہ لوگ آیت اللہ خامنہ ای کی تصاویر اٹھائے ہوئے تھے اس ہجوم کو سڑک سے ہٹانے اور راستہ صاف ہونے میں کم و بیش 10 منٹ صرف ہوئے۔ اس دوران صدر خامنہ ای اور صدر ضیاء الحق کار میں بیٹھے راستہ صاف ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ شیعوں کا ہجوم جس نے سڑک کو روک رکھا تھا اور جو سڑک کے دونوں طرف ائیر پورٹ سے اپر مال تک ٹولیوں میں موجود تھا' صدر خامنہ ای اور ایران کے حق میں نعرے لگا رہا تھا' جب کہ وہ صدر ضیاء الحق ' مردہ باد ' وزیر اعظم محمد خان جونیجو مردہ باد ' امریکہ مردہ باد ' امریکی کتے ہائے ہائے ' کے نعرے لگا رہے تھے۔

بعد ازاں یہ حضرات جب بسوں پر سوار ہو کر واپس اپنے گھروں کے لئے روانہ ہوئے تو جدھر سے گزرتے رہے حکومت پاکستان ' ضیاء الحق اور وزیر اعظم جونیجو کے خلاف اشتعال اور توہین امیز نعرے لگاتے رہے۔

ائیر پورٹ سے واپسی پر نوجوانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں "امریکہ مردہ باد" ' "صدر ضیاء الحق مردہ باد" "جونیجو مردہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے پیدل شہر کی جانب آ رہی تھیں' ان میں سے بہت سے نوجوانوں نے اپنی پیشانیوں پر سفید پٹیاں باندھ رکھی تھیں جن پر سرخ رنگ کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے اور ان پر خمینی رہبر کے الفاظ تحریر کئے گئے تھے۔

یہ نوجوان سڑک پر گزرنے والی کاروں ' ویگنوں اور بسوں کے پاس پہنچ

کر جوش و خروش سے نعرے لگانے لگتے اور بسوں ' ویگنوں اور کاروں میں سوار افراد سے مطالبہ کرتے کہ وہ امریکہ مردہ باد اور صدر ضیاء الحق مردہ باد کے نعرے لگائیں۔ جب ان کے مطالبے کے جواب میں خاموشی اختیار کی جاتی تو وہ ویگنوں' کاروں اور بسوں کے شیشوں پر ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ڈنڈے اور ٹھوکریں مارتے۔ ان کی ان کارروائیوں کے نتیجے میں متعدد بسوں اور ویگنوں کے شیشے ٹوٹ گئے اور بہت سے لوگوں نے ان کے ساتھ نعرے بازی کر کے گلو خلاصی کرائی۔ ایران کے صدر خامنہ ای کے استقبال کی غرض سے آنے والے ہجوم نے بیک وقت ایرانی صدر کا استقبال کیا اور صدر ضیاء الحق کے خلاف احتجاج کیا جس کی وجہ سے بے شمار لوگ بد مزہ ہوئے۔

یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ اس ملک میں کیا ایک طبقہ ملک دشمنی اور ایران نوازی میں اس حد تک بھی آگے بڑھ سکتا ہے۔ شاید یہ اسی کا اثر ہے کہ ایران کی ایک کابینہ کی میٹنگ میں (جب 1993 میں نواز شریف کی حکومت کمزور ہو چکی تھی) رفسنجانی پر زور دیا گیا کہ "پاکستانی شیعوں کی مدد سے ہمیں پاکستان میں اس وقت اپنی مرضی کی حکومت بنا لینی چاہیے"۔

بہر حال لاہور میں ملک دشمن شیعہ مظاہروں نے ضیاء الحق کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اور ان کی آنکھیں کھول دیں۔

اس کے بعد ضیاء الحق نے بعض خفیہ ایجنسیوں کے تحت اس بات کا جائزہ لیا کہ پاکستان میں شیعوں سے کیسے نپٹا جائے ...... پھر یہ طے ہوا کہ سب سے پہلے شیعوں کے شناختی کارڈوں کا رنگ تبدیل کر دیا جائے ۔اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ انکی شناخت آسان ہو جائے گی اور دوسرا یہ کہ سنی افراد زکوۃ سے مستثنیٰ ہونے کے لئے شیعہ فقہ نہ اپنا سکیں گے ۔

یہ کام نہایت راز داری سے ہو رہا تھا لیکن ضیاء الحق اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کو تقیہ کے ذریعے ایسے لوگوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے اور ان کا سو فیصد اعتماد حاصل کیا ہوا ہے جن کے متعلق یہ کاروائیاں ہو رہی ھیں۔ اور یہ کہ روزانہ کی کاروائی مسلسل ان کے دشمنوں تک پہنچ رہی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس ڈرامے کے سب سے بڑے کردار ان کے جی او سی جنرل رفاقت سید تھے جن کا پورا نام سید رفاقت حسین شاہ ہے ۔ وہ ایوان صدر میں ان کے سب سے اہم معاون اور مشیر اعلیٰ تھے۔ دوسرے بریگیڈیر ذوالفقار تھے جو ڈائریکٹر جنرل کورڈی نیشن تھے جن کو ان کی ہر ہر حرکت کا علم رہتا تھا اور تیسرے آغا ذوالفقار تھے جو ان کے چیف سیکورٹی افسر ہونے کی وجہ سے سائے کی طرح ان کے ہمراہ رہتے تھے۔ یہ سب کے سب تقیہ باز شیعہ تھے اور سنی بن کر ضیاء الحق کے معتمد خاص بن گئے تھے۔

جولائی 1988 میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ علامہ عارف اللہ حسینی قتل کر دیئے گئے ۔ ایرانی ذرائع ابلاغ میں ایک ہلچل مچ گئی اور پاکستان کے شیعہ لیڈروں اور ایرانی حکمرانوں نے کھل کر الزام لگایا کہ حسینی کے قتل کے ذمہ دار ضیاء الحق ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان تمام واقعات کے نتیجہ میں ضیاء الحق کو ختم کرنے کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں یقیناً" اس کے لئے منصوبہ بندی یا تو تہران میں یا اسلام آباد میں ایرانی سفارت خانہ میں ہوئی ہو گی۔

خبروں کے مطابق ضیاء الحق کے طیارے کو تباہ کرنے کی سازش دو ہفتہ قبل تیار کر لی گئی تھی۔ اگرچہ ان کے بہاول پور کے دورہ کی خبر خفیہ رکھی گئی تھی،جس کا کمشنر بہاولپور کو بھی علم نہ تھا لیکن سازشی عناصر اس دورے سے دو ہفتہ قبل ہی باخبر ہو چکے تھے اور ان کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے لئے کافی وقت بھی مل گیا تھا۔

اطلاعات کے مطابق جہاز کے کپتان مشہود حسین نے طیارے میں سوار ہونے سے پہلے ٹیلیفون پر اپنے باپ سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ وہ اس کی شہادت کے لئے دعا کریں۔

خبروں میں بتایا گیا کہ 17 اگست 1988 کو صبح سے ہی بہاولپور میں بعض شیعہ یہ افواہیں پھیلا رہے تھے کہ آج کچھ ہونے والا ہے۔ پھر جب یہ بد قسمت طیارہ حادثے کا شکار ہو گیا تو ان لوگوں نے خوشی منائی ' مٹھائی بانٹی اور رات بھر رقص کرتے رہے۔

خبروں میں یہ بھی بتایا گیا کہ جب صدر کی شہادت کی خبر اسلام آباد پہنچی

تو پورا شہر دم بخود رہ گیا۔ لیکن ایک پڑوسی ملک (ایران) کے سفارت خانے کے افراد ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ انہوں نے جشن منانے کا انتظام کیا' جس میں ہم خیال پاکستانیوں کو بھی مدعو کیا گیا جہاں مہمانوں کی شراب و کباب سے تواضع کی گئی اور ناؤ نوش کا لمبا سلسلہ صبح تین بجے تک جاری رہا۔

یہ خبر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ آغا ذوالفقار (جو طیارہ میں سوار تصور کئے گئے تھے) کا نام بھی شروع میں مردہ لوگوں کی فہرست میں شامل تھا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ شخص آخری وقت میں طیارہ سے کھسک گیا تھا اور زندہ ہے۔

جون 1991 کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستانی حکومت امریکہ سے مطالبہ کرے گی کہ وہ ایک پاکستانی شیعہ کو ان کے حوالے کر دے ۔ واضح رہے کہ یہ شیعہ ضیاء الحق کے طیارہ کے حادثہ کے نزدیک بستی لال خان سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے پاس بہاولپور ائیر پورٹ کے فضائی نقشے اور جہاز کے انجن کے خاکے موجود تھے۔ وہ کچھ عرصہ جیل میں رہا لیکن پھر پاکستان کی اس وقت کی حکومت نے اسے آزاد کر کے امریکہ بھیج دیا۔

مندرجہ بالا واقعات میرے اپنے مشاہدات ' ایرانی ذرائع ابلاغ اور پاکستانی اخبارات میں شائع ہونے والی اطلاعات پر مبنی ہیں۔ ان اطلاعات کو یکجا کرنے میں میری غرض و غایت یہ رہی ہے کہ پاکستانی عوام ان محرکات و مضمرات سے کماحقہ آگاہ ہو سکیں جو پس پردہ اس قومی المیہ کے عمل پذیر ہونے میں محرک ثابت ہو سکتے ہیں۔ ویسے ظاہر ہے کہ کسی آخری نتیجہ پر پہنچنا تو صرف ہمارے خفیہ اداروں کا ہی کام ہے۔

ایران اور کشمیر

شروع میں شاہ کی حکومت نے کشمیریوں کے مسئلہ کی اقوام متحدہ کے اندر اور باہر کھل کر حمایت کی لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اور شاہ کی جاہ طلبی کی خواہشات بڑھنے لگیں، حکومت کا رویہ بھی ان خواہشات کے مطابق بدلتا گیا۔ شاہ کو یقین ہو گیا کہ ایران اب ترقی یافتہ قوموں کی سطح تک پہنچ چکا ہے جبکہ پاکستان معاشی طور پر بہت پیچھے ہے۔

اگرچہ شاہ بظاہر پاکستان سے دوستی کا اظہار کرتا تھا لیکن اس نے کشمیر کے سلسلے میں ہماری حمایت میں کبھی کوئی بیان نہیں دیا۔ ایرانی حکمران خصوصی ملاقاتوں میں کشمیر پر ہماری بھر پور حمایت کرتے تھے لیکن اس سلسلے میں کوئی اخباری بیان دینے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے تاکہ ہندوستان مبادا ناراض نہ ہو جائے ۔ میرا خیال ہے ان کا یہی طرز عمل ہندوستان کے ساتھ بھی تھا۔

ہندوستان نے 1965 میں پاکستان پر حملہ سے پہلے کشمیر کو اپنا لازمی حصہ ثابت کرنے کے لئے ایران میں بڑے پیمانے پر تشہیر شروع کر دی تھی۔ کشمیر میں فلمائی گئی بہت سی ہندوستانی فلمیں ایران کے سینما گھروں میں دکھائی جا رہی تھیں۔ جولائی 1965 میں تہران کے سرکاری فلمی میلہ میں کشمیر پر ایک ہندوستانی فلم (Invitation through Enchantment) دکھائی گئی لیکن پاکستانی سفیر نے اس پر ایرانی حکومت سے کوئی احتجاج نہ کیا۔

یہ بتانا بے محل نہ ہو گا کہ ایران کے سکولوں اور کالجوں کی تمام درسی کتابوں میں کشمیر کو ہندوستان کا لازمی حصہ دکھایا جاتا تھا اور اب انقلاب کے بعد بھی دکھایا جاتا ہے۔ ہم نے کبھی بھی اس کا نوٹس نہیں لیا۔

بعد میں ایرانی ریڈیو اور اخباروں نے ہمیشہ ہندوستانی نقطہ نظر کی تائید کی۔

ایک ماہنامہ وحید نے 1966 میں دو قسطوں میں ایک مضمون لکھا جسے کئی دوسرے اخباروں نے بھی چھاپا۔ کشمیر کے مسئلے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے

اخبار نے لکھا۔ ”مہاراجہ نے آزاد رہنے کی کوشش کی لیکن پاکستان کے قبائلیوں اور پٹھانوں نے کشمیر میں داخل ہو کر ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ان سنگین واقعات کے پیش نظر حکومت ہندوستان نے سوچا کہ مہاراجہ کی مدد کی جائے لیکن مونٹ بیٹن نے شرط رکھی کہ پہلے مہاراجہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کرے۔

کشمیر کے لوگوں کے ساتھ مشترکہ مذہب اور ثقافت کے متعلق پاکستان کے دلائل کو رد کرتے ہوئے اخبار نے لکھا کہ ثقافت کے اعتبار سے کشمیر ایک وحدت نہیں ہے اگر پاکستان کی دلیل تسلیم کر لی جائے تو کشمیر کو کئی حصوں میں تقسیم کرکے کئی پڑوسی ملکوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ جیسے ہندوستان، چین، افغانستان اور پاکستان۔

مسئلہ کا حل تجویز کرتے ہوئے اخبار نے لکھا ۔ گلگت اور بلتستان کے علاقے جو پہلے ہی سے پاکستان کے قبضے میں ہیں اس کو دے دیئے جائیں ۔ جموں کا علاقہ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور لداخ جو اقتصادی اور عسکری حکمت عملی کے لئے اہم ہے، ہندوستان کو دے دیئے جائیں ۔ وادی کشمیر جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اقوام متحدہ کے زیر تسلط دے دی جائے تاکہ وادی ہندوستان یا پاکستان سے آزادانہ تجارت کر سکے۔

تہران جنرل (7.4.75) نے ایک مضمون میں لکھا۔ کشمیر کا المیہ لوگوں کی وجہ سے نہیں بلکہ دو شخصیتوں میں تصادم کا نتیجہ ہے۔ نہرو ایک کشمیری برہمن تھا اور جناح بمبئی کا ایک وکیل تھا اور اس کا دادا ہندو تھا۔ ان دونوں کے درمیان شدید ذاتی نفرت تھی۔ اس کے علاوہ کانگریس کے لئے آزادی کا مطلب ایک متحدہ اور لادینی ریاست کا قیام تھا جہاں تمام مذاہب اور نسلوں کے لوگ آزادی سے رہ سکیں لیکن مسلم لیگ اور جناح کے لئے اس کا مقصد شمالی ہندوستان کی زوال پذیر اسلامی تہذیب کو نئی زندگی دینا تھا۔ مسئلہ کا قدرتی حل یہ تھا کہ اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن ہندوستان کو اس کا اتحاد عزیز تھا اور پاکستان کے لئے کشمیر مذہبی نہیں بلکہ سلامتی کا مسئلہ بن گیا تھا......

کیا حکومت پاکستان ڈھاکہ میں اپنی شکست کے بعد بھی سرینگر کو حاصل کرنے کی امید رکھتی ہے۔

بھٹو نے اپنے ہم وطنوں کو بنگلا دیش کی حقیقت تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کر لیا تھا۔ اسی طرح وہ کشمیر کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے بھی لوگوں کو تیار کر سکتا ہے۔

ایک اور مضمون میں اسی اخبار نے 22.9.76 کو لکھا "جیسے جونا گڑھ کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستان نے فوجی کارروائی کی' پاکستان کا بھی اخلاقی حق تھا کہ وہ کشمیر میں فوجی کارروائی کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی سی کوشش کی اور ہزہ کے قبائلیوں نے کشمیر کا وہ حصہ آزاد کرا لیا جسے آج کل آزاد کشمیر کہتے ہیں۔ لیکن نہرو وہ آدمی نہیں تھا جو اپنا گھر دوسروں کے حوالے کر دیتا۔ ہندوستانی فوجیں فوراً" حرکت میں آ گئیں اور قبائلیوں کو مار بھگایا"۔

مضمون نگار نے آخر میں لکھا۔ بحر ہند کے علاقے میں اس وقت تک امن نہیں ہو سکتا جب تک کشمیر میں عارضی جنگ بندی کی لائن کو بین الاقوامی سرحد نہیں بنا دیا جاتا۔

انقلاب کے بعد بھی ایرانی حکمرانوں کی کشمیر کے متعلق سوچ کچھ مختلف نہیں ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی منافقانہ ہے۔ صدر رفسنجانی نے 1992 میں اپنے پاکستان کے دورے میں کشمیر پر پاکستان کی مکمل حمایت کی لیکن بعد میں ایرانی لیڈروں اور حکومت کے اہلکاروں نے متضاد بیانات دے کر اپنی پوزیشن کو مبہم بنا دیا۔ کبھی کہتے ہیں کہ ایران اس مسئلہ پر دونوں فریقوں میں صلح کرانے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ دونوں فریق راضی ہوں اور کبھی کہتے ہیں کہ کشمیر ہندوستان کا لازمی حصہ ہے۔

کچھ عرصہ سے ایرانی ذرائع ابلاغ ہندوستان کی مکمل طرف داری کرتے ہوئے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ پاکستانی گوریلے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو کر لوگوں کو علیحدگی کے لئے اکسا رہے ہیں۔ اور یہ کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے شملہ سمجھوتہ کے تحت بات چیت اقوام متحدہ کی قرار دادوں سے بہتر حل پیش

کر سکتی ہے۔

اب ایسا نظر آتا ہے کہ ایرانی قیادت کشمیر کی آزادی کی حمایت کر رہی ہے اور جموں و کشمیر محاذ آزادی (JKLF) تنظیم اور اس کے سربراہ امان اللہ کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دے رہی ہے ۔ 1992 میں جب اس تنظیم نے جنگ بندی لائن تک مارچ کا پروگرام بنایا تو کئی اخباروں کے علاوہ ریڈیو تہران نے بھی اس کی حمایت میں کئی دن متواتر تبصرہ نشر کیا اور حکومت پاکستان اور کشمیریوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔

اس پس منظر میں ہفت روزہ تکبیر ' کراچی (27.2.92) کی رپورٹ ملاحظہ ہو : "اس سیاق و سباق میں اگر اس خبر کو پڑھا جائے کہ یہ منصوبہ تہران میں بنا اور امان اللہ خان ایک فرضی نام سے ایران گئے اور انہوں نے حیدر آباد دکن کا دورہ بھی کیا تھا تو بات کچھ سمجھ میں آتی ہے اور کچھ وضاحت یوں بھی ہوتی ہے کہ مقامی شیعہ رہنما مفتی کفایت حسین نقوی جو ایک کارو باری آدمی ہیں اس سارے عمل میں سب سے زیادہ پیش پیش نظر آتے ہیں"۔

آل انڈیا ریڈیو (22.10.91) کے مطابق تہران میں منعقدہ بین الاقوامی فلسطین کانفرنس میں ایرانی نمائندے نے کہا کہ کشمیر ہندوستان کا اندرونی معاملہ ہے اور اسے اس کانفرنس میں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔

کچھ دنوں کے بعد 11.11.91 کو صدر رفسنجانی نے ہندوستانی وزیر خارجہ کو اطمینان دلایا کہ ایران کشمیر کے مسئلہ کو ہندوستان کا اندرونی معاملہ سمجھتا ہے اور اسے بین الاقوامی بنانا نہیں چاہتا۔

ہندوستانی وزیر خارجہ نے تہران سے واپسی پر نئی دہلی میں کہا کہ ایرانی صدر اور وزیر خارجہ کشمیر کے مسئلہ کو ہندوستان کا گھریلو معاملہ سمجھتے ہیں۔ اور اسے بین الاقوامی سطح پر اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

ایرانی اخبار تہران ٹائمز (25.7.92) کے مطابق آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان نے تسلیم کیا ہے کہ افغانستان کشمیری چھاپا ماروں کو جو کشمیر کی ہندوستان سے علیحدگی کے لئے لڑ رہے ہیں' اسلحہ فراہم کر رہا ہے اور تربیت

دے رہا ہے۔

اسی اخبار نے 1.8.92 کو اطلاع دی کہ ہندوستانی فوج نے کشمیر کے جنوبی شہر اننت ناگ سے پانچ افغانیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔

تہران کے انگریزی روز نامہ کہیان انٹرنیشنل (15.8.92) نے مظفر آباد سے اپنی رپورٹ میں لکھا "درجنوں کشمیری علیحدگی پسند حزب اللہ کے مرکزی دفاتر میں چائے پیتے ہوئے کشمیر کی جنگ میں جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ دفاتر کے اندر ان کے سربراہ ایسے خاکوں کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں جن سے ہندوستانی کشمیر میں علیحدگی کی تحریک کو مزید وسعت دی جا سکے"...... دو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے کہ حزب اللہ مجاہدین پاکستانی علاقے سے ہندوستانی کشمیر میں علیحدگی کی آگ کو مسلسل ہوا دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان نے امریکی دباؤ کے تحت تربیتی مراکز کو آزاد کشمیر میں منتقل ہونے پر مجبور کر دیا ہے......اب مظفر آباد 200 سے زیادہ چھاپہ ماروں کا تربیتی مرکز اور عسکری پڑاؤ بن چکا ہے یہاں سے مختلف نظریات' اسلامی فعالیت (activism) فکرو عمل سے لے کر لا دینی رجحانات تک کو فروغ دیا جاتا ہے..... حزب اللہ تنظیم کا دعوی ہے کہ اس نے جماعت اسلامی کی مدد سے اب تک ہزاروں مجاہدین کو چھاپا ماری کی تربیت دی ہے۔

اسلام آباد کی حکومت ملک میں تربیتی مراکز کی موجودگی سے انکار کرتی ہے لیکن واشنگٹن اور دوسرے مغربی ممالک اس انکار کو نظر انداز کرتے ہیں۔

ریڈیو تہران (1.9.92) نے اپنے تبصرے میں کہا " کچھ اسلامی ممالک خصوصا" پاکستان کشمیر کے مسئلے کو انڈونیشیا میں ہونے والی غیر جانب دار تحریک (NAM) کی سربراہی کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن ہندوستان اور کچھ دوسرے ملکوں کا خیال ہے کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان کا دو طرفہ معاملہ ہے۔ اس لئے یہ ایجنڈے میں شامل نہیں ہو سکتا۔

تیسری دنیا کے حلقے بھی غیر جانب دار تحریک (NAM) کے ممالک کو دو طرفہ جھگڑوں کے حل کے لئے کوئی اختیار دینے کے خلاف ہیں۔

روز نامہ کہیان انٹرنیشنل نے 1.9.92 کو خبر دی کہ ہندوستانی فوجوں نے 12 مسلمان جنگجوؤں کو اس وقت گولی مار دی جب وہ پاکستانی کشمیر سے ہندوستانی کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ علیحدگی پسند مسلمان زخمی بھی ہوئے لیکن وہ پاکستانی کشمیر میں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

ریڈیو تہران نے جنگ بندی لائن کی طرف کشمیریوں کے مارچ پر تبصرہ کرتے ہوئے 13.10.92 کو کہا "کشمیر کے مسلح چھاپہ ماروں کے ہندوستانی کشمیر میں داخل ہونے کے فیصلہ سے پاکستان اور ہندوستان میں فوجی تصادم کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ ہندوستانی حکومت کشمیری مسلح دستوں پر گولی چلانے کے لئے کافی سنجیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کشمیری مسلح دستے اپنے ساتھ ہتھیاروں سے لیس گوریلوں کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ چونکہ کشمیر کی حکومت ان کو روکنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کر رہی اس لئے پاکستان ایک خطرناک چوراہے پر کھڑا نظر آتا ہے۔

ریڈیو نے کہا کہ جموں و کشمیر محاذ آزادی JKLF نے چونکہ حال ہی میں پاکستانی اور ہندوستانی کشمیر کے علاقوں کی آزادی کا مطالبہ کیا ہے اور اس کے لئے اقوام متحدہ کی مدد مانگی ہے' پاکستان کی طرف سے ان گروہوں پر طاقت کے استعمال سے ان کے پاکستان سے علیحدگی کے فیصلہ کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ پاکستان اپنی تاریخ اور حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ پاکستان دعوی کرتا ہے کہ کشمیر اس کا اپنا حصہ ہے اور ہندستان نے اس پر زبردستی قبضہ کیا ہوا ہے۔

ریڈیو نے مزید کہا کہ یہ یاد رہے کہ کشمیری گروہوں کے ساتھ پاکستانی علاقہ میں کوئی تصادم جموں و کشمیر محاذ آزادی (JKLF) کے مقاصد کو تقویت دے گا۔ اور پاکستان کو بھی ہندوستان کی طرح حملہ آور تصور کیا جائے گا' اس کے برعکس اگر ان مسلح دستوں کا ہندوستانی فوج کے ساتھ تصادم ہوا تو اس نرغے میں ہندوستانی اور پاکستانی فوجیں بھی آ سکتی ہیں اور جموں و کشمیر محاذ آزادی (JKLF) شاید یہی چاہتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس خطہ کی صورت حال

کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تیسری جنگ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

ریڈیو نے مزید تبصرہ کیا کہ پاکستان کے اس جواز کو ہندوستان قبول نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی سیاسی کمزوری کی بنا پر مارچ کرنے والے کشمیری گروہوں کو روک نہیں سکتا۔ اس نے پہلے ہی الزام لگا رکھا ہے کہ پاکستان کشمیریوں کو ہندوستان کے خلاف اکسا رہا ہے"۔

ریڈیو تہران نے اپنے نشریے میں اسی موضوع پر ایک بار پھر تبصرہ کرتے ہوئے 18.10.92 کو کہا کہ "پاکستانی وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ وہ کشمیریوں کو جنگ بندی لائن عبور کرنے سے نہیں روک سکتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی حکومت اس موضوع پر کوئی واضح بیان نہیں دینا چاہتی۔ یاد رہے کہ 8 مہینے پہلے بھی اسی طرح کے جلوس کے متعلق پاکستان نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا اور صرف چند دن پہلے ہی اپنی مخالفت ظاہر کی تھی۔

ریڈیو تہران نے اسی موضوع پر 23.10.92 کو پھر تبصرہ کیا اور کہا:"پاکستانی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ کشمیریوں کو جنگ بندی لائن تک جانے سے ہر طرح سے روکے گی۔ اس سے پہلے نواز شریف نے ہندوستان پر کڑی نکتہ چینی کی اور پھر ہندوستانی لیڈروں کو کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے مذاکرات کی دعوت دی۔ مبصروں نے نواز شریف کے اس بیان کو کشمیریوں کے لئے ایک گرین سگنل (کھلی اجازت) اور پاکستان کے لئے سیاسی مفاد حاصل کرنے کی ایک کوشش قرار دی"۔

ریڈیو تہران نے 28.10.92 کو کہا "پاکستانی علاقے میں رہنے والے کشمیریوں نے آج یوم سیاہ منایا۔ انہوں نے کشمیری مظاہرین پر پاکستانی فوج کی فائرنگ کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ یوم سیاہ کے موقع پر کشمیریوں اور دوسرے مظاہرین نے پاکستانی حکومت کی کشمیر پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی۔ یہ مظاہرے پاکستان کے مختلف شہروں میں کئے گئے۔

اسی دن ایک اور تبصرے میں ریڈیو تہران نے کہا "کشمیری لوگ 27 اکتوبر

کو ہر سال یوم سوگ مناتے ہیں کیونکہ اس دن کشمیری مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ لیکن اس سال کچھ ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں جو کشمیر کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

ریڈیو نے کہا کہ ہندوستان کے اس فیصلے نے کہ جنگ بندی لائن پر کسی شخص کو دیکھتے ہی گولی مار دی جائے گی' پاکستانی حکومت کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ کشمیریوں کو ہندوستانی علاقے میں داخل ہونے سے روکے' جس کی وجہ سے کشمیریوں کے پاکستان کے ساتھ تعلقات پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

ریڈیو نے بتایا کہ کشمیریوں کے پر امن جلوس پر پاکستانی فوج کی فائرنگ اور کشمیری لیڈروں کی گرفتاری کے بعد کشمیریوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ پاکستان کی کشمیر پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

ریڈیو نے کہا کہ ظاہر ہے کہ کچھ کشمیری تنظیموں کے مقاصد جن کے تحت وہ پاکستان اور ہندوستان سے آزادی چاہتے ہیں' پاکستان کی توقعات کے مطابق نہیں ہیں جو ہندوستانی کشمیر کو اپنے اندر ضم کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ کہ اپنے مطلب کی کشمیری تنظیموں کو مضبوط کرنے کی پاکستانی کوششوں سے اور زیادہ شک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔

ریڈیو نے آخر میں کہا کہ دنیا بھر میں ہندوستان کے خلاف کشمیریوں کے مظاہروں کے باوجود اب آثار بتا رہے ہیں کہ کشمیری تنظیموں کے بڑھتے ہوئے جذبہ آزادی کے پیش نظر کشمیر میں رائے شماری کے امکانات ختم ہو رہے ہیں۔

سیاچین کے موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے ریڈیو تہران نے 3.11.92 کو کہا کہ اس خطہ میں اپنی فوجی برتری کے پیش نظر ہندوستان خاص مراعات حاصل کئے بغیر سیاچین سے اپنی فوجیں واپس بلانے پر راضی نہیں ہو سکتا لیکن پاکستان اپنے اندرونی مسائل کی وجہ سے ہندوستان کو کوئی مراعات دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

ریڈیو نے کہا کہ جب پاکستانی فوجیوں نے کشمیریوں کو جنگ بندی لائن تک

جانے سے بزور روکا تھا تو نئی دہلی کو امید ہو چلی تھی کہ ہندوستان اور پاکستان ان کشمیری تنظیموں کے متعلق جو کشمیر کی آزادی چاہتی ہیں کوئی مشترکہ رویہ اپنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ریڈیو نے بتایا کہ ممکن ہے پاکستان کشمیر کے مسئلے کو نظر انداز کر کے سیاچین کا کوئی حل چاہتا ہے تاکہ ہندوستان سے ممکنہ جنگ کا خطرہ ٹل جائے جس کے لئے پاکستان اپنے سیاسی حالات کی وجہ سے اس وقت تیار نہیں ہے۔

بین الاقوامی حالات کے پیش نظر علاقائی تنازعات باہمی گفت و شنید سے ہی طے کرنے چاہئیں۔

انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل نے 9.1.93 کو خبر دی کہ انگلینڈ نے پاکستان کو سختی سے انتباہ کیا ہے کہ وہ ہندوستانی علاقے میں کشمیری چھاپا ماروں کو اسلحہ بھیجنا بند کر دے۔

اسی اخبار نے 9.2.93 کو ہندوستانی ذرائع سے خبر دی کہ افغان مجاہدین نے ہندوستانی کشمیر میں فوجی چوکیوں پر حملے تیز کر دیئے ہیں۔ ہندوستانی ترجمان نے بتایا کہ فوجیوں پر راکٹوں کے حملے ثابت کر رہے ہیں کہ افغان مجاہدین کشمیریوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ ترجمان نے الزام لگایا کہ افغان مجاہدین پاکستانی علاقوں میں کشمیری چھاپا ماروں کو تربیت دے رہے ہیں۔

ریڈیو تہران نے کشمیر پر تبصرہ کرتے ہوئے 25.1.93 کو کہا۔ ہندوستانی حکومت کشمیر کے مسئلے کے سیاسی حل کے لئے بھرپور کوششیں کر رہی ہے' اس سلسلے میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے کانگریس پارٹی سے رابطے اس طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ گو ابھی تک کشمیری مجاہدین کا رویہ واضح نہیں ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا رد عمل ہندوستانی فوج کے ساتھ ان کے رویے سے مختلف ہو گا کیونکہ مقامی حکومت کشمیریوں پر مبنی ہو گی۔ ممکن ہے اب تک کی متواتر اور لگا تار جنگ کشمیریوں کو اعتدال پسندانہ فیصلہ قبول کرنے پر مائل کر دے اور ممکن ہے کہ کچھ کشمیری گروہ مقامی کشمیری حکومت کو ترجیح دیں۔

ریڈیو نے کہا کہ اگر نرسمہا راؤ حکومت فیصلہ کے لئے سنجیدگی سے تیار

ہو جائے تو کشمیر میں مفاہمت کے امکانات کافی روشن ہو سکتے ہیں۔

انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل نے کشمیر پر اپنے تبصرہ میں 10.2.93 کو لکھا "کشمیر میں ہندوستانی اور پاکستانی علاقوں کی آزادی کا مطالبہ ایک نئی تبدیلی ہے جس کی دونوں دارالخلافوں میں مخالفت ہو سکتی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ پچھلے اکتوبر پاکستانی کشمیریوں نے جنگ بندی لائن کی طرف مارچ کا پروگرام بنایا تھا لیکن یہ منصوبہ کشمیری لوگوں اور پاکستانی فوجیوں کے درمیان تصادم کی وجہ سے پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ عام تصور یہی ہے کہ اسلام آباد کسی ایسے الجھاؤ سے انتہائی فکر مند ہے جس کے نتیجے میں کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کے ساتھ ایک اور جنگ چھڑ جائے۔

اخبار نے لکھا چونکہ ہندوستانی افواج جنگ بندی لائن پر کسی بھی مسئلے سے نپٹنے کے لئے ہر طرح چوکس تھیں لہٰذا نواز شریف کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ وہ اس صورت حال سے ہر طرح نپٹیں لیکن اب دوسرا سوال سامنے آتا ہے کہ کیا پاکستان کی جنگجو کشمیری تنظیموں کی مدد کرنے کی حکمت عملی میں تبدیلی آ گئی ہے؟ پاکستان اس تبدیلی سے انکار کرتا ہے لیکن بعض ماہرین اسے جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے کشمیر کو آزاد کرانے کے اقدام سے اسلام آباد کے فکر مند ہونے کی وجہ ظاہر کرتے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ پاکستان کو امید ہے کہ استصواب رائے کے نتیجہ میں ہندوستانی کشمیر اس میں شامل ہو جائے گا۔ قدرتی طور پر کوئی ایسا قدم جو کشمیر کی آزادی کے لئے ہو پاکستان کی حکمت عملی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ اور پاکستان کسی ایسی کشمیری تنظیم کو پسند نہیں کر سکتا جو کشمیر کی آزادی کے لئے کام کر رہی ہو بلکہ وہ ایسے گروہوں کو مضبوط کرے گا جو اس کے اپنے مقاصد سے مطابقت رکھتے ہوں۔

اخبار نے مزید لکھا کہ ایک اہم نکتہ جو کشمیر کی آزادی کے مطالبہ کے پیچھے کار فرما ہے وہ یہ کہ یہ مطالبہ ہندوستان اور پاکستان کے لئے کشمیر کے مسئلے کے مشترکہ حل میں مدد گار ثابت ہو سکتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ دونوں ملک

کسی نہ کسی وقت اس نتیجہ پر ضرور پہنچیں گے کہ کشمیر کی آزادی ان کے اپنے مفاد میں ہو گی اور ان کی سلامتی میں ایک اہم کردار ادا کرے گی۔

اخبار نے لکھا کہ معاہدہ شملہ جو بنگلا دیش بننے کے فوری بعد طے پایا تھا اس موضوع کے حل کے لئے اقوام متحدہ کی قرار داوں سے بہتر اور قابل قبول حل فراہم کر سکتا ہے کیونکہ استصواب رائے کے تحت کشمیر کے لوگ پاکستان کی مرضی کے برعکس اپنی آزادی کے لئے بھی فیصلہ دے سکتے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ جنگ بندی لائن کی طرف مارچ کرنے والے کشمیریوں کے ساتھ پاکستان کے سخت گیر رویہ کی وجہ سے یہاں مسلح تنظیموں کے ساتھ اسلام آباد کے تعلقات میں تبدیلی آئی ہے اور انہوں نے پاکستان پر جہاں ہندوستان سے سمجھوتہ کرنے کے الزامات لگائے ہیں وہیں اس تبدیلی نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے نئی راہ بھی ہموار کی ہے۔

کیہان انٹرنیشنل (18.2.93) نے خبر دی ہے کہ ہندوستانی کشمیر میں مسلمان گوریلوں نے 5 کشمیری مخبروں کو گولی مار دی - یہ چھاپہ مار اب تک 70 مسلمانوں کو اسی الزام میں گولی مار چکے ہیں۔ ایک چھاپہ میں انہوں نے ان تمام افراد کو مار دیا جو ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

آل انڈیا ریڈیو (12.5.93) نے بتایا کہ "ایران جو کہ ایک غیر لچک دار اسلامی ملک سمجھا جاتا ہے کشمیر کے متعلق پاکستان کی کھل کر حمایت نہیں کرتا۔ ایرانی سفیر نے لکھنؤ میں کہا ہے کہ کشمیر ہندوستان کا لازمی جز ہے اور اس کا ملک چاہتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان اس مسئلہ کو گفت وشنید سے حل کریں۔ امید ہے ایرانی سفیر کے اس غیر مبہم بیان کے بعد پاکستانی حکمران ہندوستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہیں گے"۔

تہران ٹائمز (12.4.93) میں آج ہندوستان کا نقشہ چھپا ہے جس میں پورے کشمیر کو ہندوستان کا علاقہ ظاہر کیا ہے اور پاکستان کے شمالی علاقوں کو متنازعہ علاقہ قرار دیا ہے۔

روز نامہ مسلم اسلام آباد (1.6.93) کے مطابق ایرانی مجلس کے سپیکر علی

اکبر نوری نے کہا ہے کہ ایران چاہتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ گفت و شنید کے ذریعے حل ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایران کشمیر میں کسی طاقت کے استعمال اور بیرونی مداخلت کے خلاف ہے۔

آل انڈیا ریڈیو (12.7.93) کے مطابق ایرانی وزیر خارجہ علی اکبر ولائتی نے ہندوستان کے سیکرٹری خارجہ ڈکشٹ کو بتایا کہ ایران علیحدگی پسند کشمیریوں کی حمایت نہیں کرتا۔ انہوں نے ہندوستان کی علاقائی سلامتی کی بھرپور حمایت کی۔

آل انڈیا ریڈیو (13.7.93) نے ولائتی کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بیان ہندوستان کے لئے دور رس نتائج کا حامل ہے۔ اس ضمن میں روز نامہ ہندوستان ٹائمز نے بھابانی سین گپتا کی ایک رپورٹ چھاپی ہے جس میں ہندوستان کے لئے ایران کے سیاسی رویہ میں مثبت تبدیلی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے لکھا کہ وہ اپنے ایران کے دورے میں ایرانیوں کے ہندوستان کے لئے پر خلوص جذبات سے بہت متاثر ہوا - اس نے لکھا کہ اس نے ایرانی لیڈروں' عالموں' اور عام لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور ہر سطح پر محسوس کیا کہ وہ سب ہندوستان سے قریبی دوستانہ تعلقات بڑھانے کے خواہش مند ہیں۔

اس نے مزید لکھا کہ ایران کے رویہ میں اس تبدیلی کی وجہ سے پاکستان اس سے ناخوش ہے۔ لیکن غیر جانبدار تحریک میں ہندوستان کی اہمیت' معاشی میدان میں اس کی صلاحیت' قابلیت اور فنی مہارت کے حامل ڈاکٹر اور سائنس دان ' یہ سب ایران کو ہندوستان سے اپنے قریبی تعلقات اور تعاون بڑھانے پر راغب کر رہے ہیں۔ کیونکہ ایران یہ تمام سہولتیں پاکستان سے حاصل نہیں کر سکتا۔

نوائے وقت - راولپنڈی (23.9.93) نے اپنے اداریے میں لکھا کہ "1989 کے دوران ایران ان چند ملکوں میں سے تھا جنہوں نے کشمیریوں کے جہاد کی حمایت کی تھی لیکن بعد میں کچھ خبروں سے یہ تاثر پھیلا کہ ایران کے رویے میں تبدیلی آئی ہے اور ایرانی حکمران اب کشمیر کو ہندوستان کا اندرونی معاملہ سمجھتے ہیں۔

بالفرض ہندوستانی ذرائع ابلاغ اس سلسلے میں غلط تاثر پھیلا رہے ہیں تو ایرانی قیادت کا فرض ہے کہ وہ اس تاثر کو نہ صرف رد کرے بلکہ ہندوستانی وزیر اعظم سے اس موضوع پر سختی سے بات کرے۔ اس ابہام کو کہ ایرانی قیادت ہندوستان کو پاکستان پر ترجیح دیتی ہے اور کشمیریوں کی جدوجہد کی حمایت کی بجائے ہندوستان کی طرف داری کرتی ہے' ختم ہونا چاہیے۔

آل انڈیا ریڈیو (23.9.93) نے نرسمہا راؤ کے ایران کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ صدر رفسنجانی نے کشمیر کے مسئلے پر واضح یقین دہانی کرائی ہے کہ ایران ہندوستان کے اندرونی معاملوں میں دخل اندازی کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔

بمبئی کے ہندی روز نامہ نوا بھارت (24.9.93) نے اپنے اداریے میں لکھا کہ ایران کا یہ بیان کہ کشمیر کا مسئلہ پر امن طور سے حل کیا جائے اور یہ کہ وہ دہشت گردی کو دوسرے ملکوں تک پھیلانا نہیں چاہتا' کافی اہم ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ہندوستانی وزیر اعظم نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ ایران کشمیر کے معاملے میں ہندوستان کی حمایت کرتا ہے گو یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ یہ کہاں تک درست ہے لیکن ایک بات صاف ہے کہ اب پاکستان کو کشمیر کے معاملے میں اسلامی ایجنڈا پر مشکلات پیش آئیں گی۔

ایران اور ہندوستان

اگرچہ 1960 کے آغاز تک ایران اور ہندوستان کے درمیان تعلقات میں کچھ زیادہ گرمجوشی نہیں تھی پھر بھی ہندوستان شروع سے ہی عام ایرانی کے ساتھ تعلقات بڑھانے کیلئے جدوجہد کر رہا تھا۔ ہزاروں ہندوستانی جو پچھلے 70-80 سال سے ایران میں خصوصا زاہدان اور تہران میں کاروبار کر رہے تھے۔ اپنے ملک کیلئے نشرو اشاعت کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ ہندستانی فلمیں بھی اس سلسلے میں کافی موثر کردار ادا کر رہی تھیں' یہاں تک کہ ایرانی' پاکستانیوں کو بھی ہندی کہہ کر پکارتے تھے۔

ایرانی کچھ عرصہ پہلے تک سکھوں کو بھی مسلمان سمجھتے تھے اور ان کو زاہد کہتے تھے پتہ چلا کہ جب رضا شاہ ایران کا بادشاہ بننے کے بعد زاہداں (اس وقت اس جگہ کو وزداب کہا جاتا تھا) گیا تو وہاں بہت سے سکھوں کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جب بتایا گیا کہ یہ زاہد لوگ ہیں تو اس نے اس شہر کا نام زاہدان رکھ دیا۔

ہندوستانی سفارت کی نشرو اشاعت مندرجہ ذیل نکات پر بھی زور دیتی تھی۔

(۱) ہندوستانی بھی ایرانی کی طرح آریہ نژاد ہیں اور ہندوستان ایران کے ساتھ اس رشتہ پر فخر کرتا ہے۔

(۲) ایران کے بعد پارسی قوم کی سب سے زیادہ تعداد ہندوستان میں آباد ہے جس نے ایران کی قدیم روایات کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

(۳) ہندوستان کے مسلمان ملک کی تقسیم نہیں چاہتے تھے لیکن محمد علی جناح نے انگریزوں کی شہ پر ہندوستان کو کمزور کرنے کے لئے اس کی تقسیم کرادی۔

(۴)شیعہ کی بھی بڑی تعداد ہندوستان میں آباد ہے جو ترکی اور پاکستان کے شیعوں سے زیادہ خوش اور خوشحال ہیں۔

ایران کی درسی کتابوں میں ہندوستان کو جاپان کے بعد ایشیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک لکھا گیا تھا۔ کشمیر کو ہندوستان کا لازمی حصہ دکھایا گیا تھا اور

اب بھی دکھایا جاتا ہے۔

1974 میں جب ہندوستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تو شاہ نے سب سے زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور ایرانی اخباروں نے ہندوستانی سائنس دانوں کی پر جوش تعریف کی ۔ ایک نیم سرکاری اخبار نے لکھا " ہندوستانی سائنس دانوں کی قابلیت کا بہترین اندازہ اس حیرت سے ہوتا ہے جس سے باقی دنیا نے ہندوستان کو ایک ایٹمی طاقت کے طور پر خوش آمدید کہا۔ اخبار نے لکھا کہ مہاتما گاندھی کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان نے ایٹمی طاقت کو جنگ کیلئے نہیں بلکہ امن کے لئے استعمال کرنے کا عہد کیا۔ شاہ نے فوراً" اندرا گاندھی کو تہران آنے کی دعوت دی اور خود بھی اسی سال ہندوستان کا دورہ کیا۔ ایران کے سرکاری حلقوں اور ذرائع ابلاغ نے 1974 کو ایران و ہند کی تاریخ کا ایک سنہری باب قرار دیا۔

شاہ مندرجہ ذیل شعبوں میں ہندوستان کی مدد کرنے کے لئے فوراً" تیار ہو گیا:۔

(۱) ہندوستان کو سستے داموں پر خام تیل کی سپلائی۔
(۲) مدراس میں تیل صاف کرنے کے کارخانے کی توسیع۔
(۳) کردمخ میں لوہے کی کانوں کے منصوبہ کو ترقی دینے کیلئے 300 ملین ڈالر کا قرضہ۔
(۴) دوسرے مشترک منصوبوں کیلئے منافع بخش قرضے۔
(۵) کھاد اور کاغذ بنانے کے کارخانوں میں سرمایہ کاری۔
(۶) چار تھرمل بجلی گھر خریدنے پر آمادگی۔

ایرانی اخباروں نے بعد میں اطلاع دی کہ ایٹمی شعبہ میں بھی ہندوستان کے ساتھ اشتراک کا معاہدہ طے پا گیا ہے۔ جس کے تحت دیگر باتوں کے علاوہ ہندوستان میں ایرانی سائنس دانوں کو اس شعبہ میں تربیت بھی دی جائے گی۔

ذرائع ابلاغ کے مطابق ایران ہندوستان سے زمینی راستے کے ذریعے تجارت کو بہت اہمیت دیتا ہے لیکن اچھی سڑکوں کی کمی اور زاہدان اور کرمان

کے درمیان ریلوے لائن کی غیر موجودگی اور سب سے بڑھ کر اس سلسلے میں ہندوستان کو مراعات دینے کیلئے پاکستان کی مخالفت اس راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

ہندوستان کو آر سی ڈی میں شامل کرنے کے لئے بھی ایران پاکستان پر متواتر دباؤ ڈالتا رہا۔

اپریل 1977 میں بتایا گیا کہ بمبئی کی مازاگون گودی ایرانی بحریہ کے لئے ایک اور پانی بردار جہاز بنا رہی ہے۔ اس سے پیشتر یہ گودی مختلف اقسام کی بڑی کشتیاں ایران کے حوالے کر چکی ہے۔

معلوم ہوتا ہے انقلاب کے بعد ایران کی نئی قیادت مختلف شعبوں بشمول دفاعی اور سلامتی کے شعبوں میں ہندوستان سے اپنے رشتے مضبوط کرنے کے لئے زیادہ خواہش مند ہے ۔1991 میں ایرانی اخباروں نے لکھا کہ کشمیری عوام کیلئے ایران کی حمایت ہندوستان سے اچھے تعلقات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ شاید اسی لئے ایرانی لیڈروں کے آئندہ بیانات اور ہندوستان سے ایران کے مختلف معاہدے اس کی کشمیر سے متعلق بدلتی ہوئی پالیسی کی غمازی کرتے ہیں۔

ایران نے وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں کے ساتھ تجارت کے لئے ہندوستان کو بہت سی مراعات دینے کا اعلان کیا ہے اور اس کے ساتھ اس علاقے میں مشترکہ سرمایہ کاری کی پیشکش بھی کی ہے اب تو پاکستان نے بھی ہندوستان کو گیس مہیا کرنے کے لئے پائپ لائین بچھانے کی ایران کی درخواست پر مثبت رد عمل کا اظہار کیا ہے۔

ہندوستان کے ساتھ ایران کے تعلقات پر ایرانی اخبارات وغیرہ سے چند ضروری اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

کیہان انٹرنیشنل (3.8.91) نے لکھا کہ ایران نے اپنے عملے کو تربیت دینے کے لئے ہندوستان کی پیٹرو کیمیکل کارپوریشن کو 4.4 ملین ڈالر کا ٹھیکہ دیا ہے۔ بڑودہ میں کورس کا افتتاح کرتے ہوئے کارپوریشن کے چیئرمین نے کہا: "ہندوستان پیٹرو کیمیکل کے شعبہ میں اپنے تجربہ اور صلاحیت میں ایران کو شریک کرنے کا

تہیہ کئے ہوئے ہے"۔

اس کورس میں 30 ایرانی شریک ہیں جب کہ 30، 30 کے 9 گروپ بعد میں تربیت حاصل کریں گے۔

تہران ٹائمز (3.10.91) نے بتایا کہ ہندوستان نے ایران کو 10 میگا واٹ کا ایٹمی ری ایکٹر دینے کی پیشکش کی ہے۔ اخبار نے ہندوستانی جریدے دی اکیونومک ٹائمز کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا۔ کہ ہندوستان اور ایران کے درمیان دفاعی اور اقتصادی تعاون ان ملکوں کے درمیان بہتر تعلقات کی بنیاد بنے گا۔

اخبار نے لکھا کہ ہندوستان کے ساتھ ایران اپنے دفاعی تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے شدید خواہش مند ہے۔

آل انڈیا ریڈیو (16.10.91) نے کہا کہ ہندوستان نے ایران کے 300 پیٹرولیم کے انجینئرز کو تربیت دینے کے لئے معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ ریڈیو نے بتایا کہ ہندوستان، ایران کے زراعتی تحقیق کنندوں کو بھی تربیت دے گا۔

ریڈیو اسرائیل کے مطابق (12.11.91) ایران کے نائب وزیر خارجہ بروجردی نے ایٹمی ری ایکٹر خریدنے کے لئے ہندوستان کا خفیہ دورہ کیا۔ ایران نے ہندوستان سے وعدہ کیا کہ اگر اسے یہ ری ایکٹر فروخت کر دیا گیا تو وہ کشمیری علیحدگی پسندوں کی حمایت سے دستبردار ہو جائے گا۔

آل انڈیا ریڈیو نے (23.12.91) کو روز نامہ ہندوستان ٹائمز کی رپورٹ نشر کی جس میں کہا گیا کہ وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں میں امریکہ کے بڑھتے ہوئے اثرو رسوخ کی وجہ سے ایران خاصہ فکر مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران، ہندوستان اور کئی دوسرے ملکوں کے ساتھ مل کر ایک نیا "سلامتی نظام" قائم کرنا چاہتا ہے جس کے تحت خطہ میں امن و سلامتی کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ آج کل ایران کے سابقہ وزیراعظم موسوی ہندوستان کے دورہ پر ہیں اور وہ ہندوستانی لیڈروں سے اس سلسلے میں بات چیت کر رہے ہیں۔

ہندوستان ٹائمز کے مطابق جب موسوی سے پوچھا گیا کہ پاکستان جس کا رویہ ہندوستان سے معاندانہ رہا ہے، کا اس نظام میں کیا کردار ہو گا تو انہوں نے کہا کہ جونہی اس خطرے کو صحیح تناظر میں محسوس کر لیا گیا، ان دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر ہو جائیں گے۔

اخبار نے لکھا کہ صدر رفسنجانی نے ہندوستانی وزیر خارجہ سولانکی کو گزشتہ مہینے بتایا تھا کہ کشمیر ہندوستان کا داخلی معاملہ ہے لیکن بعد میں ایران نے OIC میں ایک قرار داد کی حمایت کی جس میں کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے تحت حل کرنے کو کہا گیا تھا۔ اب ایران کہتا ہے کہ اس نے اسلامی سربراہی کانفرنس میں اس قرار داد کی صرف حمایت کی تھی جو اس سے پہلے وزرا خارجہ نے منظور کی تھی اور یہ قدم ایران کی کشمیر کے متعلق پالیسی میں کسی تبدیلی کو ظاہر نہیں کرتا۔

ریڈیو تہران نے اپنے تبصرہ میں 19.9.92 کو کہا کہ سلامتی کونسل میں ہندوستان کی نشست کے لئے ایران کی حمایت دہلی کے لئے سیاسی طور پر بہت مفید ہو گی۔

آل انڈیا ریڈیو (9.8.92) کے مطابق صدر رفسنجانی نے ہندوستانی وزیر خارجہ فلیرو کو پیشکش کی کہ ایران وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں میں سرمایہ کاری اور ان کے ترقیاتی منصوبوں میں ہندوستان سے تعاون کے لئے تیار ہے۔ صدر نے ان ریاستوں تک رسائی کے لئے ہندوستان کو بلا رکاوٹ جانے کی سہولت دینے کی بھی پیشکش کی۔

ہندوستان ٹائمز (10.8.92) میں چھپنے والے کے پی نیئر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ اسلامی دنیا میں پاکستان کے اثرو رسوخ کو زائل کرنے کے لئے ہندوستان کو ایران کی ضرورت ہے۔ کشمیر میں خاصی بڑی شیعہ آبادی ہونے کے باعث ایران کے کشمیریوں سے ہمدردی قدرتی امر ہے لیکن پاکستان میں پنجابیوں اور سنیوں کے غلبہ کے پیش نظر ایران کی طرف سے مخالفت ناگزیر ہے اور اس امر کو ہندوستان اپنے مفاد کے لئے صحیح فن سیاست کے ذریعے

استعمال میں لا سکتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کشمیر میں پاکستان کی بے جا مداخلت کا ایران کو یقین دلائے ۔ اس ضمن میں ایران کی حمایت کا حصول یقینی ہے کیونکہ گو تہران اور اسلام آباد بظاہر دوست نظر آتے ہیں لیکن در اصل یہ دونوں ممالک ایک دوسرے سے متعلق سخت شکوک و شبہات رکھتے ہیں۔

نیئر نے لکھا کہ ایران پاکستان کو اب بھی امریکہ کا کاسہ لیس اور تابع فرمان سمجھتا ہے ایران دیکھتا ہے کہ پاکستان وسطی ایشیا کی ریاستوں میں سعودی عرب اور ترکی کے مفاد کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ان سے تعاون کرتا ہے۔

نیئر کے مطابق افغانستان کے اندورنی معاملات میں پاکستان کی مداخلت کو بھی ایران بہت ناپسند کرتا ہے۔

ٹائمز آف انڈیا (9.9.92) نے پنے اداریے میں لکھا کہ ایران میں اب اس خیال کو تقویت مل رہی ہے کہ سڑکیں اور ریلوئے لائن بچھانے کی ہندوستان کی ماہرانہ خدمت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن ہمیں ایران کے ساتھ تعلقات کو صرف اقتصادی شعبہ تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ اگر ہم پاکستان کے ساتھ ایران کے تعلقات کا صحیح جائزہ لیں اور ان کے اختلافات سے فائدہ اٹھائیں تو ہمیں ایران کے زیادہ نزدیک ہونے میں بڑی مدد ملے گی۔ عرب ریاستوں کی نوازشیں حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی کوششیں اور سعودی عرب میں پاکستانی فوجوں کی موجودگی وغیرہ سے دونوں ملکوں میں پہلے ہی کافی تناؤ ہے۔ اس کے علاوہ وسطی ایشیا میں ایران ، پاکستان اور ترکی کے درمیان اقتصادی طور پر پاؤں جمانے کے لئے کافی سخت مقابلہ ہے۔ افغانستان میں بھی کافی ساز باز جاری ہے اور پاکستان نے افغانی شیعہ کو مناسب نمائندگی دینے کے سلسلے میں ایران کی درخواستوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

نئی دہلی کے روز نامہ "دی ہندو" نے اپنے اداریے (28.9.92) میں لکھا۔

عراق کی فوجی تباہی کے بعد خلیج کی عرب ریاستوں کے پاس اپنے حریف ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے وسائل نہیں ہیں۔ عراق کے خاتمہ کے بعد ایران سرعت سے خلیج میں ایک بڑی طاقت ہونے کے اپنے دعوے کو سچا کر رہا ہے۔

اس کی زیادہ تر کوششیں عربوں کو یہ باور کرانے کے لئے ہیں کہ وہ ایران کی اس حقیقت کو تسلیم کر لیں۔

اس علاقے میں عربوں اور ایران کے درمیان دو پرانے تنازعات ہیں، ایک شط العرب اور دوسرا ابو موسے کا جزیرہ ۔ شط العرب کا حل تو ایران کی مٹھی میں ہے ۔ دوسرا جھگڑا ایران نے ابو موسے اور دو چھوٹے جزیروں پر قبضہ کر کے اور وہاں سے ہندوستانیوں (جو متحدہ عرب امارات کی طرف سے وہاں متعین تھے) کو نکال کر حل کر دیا۔ عربوں کا رد عمل سوائے خلیج رابطہ کونسل (GCC) کے ہنگامی اجلاسوں میں احتجاج کے اور کچھ نہ تھا۔

میڈ MEED لندن (2.10.92) کے مطابق ہندوستان کو امید ہے کہ اس کو ایران کے روسی ٹینکوں T.55 کو جدید بنانے کا 190 ملین ڈالر کا ٹھیکہ مل جائے گا۔

ریڈیو تہران (2.10.92) نے نرسمہا راؤ کے فرانس کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فرانس کے ساتھ تعلقات مضبوط کرنے کی ہندوستانی کوششیں ان اقدامات کے ساتھ منسلک کی جا سکتی ہیں جن کے تحت ہندوستان اور پاکستان میں رقابت جاری ہے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ راؤ اس لئے فرانس گئے کہ کہیں پاکستان۔ فرانس تعلقات کو برتری حاصل نہ ہو جائے۔

کیہان انٹرنیشنل (15.10.92) نے ڈاکٹر مشائخ فریدنی کا ایک مضمون بعنوان " ایران اور ہندوستان کی تاریخ کا ایک صفحہ " ہندوستان کے نقشے کے ساتھ چھاپا جس میں کشمیر کو ہندوستان کا حصہ دکھایا گیا۔

فریدنی نے لکھا کہ پچاسویں ہجری میں جب مسلمان فاتحین خراسان سے ہندوستان گئے اور وہاں آزاد ریاستوں کا قیام کیا تو انھوں نے ایرانیوں کو اعلے عہدوں پر تعینات کیا اور فارسی زبان کو رائج کیا، اس طرح ایرانیوں کو ہندوستان میں اپنی فنی قابلیت اور چابکدستی دکھانے کا موقع مل گیا۔

مثال کے طور پر دکن میں شیعہ حکومتیں مکمل آزاد تھیں اس وقت ایران میں صفوی حکومت اپنے عروج پر تھی۔ گور کانی سلطنت جو 932 سے 1294

ہجری کے دوران ایران کی مدد سے قائم ہوئی۔ ہندوستان کی سب سے عظیم حکومت تھی۔ اگر شاہ اسمٰعیل صفوی ظہیر الدین بابر کو فوجی امداد فراہم نہ کرتا اور شاہ طہماسپ ہمایوں کو پناہ دے کر اس کی فوجی اور مالی مدد نہ کرتا اور ایرانی سیاست دان حکومت دہلی کے قیام میں مدد نہ کرتے تو اتنی عظیم اسلامی سلطنت کا ظہور پذیر ہونا نا ممکن تھا۔ نتیجتاً پاکستان اور بنگلا دیش کے 200 ملین مسلمان بھی آج آزاد نہ ہوتے۔

تہران کے انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (22.10.92) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ این پی ٹی پر دستخط کرنے کے لئے ہندوستان پر بین الاقوامی دباؤ بڑھ رہا ہے' اس کے مقابلے میں اسے سلامتی کونسل کی نشست کا لالچ دیا جا رہا ہے۔ اگر ہندوستانی حکومت اس دباؤ میں آ گئی تو یہ نہ صرف اس کی سیاسی خود کشی ہو گی بلکہ یہ کھلے طور پر امریکی مداخلت کے لئے پیش خیمہ ثابت ہو گی۔

اخبار نے لکھا کہ ہندوستان کی مشکل یہ ہے کہ اس کے پڑوسی پاکستان نے بھی آخر کار ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے۔ لیکن ہندوستان کی اپنی سلامتی کی سوچ پاکستان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کی سوچ کا دائرہ وسطی ایشیا کی ریاستوں اور چین تک محیط ہے جو جوہری ہتھیاروں سے لیس ہیں۔

اخبار نے مزید لکھا کہ ہندوستان کے جوہری پھیلاؤ کے سدباب میں اب تک کی کارکردگی بہترین رہی ہے۔ اس نے جوہری توانائی کو اب تک صرف پر امن مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اور 1974 کے بعد کوئی زمین دوز دھماکہ کرنے سے گریز کیا ہے اور یہ اس کے قابل اعتماد ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

اخبار نے آخر میں لکھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے لئے معقول طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنے جوہری ہتھیاروں کو ظاہر کریں اور ایک حقیقت پسندانہ حکمت عملی وضع کرنے کے لئے بات چیت کریں۔

گوہاٹی سے چھپنے والے ہندوستانی اخبار سینٹینل (Sentinel) نے اپنی

اشاعت مورخہ 11.10.92 میں ایران کی جوہری ہتھیاروں کے حصول کے لئے بڑھتی ہوئی کوششوں پر تبصرہ کیا اور لکھا کہ کچھ عرصہ پہلے صدر رفسنجانی نے اپنے وزرا کو کہا تھا کہ جوہری ہتھیار حاصل کرنے کے لئے وسطی ایشیا کی ریاستوں سے رابطے کئے جائیں۔ ایران کے سائنس دانوں کو یقین ہے کہ امریکہ کا مقابلہ صرف جوہری ہتھیاروں سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اگر صدام حسین کے پاس یہ ہتھیار ہوتے تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی جو اب ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ایران جس کو ایک بد دیانت قوم اور تخریب کار ملک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو یرغمال بناتا ہے اور بین الاقوامی اصولوں کی نفی کرتا ہے' اب بھر پور طور سے اپنے آپ کو ایک بار پھر اسلحہ سے لیس کر رہا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اب وہ جوہری بم بھی حاصل کر رہا ہے۔

اخبار نے آخر میں لکھا کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایران خلیج میں اپنی برتری قائم کرنے کے لئے اسلحہ جمع کر رہا ہے یا کسی پڑوسی ملک کا حملہ روکنے کے لئے ؟ مغربی ماہروں کا خیال ہے کہ ایران نہ صرف عراق پر اپنی فوجی برتری چاہتا ہے بلکہ اپنے دوسرے پڑوسی ملکوں کو بھی حراساں کرنا چاہتا ہے۔

ریڈیو تہران نے ولائتی کے ہندوستان کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے 11.11.92 کو کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران اور ہندوستان میں باہمی اشتراک کے لا محدود امکانات موجود ہیں۔ ہندوستان نے ایرانی گیس کی پائپ لائن براستہ پاکستان بچھائے جانے کے مشترکہ سرمایہ کاری کے لئے آمادگی ظاہر کر دی ہے۔

ریڈیو نے کہا کہ ہندوستان کو علم ہے کہ وسطی ایشیا کی ریاستوں سے تجارت کرنے کے لئے آسان قدرتی اور محفوظ ترین راستہ صرف ایران کی حدود کے اندر سے گزرتا ہے۔ چنانچہ ایران اس سلسلے میں ہندوستان کی مدد کر سکتا ہے۔

بی بی سی (12.11.92) کے نمائندے نے دہلی سے خبر دی کہ ہندوستان ایران میں مختلف ترقیاتی منصوبوں کو مکمل کرنے کے لئے تقریباً 12 بلین ڈالر

کے ٹھیکے لینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ان میں 700 ملین ڈالر کا ٹھیکہ کرمان میں تھرمل بجلی گھر بنانے کے لئے، تہران میں 55 ملین ڈالر کے خرچ پر زیر زمین ریلوے لائن بچھانے اور 200 ملین ڈالر کے خرچ سے ایک چینی کا کار خانہ لگانے کے معاہدے بھی آخری مراحل میں ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو (15.11.92) نے اپنے تبصرے میں کہا کہ ایران۔ ہندوستان کے مشترکہ کمیشن کے چھٹے اجلاس میں بتایا گیا کہ خمینی کے مرنے کے بعد ایران یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ ایک ترقی یافتہ ملک ہے اور فوجی اور اقتصادی اعتبار سے بہت مضبوط ہے۔

حیدر آباد دکن میں ایرانی ثقافتی میلے کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر خارجہ علی اکبر ولائتی نے کہا کہ ایران اور ہندوستان دو ایسے ملک ہیں جن کی ثقافت ایک ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی پہلے مسلمان تھے جنہوں نے ہندوستانی مذاہب پر تحقیق کی۔

ریڈیو نے کہا کہ ایک بات جس سے ہر ہندوستانی کو دکھ ہوتا ہے وہ ایران کی کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کی حمایت ہے، باوجود اس کے کہ ہندوستان نے آج تک ایران کے کسی مفاد کو نقصان نہیں پہنچایا۔ ایران جانتا ہے کہ ہندوستان کے علاوہ دنیا کا کوئی ملک ایران کو خوشحال ملک بنانے میں مدد نہیں دے سکتا، اسی طرح ہندوستان بھی سمجھتا ہے کہ اس کو اقتصادی طور پر مضبوط بنانے کے لئے ایران ایک بڑا کردار ادا کر سکتا ہے۔

بمبئی کے ہندی روز نامہ نوا بھارت (13.11.92) نے اپنے اداریے میں لکھا کہ خلیج کے علاقے امریکہ اور مغرب کے زیر اثر ہیں۔ چین کا اس خطہ میں اثر ایران کے لئے فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ایران کا ہندوستان پر انحصار ایک قدرتی امر بھی ہے اور معقول بھی۔

اخبار نے لکھا کہ ہم ایران ۔ عراق جنگ میں غیر جانبدار تھے۔ خمینی کا انتہا پسندانہ انقلاب کو جمہوری روایات کے منافی تھا پھر بھی ہم نے ایران کو ناراض نہیں کیا اور سلمان رشدی کے معاملے میں بھی ان کی طرفداری کی۔۔۔

جو چیز حیران کن ہے وہ یہ ہے کہ ایران کی شیعہ اکثریت سنی اکثریت والے پاکستان کی حمایت میں بولتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران اپنی سرحدیں محفوظ رکھنے کے لئے پاکستان اور افغانستان کی طرفداری کرتا ہے۔

اخبار نے آخر میں لکھا کہ ہمیں ایران کے اس رویہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ تجارت زیادہ سے زیادہ بڑھانی چاہیے۔ جونہی اقتصادی مفاد آگے بڑھے گا ایران پاکستان کے لئے اپنی حمایت ختم کر دے گا۔

نئی دہلی کے روز نامہ "دی ہندو" (3.11.92) نے خبر دی ہے کہ ایران میں ایک ہندوستانی ڈاکٹر ونود کمار ستمبر سے بغیر کسی وجہ کے زیر حراست ہے۔ اس کی بیوی کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ اس سلسلے میں نہ ہی ہندوستانی وزیر بھاٹیہ اور نہ ہی ہندوستانی سفیر کے کسی خط کا اثر ہوا ہے۔ اگر ایران کا ارادہ ہندوستان کو اس سلسلے میں بار بار وکالت کرنے پر مجبور کرنا ہے تو یہ دونوں کے لئے یعنی ایران کی انقلابی حکومت کے کردار پر اور خود ہندوستانی وزارت خارجہ کی ایرانی حکمت عملی پر ایک افسوس ناک تبصرہ ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ہندوستان کی کانگریس حکومت نے ایران کے لئے ہمیشہ خوشامدانہ پالیسی اپنائی ہے۔ یہ نرم رویہ ایران کے انداز کار میں کوئی تبدیلی لانے میں ناکام رہا ہے۔ ہندوستانی سیاست دان اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں کہ خوشامد کی پالیسی کو سخت رویہ میں تبدیل ہو جانا چاہیے۔

اخبار نے بتایا کہ چند مہینے پہلے پتہ چلا تھا کہ ایران نے ہندوستانی سفارت کے چند کارندوں کو سفارت کو بتائے بغیر حراست میں لے لیا تھا اور تنگ کیا تھا۔ ہندوستانی حکومت نے اس حقیقت کو چھپایا تھا لیکن جب اخباروں نے اسے ظاہر کر دیا تو ایک مدافعانہ اعتراف کر لیا گیا۔

اخبار نے لکھا کہ اس کے برعکس جب ہماری وزارت خارجہ کو کوئی ایسا موقع پاکستان کے خلاف ملتا ہے تو اخبارات اور پارلیمنٹ میں اس کے خلاف جذبات کو خوب خوب بھڑکایا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کی وزارت خارجہ کمیٹی کو ایران کے اس طرز عمل کے متعلق اپنی وزارت سے وضاحت طلب کرنی چاہیے۔

ہندوستان ٹائمز (16.11.92) نے لکھا کہ مشرق وسطےٰ اور مغرب کے خفیہ جاسوسی اداروں نے خبردار کیا ہے کہ عراق کی شکست کے بعد ایران اس خطہ میں زبردست قوت بننے کی کوشش کر رہا ہے اور اس علاقے میں مغرب کے حامی ملکوں کے لئے خطرہ بن رہا ہے۔ متحدہ عرب امارات کے ایک چھوٹے جزیرہ پر ایران کے زبردستی قبضہ کرنے اور روسی آبدوزیں خریدنے کے بعد سعودی حکمران بھی چوکنے ہو گئے ہیں۔

ریڈیو تہران (12.1.92) کے مطابق بمبئی میں ایرانیوں کے اوپر حملہ کے خلاف ایرانی وزارت خارجہ نے ہندوستان سے زبر دست احتجاج کیا ہے۔ یاد رہے کہ متعصب ہندوؤں نے ایرانیوں کی دوکانوں اور ایرانی ثقافتی مرکز پر حملے کئے تھے اور ایک ایرانی نوجوان کو قتل کر دیا تھا۔

تہران ٹائمز (12.1.93) نے اپنے اداریے میں لکھا۔ ہندوستان میں حالیہ واقعات ہمیں خوفناک دکھائی دے رہے ہیں۔ جمہوریت پر یقین رکھنے والے لوگوں کو اس ملک میں سیاسی افراتفری اور تنگ نظری کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ بھارتی جنتا پارٹی اور شیو سینا جیسے فرقہ وارانہ گروہ نرسما راؤ کی حکومت کی کمزوری اور ناقص پالیسیوں سے بے جا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

روز نامہ ہندوستان ٹائمز (11.1.93) نے اپنی رپورٹ میں کہا۔ خلیج کی عرب ریاستیں اب ایران کو خطہ کے لئے ایک خطرہ سمجھتی ہیں۔ متحدہ عرب امارات اور دوسرے عرب ملکوں نے جب ایران سے اپنے تین جزیروں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ایران کے صدر رفسنجانی نے کہا "اس کے لئے تمہیں خون کے سمندر کو پار کرنا ہو گا"۔ انہوں نے کہا "ایران تم سے کہیں زیادہ مضبوط ہے اور مغربی طاقتوں کو اپنے ہاں دعوت دینے کا راستہ جو تم نے انتخاب کیا ہے وہ شیطان کا راستہ ہے"۔

انڈین ایکسپریس (2.1.93) کے مطابق بین الاقوامی پولیس نے ہندوستان کو خبردار کیا ہے کہ ایک 30 آدمیوں پر مشتمل جانباز ایرانی دستہ چپکے سے ملک میں داخل ہو چکا ہے تا کہ ایودھیا مسجد کے گرائے جانے کے نتیجے میں سیاسی اور

مذہبی ہندو لیڈروں کو نشانہ بنا سکے۔

نئی دہلی کے روز نامے اکنومک ٹائمز (1.1.93) کے مطابق این بی سی ٹیلیویژن نے انکشاف کیا ہے کہ ایران اور پاکستان ایٹمی اسلحہ بنانے میں باہم 1990 سے تعاون کر رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ اس خطہ کی ایک بڑی طاقت بننے کی شدید خواہش کے پیش نظر ایران ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران میزائل کے نظام میں بھی فنی مہارت حاصل کر چکا ہے جس سے خطہ کی سلامتی کے لئے پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہی میزائل ایران اپنی عراق کے ساتھ جنگ میں کیمیاوی بموں کے ساتھ بھی استعمال کر چکا ہے اور ان کو ایٹمی بموں کے ساتھ بھی لیس کیا جا سکتا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ اس گٹھ جوڑ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستان کو اسرائیل کے ساتھ اپنے سیاسی اور فوجی تعلقات مضبوط بنانا چاہئیں۔

نئی دہلی کے اخبار پیٹریاٹ (Patriot) نے (22.1.93) کو ایک مضمون میں لکھا کہ اسلامی بنیاد پرستی مغرب کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ بنیادی طور پر ان اسلامی ملکوں کے خلاف ہے جو لادین ہیں اور مغرب پرست ہیں۔ اس وقت الجیریا، تیونس اور مصر کی حکومتوں کو فوری خطرہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران جان بوجھ کر بنیاد پرستی کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔

اخبار لکھتا ہے کہ جدید ترقی یافتہ سوسائٹی اور مذہبی بنیاد پرستی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ مقدس کتاب پرانے زمانے کے مسائل کی قابل ستائش راہنمائی تو کر سکی ہے لیکن وہ ترقی یافتہ دور میں موزوں نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے بنیاد پرستی مغرب کی ایک بڑی حلیف ہے۔ اس کا مقصد ایسے رجعت پسند عناصر کو اقتدار میں لانا ہے جو جدید ترقی کو روکیں۔ مغرب کو اس کا علم ہے۔ کیونکہ عرب دنیا میں اس کے سب دوست بنیاد پرست حکومتوں کے سربراہ ہیں۔

لندن کے 15 روزہ اخبار امپیکٹ انٹرنیشنل (12.2.93) نے ہندوستان میں

ہونے والے مسلمانوں کے خلاف واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا۔ ان واقعات نے ہندوؤں کی اس قدر ہمت بڑھا دی ہے اور ان کی فسطائیت اس قدر بے باک ہو گئی ہے کہ وہ عرب، ایران اور دوسرے مشرق وسطیٰ کے علاقوں کو فتح کرنے اور پھر تمام دنیا کو بائیسویں صدی تک زیر کرنے کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ ان کے لئے تمام امور ان کی منصوبہ بندی اور پیش گوئی کے عین مطابق عمل پذیر ہو رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ہندوستان کا اپنے آپ کو بے محابہ اور مسلسل مسلح کرنے کا عمل اور حیدر آباد، جونا گڑھ، سکم، بنگلا دیش، سری لنکا، مالدیپ اور کشمیر میں اس کے سامراجی طرز عمل سے اس کے عزائم کے متعلق کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔

اخبار نے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف حالیہ واقعات پر ایران اوردوسرے مسلم ممالک کا رد عمل ناکافی قرار دیا۔

ریڈیو تہران (11.3.93) کے مطابق ہندوستان کے شیعہ لیڈر سید موسوی نے بتایا کہ بابری مسجد کو مسمار کرنے کے لئے اسرائیل نے متعصب ہندوؤں کو اکسایا تھا تاکہ مسجد اقصیٰ کو گرانے کے لئے جواز پیدا ہو سکے۔

ایران کی خبر رساں ایجنسی ارنا نے نئی دہلی سے خبر دی ہے کہ ان کی سفارت نے ہندوستانی اخباروں کے اس بیان کو کہ بمبئی کے دھماکوں اور ہنگاموں میں ایران کا ہاتھ ہے، بالکل غلط قرار دیا ہے۔ ایرانی سفارت نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ایران کے خلاف نفرت پھیلانے میں کوئی مخصوص عنصر کام کر رہا ہے۔

ہندوستان کی وزارت دفاع کی سالانہ رپورٹ میں ایران کو ہندوستان کی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایران کا جدید ہتھیاروں سے مسلح ہونے کا عمل ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کی صورت میں پاکستان کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

ریڈیو تہران نے اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے (9.4.93) کہا کہ اس

رپورٹ کے پیچھے کارفرما مقصد ہندوستان اور امریکہ کے درمیان فوجی اشتراک کو ترقی دینا ہے۔

ہندوستانی روز نامہ "ہندو" نے اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ پاکستان اور ایران میں ہر قسم کا اشتراک خطہ میں عدم استحکام کا باعث بن سکتا ہے۔ ایرانی فوجوں کی جدید اسلحہ سے آراستگی اور اس کی کسی مستقل جنگ میں پاکستان کی مدد، ہندوستان کی سلامتی کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔

ریڈیو تہران (16.4.93) کے مطابق ایرانی مجلس کے پارلیمانی لیڈر رجائی خراسانی نے نئی دہلی میں ان خبروں کو بے بنیاد قرار دیا جن میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کی صورت میں ایران اسلام آباد کی مدد کرے گا۔

خراسانی نے کہا کہ ایران نے ہمیشہ کشمیر کے مسئلے کے فیصلہ کن حل پر زور دیا ہے اور وہ اس سلسلے میں ہندوستان کی مدد کے لئے تیار ہے۔ انہوں نے بابری مسجد کا مسئلہ حل کرنے کیلئے ہندوستانی کوششوں کی تعریف کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان کے لئے سلامتی کونسل میں مستقل نمائندگی کے لئے ایران اپنی حمایت جاری رکھے گا۔

انگریزی رونامہ تہران ٹائمز (24.4.93) کے مطابق ایران کے بھاری کارخانوں کے وزیر نجاد حسینیاں نے کہا ہے کہ ایران اور ہندوستان تین سے چار بلین ڈالر کے خرچ سے دونوں ملکوں کے درمیان گیس پائپ لائن بچھانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہندوستان نے اتنی زیادہ رقم فراہم کرنے کے لئے مجبوری کا اظہار کیا ہے چنانچہ ایران اس منصوبہ کے لئے جاپان جیسے سرمایہ کار ڈھونڈے گا۔ اپنی ضروریات پوری کر لینے کے بعد ہندوستان یہ گیس جنوب مشرقی ایشیا اور جاپان کو بھی برآمد کر سکتا ہے۔

ریڈیو اسرائیل (4.5.93) کے مطابق مغربی خفیہ اداروں نے ہندوستان کی حکومت کو اپنی اطلاعات فراہم کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایران اس ملک میں دہشت گردی کے واقعات میں ملوث ہے۔ ان اطلاعات کے مطابق ایران

ملک میں اس وقت پائے جانے والے مذہبی تناؤ کو فروغ دے رہا ہے اور اس نے اس ملک میں دہشت گردی کا ایک جال پھیلا دیا ہے۔ دہشت گردوں کی اکثریت حزب اللہ اور ایرانی پاسداران انقلاب سے تعلق رکھتی ہے۔

لندن کے ماہنامہ ایکو اوف ایران (مئی 1993) نے کہا ہے کہ ایرانی ماہرین کا خیال ہے کہ ایک طاقتور ملک کی حیثیت سے ہندوستان امریکی دباؤ میں نہیں آئے گا جبکہ پاکستان اس کے زیر اثر آیا ہوا ہے۔ ایرانی وزیر نجاد حسینیاں نے ہندوستانی اہلکاروں پر واضح کر دیا تھا کہ اگر انہوں نے آزاد حکمت عملی جاری رکھی تو ایران وسیع پیمانے پر ان کے ساتھ اقتصادی اشتراک کر سکتا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ہندوستان میں ایرانی سفیر کے بیان جس میں انہوں نے کہا ہے کہ کشمیر ایک اسلامی مسئلہ ہے' نے وہاں سرکاری حلقوں میں تشویش پیدا کر دی ہے جس سے ایرانی وزارت خارجہ ان بیانات کو مسترد کرنے پر مجبور ہو گئی ہے اور نئی دہلی کو یقین دلایا ہے کہ تہران کشمیر کے معاملے میں مداخلت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

آل انڈیا ریڈیو (7.6.93) کے مطابق ہندوستان میں ایرانی سفیر نے بتایا کہ ایران ہندوستان اور نرسمہا راؤ کو ایودھیا کے واقعہ کا ذمہ دار نہیں ٹھیراتا۔

ریڈیو تہران (15.6.93) نے ہندوستان کی سلامتی کونسل میں رکنیت کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہندوستان تیسری دنیا اور غیر جانبدار تحریک کا ایک اہم رکن ہے۔ ہندوستان کی رکنیت سلامتی کونسل کے فیصلوں میں توازن پیدا کرنے میں مدد دے گی۔

آل انڈیا ریڈیو (1.7.93) کے مطابق ہندوستان کے شیعوں نے اقوام متحدہ کو بھیجے جانے والے اپنے ایک خط میں مطالبہ کیا ہے کہ شیعوں کو مکہ' مدینہ' نجف اور یروشلم میں عبادت کرنے کی آزادی فراہم کی جائے۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ سعودی عرب اور دوسری جگہوں میں متبرک مقامات کا انتظام اور ان کی حفاظت مسلمانوں کی ایک مشترکہ تنظیم کے حوالے کیا جائے۔

تہران ٹائمز (6.7.93) نے بتایا کہ ہندوستان ایران کو پچاس ہزار بائیسکل برآمد کرے گا۔

تہران ٹائمز (14.7.93) نے بتایا کہ ایران ہندوستان سے بیس ہزار ٹن منجمد بھینس کا گوشت درآمد کرے گا۔

تہران کے فارسی روز نامہ سلام (23.9.93) نے نرسمہا راؤ کے ایران کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایران اور ہندوستان کے لئے ایشیا لیگ بنانے کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے یہ ایک اچھا موقع ہے۔ ایران اور ہندوستان اپنی یکساں خصوصیات اور ثقافتی ہم آہنگی کے حامل ہیں اور دونوں نے ایشائی تہذیب کی تاریخ میں بڑااہم کرادر ادا کیا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ اگر ہندوستان' پاکستان' ایران اور چین اپنے تعلقات بہتر بنا لیں تو ایشیا لیگ قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ اور اگر وسطی ایشیا کی آزاد ریاستیں اور جاپان بھی اس میں شامل ہو جائیں تو یہ تنظیم دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی قوت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ہندوستان کے وزیر اعظم ایشیا لیگ بنانے کا آغاز کریں گے۔

ایران اور افغانستان

شاہ ایران کے زمانے کی درسی اور سرکاری کتابیں دعوی کرتی تھیں کہ ماضی میں افغانستان ہمیشہ ایران کا حصہ رہا ہے۔ ایران سے اس کو الگ کرنے کی سازش نادر شاہ کے قتل کے بعد 1747 میں شروع ہوئی۔ لیکن فتح علی شاہ قاجار کے زمانے تک افغانی حکمران ایرانی بادشاہوں کے وفا دار رہے۔ اور باقاعدگی سے ان کو سالانہ خراج ادا کرتے رہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایران کے قاجار بادشاہوں کی کمزوریوں کی وجہ سے حکومت برطانیہ نے کچھ افغانی سرداروں کی مدد سے مداخلت کی اور افغانستان پر ایران کی حاکمیت کا خاتمہ کر دیا۔

ان کتابوں کے مطابق افغانستان میں 80 فیصد لوگ سنی اور 18 فیصد شیعہ ہیں۔ یہ افغان بہت مذہبی اور متعصب ہیں اور ان کی عورتیں اب بھی سخت پردے میں رہتی ہیں۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ پاکستان پر افغانستان کی عبوری تجارت کا انحصار ختم کرنے کے لئے ایران نے کئی تفصیلی منصوبے بنائے ہیں جن کے ذریعے اس تجارت کا رخ براستہ ایرانی بندر گاہ بندر عباس موڑا جا سکتا ہے۔

شاہ ایران نے افغانستان میں اپنا اثرو رسوخ بڑھانے کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ ستمبر 1974 میں اس کے ساتھ عبوری تجارت کا معاہدہ ہوا جس کے تحت اس تمام سامان پر جو ترکی کے راستے درآمد کیا جاتا تھا 20 فیصد چھوٹ دے دی گئی۔ مئی 1976 میں ایکسپورٹ پروموشن بنک قائم کرنے کے لئے افغانستان کو 10 ملین ڈالر کی رقم فراہم کی گئی۔ دوسرے معاہدے جو افغانستان کے ساتھ طے پائے ان میں ایران کا ریلوے کا نظام افغانستان کے اندر تک بڑھانا' ہرات سے بندر عباس تک بین الاقوامی معیار کی موٹر وے اور باہمی دلچسپی کے دوسرے مواصلاتی منصوبے شامل تھے۔

اپریل 1976 میں افغانستان کے صدر داؤد خان کی تہران آمد پر ان معاہدوں کی تجدید کی گئی اور ان پر عمل درآمد کے لئے ایران نے 2 ملین ڈالر

کی پیش کش کی۔

اپریل 1978 میں افغانستان میں داؤد خان کا تختہ الٹ کر روس نواز کیمونسٹ حکومت اقتدار میں آ گئی۔

اس صورت حال سے ایرانی حکومت گھبرا گئی اور اس کے نتیجے میں مشرقی سرحدوں پر اپنی فوجی طاقت بڑھانے کے لئے ایران کے ذرائع ابلاغ نے یہ پرچار شروع کر دیا کہ ایک عالمی طاقت پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ گرم پانیوں تک رسائی حاصل کر سکے۔

شاہ نے 13 مئی 1978 کو ایک پریس کانفرنس میں کہا " ایران کی مشرقی سرحدوں پر تبدیلیوں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ اس علاقے میں ہم اپنے دفاعی نظام کو مضبوط کریں"۔ غیر سرکاری خبروں سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایران اپنی فوجیں پاکستانی بلوچستان میں بھیجنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ تاکہ "روس کو جنوب کی طرف مزید بڑھنے سے روکا جا سکے"۔

اس کے بعد شاہ کی اپنی معیشت دن بدن کمزور ہوتی گئی اور یہ سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

خمینی انقلاب کے ساتھ حکمرانوں کا انداز فکرو نظر یکسر بدل گیا۔ شاہ کے عزائم سیاسی تھے لیکن اب ان عزائم کی بنیاد مذہب پر رکھ دی گئی۔ دوسرے ملکوں میں شیعوں سے روابط استوار کئے جانے لگے۔ اور ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔

پشاور میں افغانستان کے سنی گروہوں کے مقابلے میں افغان شیعہ لیڈروں کو تہران بلا کر ایک الگ مزاحمتی گروپ حزب وحدت تشکیل دیا گیا۔

ایران کی حکمت عملی بنانے والوں کا موقف تھا کہ ایران اور افغانستان تاریخی رشتوں میں جڑے ہوئے ہیں اور دونوں کا مذہب' زبان اور ثقافت ایک ہے۔ اس لئے افغانستان میں ایران کی طرف سے مزاحمت زیادہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ افغان عوام ایرانی انقلاب کی کامیابی کے بعد اب اپنی فتح کے سلسلے میں زیادہ پر امید ہیں۔ اس کے علاوہ ایرانی پاکستان سے شروع کی جانے والی مزاحمت کی تحریکوں کے بھی خلاف تھے کیونکہ ان کے مطابق ان

میں امریکی امداد کا عنصر شامل تھا۔

چنانچہ ایرانی حکمرانوں نے افغان شیعہ لیڈروں کو تہران بلایا اور ایک الگ مزاحمتی گروپ حزب وحدت تشکیل دیا۔ پھر قیادت پر اختلاف کی بنا پر شیعوں کے کئی گروپ بن گئے لیکن ایرانی حکمرانوں کے وہی مطالبے رہے یعنی کابل میں اپنی مرضی کی فارسی بولنے والوں کی حکومت اور شیعوں کے لئے اس میں کم از کم 25 فیصد نمائندگی۔

ایرانی اخبارات نے لکھا کہ ماضی میں پختونوں کے زیر قیادت افغانستان میں شیعوں نے بہت نقصانات اٹھائے ہیں۔ خاص طور پر مغربی افغانستان میں ہزارہ جات کے شیعوں نے 1890 کے عشرہ میں امیر عبدالرحمن کی حکمت عملی کے تحت اور بعد میں مسلسل پختون حکومتوں کے دوران بہت اذیتیں جھیلی ہیں۔

اخبارات نے لکھا کہ مغربی ذرائع ابلاغ کا یہ کہنا کہ ایران ایک خاص مذہبی اور نسلی گروہ کی مدد کر رہا ہے صحیح نہیں ہے۔ ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ ان لوگوں کی مدد کرنا عملی طور پر زیادہ آسان ہے جو ایران کی سرحد کے نزدیک رہتے ہیں۔ اسی طرح جیسے پاکستان اپنی سرحدوں کے نزدیک رہنے والوں کی بہتر مدد کر رہا ہے۔

اخبارات نے لکھا کہ امریکہ کا ایران کے ساتھ معاندانہ طرز عمل اس کی امریکہ نواز افغانیوں کی مدد کرنے میں مانع ہے۔

ایران کو اس بات کا بھی شدت سے احساس تھا کہ افغانی مزاحمت کی بیشتر تحریکیں پاکستان میں مرکوز ہیں لہٰذا ان کا زور توڑنے کے لئے ایران نے برہان الدین ربانی کا انتخاب کیا۔ وہ پختون بھی نہیں تھے اور ان کی زبان بھی فارسی تھی۔ ایران نے ربانی کو تہران لانے کے لئے اپنا ایک خاص جہاز پشاور بھیجا اور وہ ایران میں 26 فروری سے لے کر 9 مارچ 1988 تک سرکاری مہمان کی حیثیت سے رہے۔ ربانی کو یقین دلایا گیا کہ ایرانی حکومت مستقبل میں کسی بھی افغان حکومت کی حمایت کرے گی۔

ایرانی اطلاعات کے مطابق ربانی نے تہران، مشہد اور تربت جام میں مختلف افغان مہاجرین کے کیمپوں کا دورہ کیا اور ان سے خطاب کیا۔ ایرانی

اخبارات نے لکھا کہ ربانی اپنے دورے میں نہ صرف ایرانی حکومت کے ساتھ مفاہمت حاصل کرنے بلکہ افغان مہاجرین (جو ایران اور پاکستان میں رہتے ہیں) کے درمیان طریقہ کار میں بھی اتفاق رائے پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔ برہان الدین ربانی افغانستان کے مسئلہ پر ایران کے رد عمل سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ "ایران کی خارجہ حکمت عملی کی بنیاد اسلامی اصول ہیں جن پر وہ افغانستان کے معاملے میں بھی عمل پیرا ہے"۔

لندن کے پندرہ روزہ جریدے امپیکٹ انٹرنیشنل مورخہ 26-13 اکتوبر 1989 نے لکھا کہ ایران کی طرف سے روس کی خوشنودی حاصل کرنے کی نئی حکمت عملی کی وجہ سے افغان مجاہدین کو ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

جریدے نے لکھا کہ ایران چاہتا ہے کہ ماسکو اور پاکستان کی شیعہ وزیر اعظم کے تعاون سے افغانستان کی نئی حکومت میں شیعوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نمائندگی حاصل کرے۔ ایران کی فرقہ پرست حکومت کو افغانستان میں اسلامی نظام قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

جریدے کے مطابق نجیب اللہ نے غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس کے دوران بلگریڈ میں انکشاف کیا کہ ایران کے سرکاری حلقوں نے ان سے رابطہ کیا ہے اور وہ ایران کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے سلسلے میں بہت پر امید ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت نے ایرانی جنگی قیدیوں کو پہلے ہی رہا کر دیا ہے۔

اس کے بعد خبر آئی کہ نجیب اللہ جنیوا سے کابل واپس جاتے ہوئے اچانک مشہد پہنچ گئے تاکہ وہ ایران میں مقیم شیعہ مجاہدین کی پارٹیوں سے ملاقات کرکے ان کا ایک متحدہ گروپ بنا سکیں اور کابل میں ایک مشترکہ حکومت کی بنیاد رکھی جا سکے۔ خبروں کے مطابق ایران نے پروفیسر مجددی اور پیر سید احمد گیلانی کو بھی نجیب اللہ سے ملاقات کے لئے ایران بلوایا۔ ایران کا مقصد پاکستان کی پرامن کوششوں کو ناکام بنا کر کابل میں ایک وسیع النظر حکومت قائم کرنا تھا۔

خبروں میں بتایا گیا کہ ایرانی حکمران ملک میں مقیم شیعہ مجاہدین کی تمام پارٹیوں پر زبردست دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ نجیب اللہ کو نئی افغان حکومت میں

شریک کے طور پر منظور کرلیں۔

نجیب اللہ نے اپریل 1991 میں ایران کے صدر رفسنجانی کو ایک پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ وہ اپنا اثرو رسوخ استعمال کریں اور پاکستان کو افغانستان کے خلاف اپنے جارحانہ اقدام سے باز رکھیں۔

ریڈیو تہران نے بعد میں کہا کہ افغان مسئلہ کے فوجی حل کی ناکامی کے بعد افغانستان میں عبوری حکومت کے قیام کا ارادہ ترک کر دیا گیا ہے اور اب پاکستانی حکام بھی اس مسئلہ کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی طرفداری کر رہے ہیں۔

ایران میں مقیم شیعہ تنظیموں پر ایرانی حکمرانوں کے زبردست دباؤ کا ذکر کرتے ہوئے ہفت روزہ تکبیر کراچی 16.4.92 نے لکھا کہ حزب وحدت اور کچھ دوسری شیعہ جماعتوں نے اپنے دفاتر تہران سے پشاور منتقل کر لئے ہیں۔ اور یہ منتقلی ایران کے ان پر غیر ضروری دباؤ اور توہین آمیز رویہ کے خلاف بطور احتجاج عمل میں آئی ہے۔ ایرانی حکومت ان تنظیموں کو فرقہ ورانہ بنیادوں پر افغانستان میں اپنے اثرات مستحکم کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھی۔

تکبیر نے یہ بھی انکشاف کیا کہ کچھ عرصہ پہلے ایرانی حکومت نے افغان شیعہ تنظیموں کو دوبارہ بات چیت کی دعوت دی تھی۔ اس دعوت کے نتیجہ میں دو اہم شیعہ رہنما آیت اللہ صادقی اور کریم خلیلی اور بعض دیگر دوست تنظیموں کے مشورے پر رسمی بات چیت کے لئے تہران پہنچ گئے ۔ لیکن چند روزہ قیام کے دوران ایرانی حکومت سے ان کے مذاکرات کسی حتمی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے اور دونوں راہنماؤں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس وقت انہیں شدید حیرت ہوئی اور صدمہ کا سامنا کرنا پڑا جب انہیں مطلع کیا گیا کہ ان دونوں راہنماؤں کے سفری کاغذات حکومت ایران نے ضبط کر لئے ہیں اور جب تک وہ ایرانی حکومت کی شرائط تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے انہیں ایران سے نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حکومتی سطح پر مدعو کئے گئے ذمہ دار مجاہد راہنماؤں سے ایرانی حکومت کا یہ ناروا سلوک حد درجہ توہین آمیز تھا........ واضح رہے کہ حکمت یار کی حزب اسلامی نے بھی ایران میں اپنے دفاتر کئی برس قبل اس

وقت بند کر دیئے تھے جب حکومت ایران نے ان پر آیت اللہ خمینی کو اپنا رہبر تسلیم کرنے کے لئے دباؤ ڈالا تھا اور حزب اسلامی نے اس سے انکار کر دیا تھا۔

جولائی 1991 میں ایران، پاکستان اور افغان مجاہدین کے نمائندوں کے درمیان اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی پانچ نکاتی تجویز پر غور کرنے کے لئے ایک اعلی سطحی کانفرنس اسلام آباد میں ہوئی۔ لیکن بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو گئی۔

حزب اسلامی کے سربراہ مولوی یونس خالص (جنہوں نے کانفرنس کا بائیکاٹ کیا) نے کہا کہ ایران کے کہنے اور کرنے میں بے حد تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک طرف ایران افغان مجاہدین کا اتحاد چاہتا ہے اور دوسری طرف شیعہ پارٹیوں کو افغان حکومت میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی کے لئے اکسا رہا ہے۔

مولوی یونس خالص نے کہا کہ ایران میں سنی آبادی تیس فیصد سے زیادہ ہے لیکن وہاں کی حکومت نے ان کو کوئی نمائندگی نہیں دی بلکہ ان کے حقوق کو بری طرح نظر انداز کیا ہے۔

شیعہ مجاہدین کی سب سے بڑی پارٹی "حرکت انقلاب" (جو 1990 میں تہران سے پشاور منتقل ہوئی تھی) کے سربراہ آیت اللہ محسنی نے افغان مجاہدین کے ساتھ ایران کے رویہ کی شکایت کی اور کہا کہ وہ ایران کی خاص پروردہ جماعت "حزب وحدت" اور اس کے سربراہ آقای حسین مرتضوی کو تسلیم نہیں کرتے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے کانفرنس میں شرکت کیوں نہیں کی تو انہوں نے کہا کہ وہ ایران کے کسی سرکاری اہلکار کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔

ریڈیو ماسکو نے 29.7.91 کو بتایا کہ افغانستان کی صورت حال بہت پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے کیونکہ مجاہدین لیڈر تہران پر الزام لگا رہے ہیں کہ ایرانی حکمران نجیب اللہ سے مل کر شیعہ حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسری طرف افغان مجاہدین کابل کی حکومت جس کے سربراہ نجیب اللہ ہیں' سے بات چیت کے لئے تیار نہیں۔

وائس آف امریکہ (VOA) نے 30.7.91 کو بتایا کہ اسلام آباد کانفرنس

تعطل کا شکار ہو گئی ہے جس کی بڑی وجہ ایران میں مقیم شیعہ افغانوں کی کابل کی مجوزہ حکومت میں زیادہ نمائندگی کا غیر معقول مطالبہ ہے۔ اب وہ 20 فیصد کی بجائے 30 فیصد نمائندگی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پاکستان میں مقیم مجاہدین کا کہنا ہے کہ افغانستان میں شیعہ آبادی چونکہ دس فیصد سے زیادہ نہیں اس لئے ان کا مطالبہ مبالغہ آمیز ہے۔

اتحاد اسلامی افغانستان کے سربراہ پروفیسر عبدالرسول سیاف نے کانفرنس کے بائیکاٹ کی وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا مقصد ایرانیوں کے مشکوک اور غیر دوستانہ رویہ کے خلاف احتجاج کرنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایران کو نہ تو افغانستان کی آزادی سے اور نہ ہی وہاں اسلامی حکومت کے قیام میں دلچسپی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ایرانی وزیر خارجہ اور دوسرے اہلکاروں کے اسلام آباد آنے کے تین مقاصد تھے۔ فرقہ پرستی کی بنیاد پر افغانستان کی تقسیم، شیعوں کے لئے نامناسب نمائندگی اور اقوام متحدہ کی تجویز کو مسلط کرنا۔ انہوں نے کہا کہ ایران (جو اسلام کے محافظ ہونے کا دعوی کرتا ہے) کی حکمت عملی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اتحاد اسلامی افغانستان کے سربراہ پروفیسر عبدالرسول سیاف نے دوہرایا کہ ان کی جماعت آئندہ سہ فریقی کانفرنس (جو اب تہران میں ہو رہی ہے) میں بھی شرکت نہیں کرے گی۔ ان کے نائب انجینئر احمد شاہ نے بتایا کہ اسلام آباد کانفرنس میں گفتگو کے دوران ایرانی نمائندوں کا غیر دوستانہ، خلاف مصلحت اور دھمکی آمیز رویہ ناقابل برداشت تھا۔....... اقلیتوں کے حقوق کے متعلق ایرانی حکومت پر دو رخی پالیسی اور دوہرے معیار کا الزام لگاتے ہوئے احمد شاہ نے کہا: "ایران کی اپنی سنی اقلیت کے ساتھ کار گزاری اور سلوک نہایت مایوس کن رہا ہے" انہوں نے کہا کہ اگر ایرانی حکمران اسلام آباد کانفرنس میں شیعوں کی نمائندگی سچے دل سے چاہتے ہیں تو انہوں نے آیت اللہ محسنی کی اس کانفرنس میں شرکت کی مخالفت کیوں کی۔ حد تو یہ ہے کہ صبغت اللہ مجددی نے بھی ایرانی حکومت کوخوش کرنے کے لئے محسنی کو اس کانفرنس میں شرکت

کی دعوت نہیں دی۔

تہران کے انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (19.8.91) نے اپنے اداریے میں پاکستان کی اس تجویز پر کہ ایران، پاکستان، سعودی عرب، امریکہ، روس اور اقوام متحدہ کے نمائندوں کی مشترکہ کانفرنس بلائی جائے، سخت نکتہ چینی کی اور کہا کہ یہ تجویز ایران کو افغانستان کے سیاسی حل سے دور رکھنے کی ایک سازش ہے کیونکہ پاکستان کو معلوم ہے کہ ایران ایک ہی میز پر امریکہ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔

اسی روز نامہ نے اپنی اشاعت مورخہ 4.9.91 میں کہا کہ گلبدین حکمت یار دہشت گردی میں ملوث رہے ہیں اور انہوں نے اپنے بہت سے مخالفین کو مروایا ہے اس لئے ان کو ختم کر دیا جائے۔

حزب اسلامی نے ایرانی اخبار کے اس اداریے کے خلاف پاکستان میں سفارت ایران سے سخت احتجاج کیا اور کہاکہ ایران کا کوئی اخبار اپنی حکومت کی اجازت کے بغیر ایسی کوئی بات شائع نہیں کر سکتا۔

یاد رہے کہ حکمت یار نے تہران کانفرنس (جو اگست میں منعقد ہوئی تھی) میں شرکت نہیں کی تھی۔

پشاور میں مقیم چار شیعہ پارٹیوں کے ترجمان حجتہ اللہ جرائیل نے انکشاف کیا کہ ایران نجیب اللہ حکومت کو کھانے پینے کی چیزیں بھیج رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی حکومت کی یہ امداد نہ صرف ایرانیوں کی بلکہ افغان مجاہدین کی خواہشات کے بھی خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران کو اپنے تئیں افغان شیعہ مجاہدین کا نمائندہ ظاہر کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

یاد رہے کہ یہ چاروں شیعہ جماعتیں تہران میں وجود میں آئیں۔ لیکن جب ایرانی حکمرانوں نے ان کے اندرونی معاملات میں غیر ضروری مداخلت شروع کر دی تو انہوں نے اپنے دفاتر پشاور منتقل کر لئے۔

افغانستان میں اقوام متحدہ کے ذریعوں نے انکشاف کیا کہ ایران کے ایک جہاز (C-130) نے بامیاں کے شیعہ علاقوں پر کئی ٹن اشیائے خوردنی گرائی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق ایران کا یہ اقدام افغانستان کے شیعہ علاقوں میں اپنا

اثر و رسوخ بڑھانے کی کوششوں کا آغاز ہے۔ ایران یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ افغانستان میں شیعوں کا قدرتی محافظ ہے۔

گو کابل حکومت نے اصرار کیا کہ ایران کو یہ کاروائی ان کے توسط سے کرنی چاہیے تھی لیکن سرکاری اطلاعات کے مطابق نجیب نے ایران کو اس شرط پر اجازت دی تھی کہ یہ کاروائی راز میں رہے۔

گلبدین حکمت یار نے ہزارہ جات کے شیعوں کے لئے اشیائے خوردنی گرائے جانے کی ایرانی کاروائی پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس طرح افغانستان میں ایران اپنے حامیوں کو مضبوط کر رہا ہے۔

کابل میں افغان کمانڈر کونسل نے پچھلے ہفتے افغانستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی پر ایران سے سخت احتجاج کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہزارہ جات میں شیعوں کو اشیائے خوردنی سپلائی کرنے کے بھیس میں ایران کی طرف سے یہ کاروائیاں افغانستان کی حاکمیت اور آزادی کے خلاف صریح جارحانہ اقدامات ہیں' یہ ایران کی طرف سے دوستانہ کاروائی نہیں بلکہ مکمل طور پر ایک سیاسی اور فوجی مہم جوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں کابل حکومت (جس نے پوشیدہ طور پر ایران کو اس کاروائی کی اجازت دے رکھی ہے) کی مجرمانہ خاموشی قابل مذمت ہے۔

کابل میں سفارتی حلقوں کے مطابق ایران افغانستان میں اپنی سیاسی کاروائیاں تیز کرنے کے لئے منصوبہ بندی کر رہا ہے' کیونکہ ایران سمجھتا ہے کہ اپنے آپ کو اس خطے میں نئے سرے سے مستحکم کرنے' پاکستان سے بازی لے جانے اور افغانستان میں شیعوں کے ساتھ ماضی میں کی گئیں زیادتیوں کو ختم کرنے کا یہی موقع ہے۔

نجیب اللہ کی (کیمونسٹ) وطن پارٹی کا خیال ہے کہ ایران کو شامل کئے بغیر افغانستان میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس نے پاکستان پر الزام لگایا کہ وہ اس مسئلے کے حل میں روڑے اٹکا رہا ہے۔

حزب اسلامی کے سربراہ مولوی یونس خالص نے ایران پر الزام لگایا کہ وہ افغانستان کے شیعہ علاقوں میں اپنی بنیادیں مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا

کہ تاریخ گواہ ہے کہ ایران نے کبھی بھی اسلام کی روح کے مطابق کوئی کام نہیں کیا۔ ان کے تمام عمل اپنی سیاست اور قومیت کے جذبے کے تحت ہوتے ہیں۔

ایک اور بیان میں انہوں نے الزام لگایا کہ ایران نے افغان شیعہ تنظیمیں پیسے اور اسلحہ کے زور سے قائم کی ہیں تاکہ ان کو ہمارے ملک میں کوئی رائے دینے کا حق مل سکے۔ اس طرح وہ ہمارے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

فروری 1992 میں ایک عجیب انکشاف ہوا۔ اخباری اطلاعات سے پتہ چلا کہ ایران کے حکومتی ادارے پشاور میں ایک ایرانی سکول چلا رہے ہیں جہاں ایرانی طالب علموں کے علاوہ پاکستانی اور افغانی شیعہ طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔ اس سکول کے استاد ایرانی ہیں اور ذریعہ تعلیم فارسی ہے۔

ایرانی انقلاب کی برسی پر جشن منانے کے لئے ایران کے کونسل جنرل شیر خدائی نے پشاور میں ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں افغانستان کی عبوری حکومت کے صدر پروفیسر مجددی' پروفیسر ربانی' قطب الدین ہلال اور دوسرے بہت سے افغانی اور پاکستانی زعما کو مدعو کیا گیا۔

اس جشن میں ایرانی سکول کے طلبہ (جنہوں نے اپنے سینوں پر خمینی اور خامنہ ای کی تصویریں لگا رکھی تھیں) نے ایران کے انقلابی ترانے گائے اور "خمینی رہبر" کے نعرے لگائے۔ دوسرے مہمان تو خاموش رہے لیکن پروفیسر مجددی نے اپنے میزبان شیرخدائی کی خوب سرزنش کی اور پوچھا کہ کیا ایرانی حکومت اپنے طالب علموں کو کسی افغانی لیڈر کی تصاویر لگانے اور ان کے انقلابی ترانے گانے کی اجازت دے گی ؟ مجددی نے کہا چاہے کچھ بھی ہو افغان افغان ہی رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ افغان طالب علموں کو غیر مناسب باتیں سکھانا ایرانیوں کو زیب نہیں دیتا۔ شیر خدائی نے یہ کہہ کر مجددی کو خاموش کرنے کی کوشش کی کہ مسلمان ایک ہیں چاہے وہ ایرانی ہوں ' افغانی ہوں یا پاکستانی۔

گلبدین حکمت یار نے پشاور میں ایک افطار پارٹی کو خطاب کرتے ہوئے ایران پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ایران نجیب حکومت کو تیل اور دوسری

اشیائے خوردنی مہیا کر کے افغانستان میں جہاد کی تحریک کو نقصان پہنچا رہا ہے۔
حکمت یار نے بتایا کہ ایران ازبکستان کے راستے بھی کابل کو ایندھن اور تیل وغیرہ بھیج رہا ہے۔

صدر نجیب اللہ نے صدر رفسنجانی کو نوروز کے موقع پر مبارکباد کے پیغام میں امید ظاہر کی کہ دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں گے۔

ایک افغان مجاہد محمد عالم نے الزام لگایا کہ ایرانی حکومت بعض افغانی مجاہدین کو گرفتار کر کے افغان انتظامیہ کے حوالے کر رہی ہے۔

پچھلے سال بی بی سی نے بھی ایک افغان مجاہد محمد اسماعیل کے حوالے سے خبر دی تھی کہ 85-1983 کے درمیان ایران نے تقریباً 12000 افغان سنی مجاہدین کابل کی کمیونسٹ حکومت کے حوالے کئے تھے۔ ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ غیر قانونی طور پر ایران میں داخل ہوئے ہیں ان میں بہت سے یا تو قید کئے گئے یا شہید کر دئے گئے۔

اطلاعات کے مطابق صدر ببرک کارمل اور وزیراعظم سلطان علی کشتمند ہزارہ شیعہ کے حامیوں نے ایرانی حکومت کی شرکت سے کابل میں کمیونسٹوں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ حکومت بنانے کی سازش تیار کی ہے۔

اطلاعات میں یہ بھی بتایا گیا کہ شورائے نظر کے کمانڈر احمد شاہ مسعود اور پروفیسر ربانی بھی اس کاروائی میں شریک ہیں۔

اسی دن (17.4.92) کو ریڈیو تہران نے بتایا کہ افغانستان کا ایک طیارہ مشہد ائیر پورٹ پر اترا ہے۔

اگلے روز خبر آئی کہ ایرانی ہواز بازافغانستان کے دو فوجی ٹرانسپورٹ طیارے مشہد لے گئے ہیں۔ اطلاعات میں بتایا گیا کہ حکومت ایران نے 60 سپاہ پاسداران اور ہوا باز فرح کے صوبے شن دھند ائیرپورٹ پر بھیجے جہاں سے وہ دو افغانی طیارے مشہد لے گئے۔

افغان خبررساں ایجنسی نے ایران پر الزام لگایا کہ ان کے ہوا باز افغانستان کی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر نجیب حکومت کے ایما سے تمام افغانی

طیارے مشہد لے جا رہے ہیں۔

فرح کے کمانڈروں نے اس کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے اقوام متحدہ اور بین الاقوامی تنظیموں سے درخواست کی کہ وہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں ایران کی اس شرمناک مداخلت کو روکے۔

تہران کے روز نامہ تہران ٹائمز (31.3.92) نے اپنے اداریے میں لکھا کہ ایران اقوام متحدہ کی امن تجاویز کی حمایت کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے پاکستان کا موقف واضح نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقتدار کے مختلف مراکز ہیں جو افغانستان کے متعلق فیصلوں کے ذمہ دار ہیں' اس حقیقت نے صورت حال کو اور زیادہ غیر مستحکم بنا دیا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ سیاسی حلقوں کی رائے میں پاکستانی فوج کے غیر لچکدار لوگ اب بھی افغان متحارب گروپوں کی ہر قسم کی مدد کر رہے ہیں جب کہ نواز شریف حکومت افغانستان کے سیاسی حل کے لئے سنجیدہ معلوم ہوتی ہے۔

ریڈیو تہران نے 16.4.92 کو خبر دی کہ اقوام متحدہ کے نمائندے کی تجویز کے ناکام ہو جانے پر حزب وحدت کے شیعہ اور دوسرے افغان مجاہدین نے احمد شاہ مسعود کی قیادت میں کابل کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے اور کابل کے ارد گرد کئی اہم علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

اسی روز گلبدین حکمت یار نے الزام لگایا کہ ایران کابل پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ افغان خبر ایجنسی نے خبر دی کہ جنرل مومن کے حامیوں کے کابل کی بین الاقوامی ائیر پورٹ پر قبضہ کے بعد وہاں کی صورت حال بہت سنگین ہو گئی ہے۔ جنرل آصف دلاور' جنرل نبی عظیمی اور جنرل بابا خان اور کچھ ایران کے حامی مجاہدین جنرل مومن کی مدد کر رہے ہیں۔ ایجنسی نے بتایا کہ یہ سارے جنرل کمیونسٹ لیڈر ببرک کارمل کے پرانے ساتھی ہیں اور انہوں نے ایران کی شراکت سے کمیونسٹوں کے ساتھ مل کر ایک اتحادی حکومت بنانے کے لئے ایک نہایت شرمناک سازش تیار کی ہے۔ تاکہ افغانستان کو نسلی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکے۔

ایجنسی نے کہا کہ تاجک کمانڈر احمد شاہ مسعود جس کی فوجیں شمال کی

طرف سے کابل کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں گویا تو فریب دے کر اس سازش میں شریک کر لیا گیا ہے یا وہ اس مہم کے خوفناک انجام سے آگاہ نہیں ہیں۔

اس صورت حال پر ریڈیو تہران نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ کابل میں حالات معمول کے مطابق ہیں اور گلبدین حکمت یار اور اس کی کمپنی کی کابل پر چڑھائی کے تمام منصوبے مجاہدین کی اتحادی فوجوں نے خاک میں ملا دیئے ہیں۔ ریڈیو نے کہا گلبدین واحد افغانی لیڈر ہے جو حکومت کی پر امن تبدیلی کے خلاف ہے اور اس چیز نے کابل کے لوگوں میں اس کے خلاف سخت نفرت پیدا کر دی ہے۔

لندن کے انگریزی ماہنامے ایکو اوف ایران (اپریل 92) نے اطلاع دی کہ حکمت یار کی کابل کی طرف پیش قدمی اور اس کے ہرات پر قبضہ کرنے پر تہران میں سخت تشویش پائی جائی ہے۔ اطلاعات میں کہا گیا ہے کہ ایرانی نمائندوں نے کابل کو حکمت یار کے قبضہ سے بچانے کے لئے احمد شاہ مسعود سے مشورے شروع کر دیئے ہیں۔ کیونکہ گو احمد شاہ مسعود ایک سنی مسلمان ہے لیکن اس کے معتدل رویے نے اس کو ایرانیوں کی نظروں میں قابل اعتبار بنا دیا ہے۔

حزب وحدت کے لیڈر نے ریڈیو تہران کو بتایا کہ ان کی پارٹی کا کابل میں بہت سے علاقوں پر قبضہ ہے۔ لیکن پشاور معاہدہ میں ان کو شامل نہیں کیا گیا' اب وہ کابل میں عبوری کونسل سے اپنی نمائندگی کے لئے بات چیت کر رہے ہیں۔

ایران نے افغانستان میں عبوری حکومت کی کونسل کو تسلیم کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ تمام علاقائی اور نسلی گروہوں کے حقوق کا احترام کیا جائے۔

ہفت روزہ تکبیر کراچی نے اپنی اشاعت مورخہ 30.4.92 میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے کشمیر اور کوریا کی طرح افغانستان کو بھی تقسیم کرنے کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں اور اس مقصد کے لئے ایران کو بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ افغانستان کی شیعہ آبادی پر مذہب کے تعلق سے ایران کے جو اثرات ہیں ان

کے ذریعے عبوری حکومت کی تشکیل اور شوری کے قیام کے موقع پر شیعہ اور سنی کی بنیاد پر نشستوں کی تقسیم کی کوشش کی جا چکی ہے' جو کامیاب نہ ہو سکی' اس لئے اب فارسی بولنے والے افغانوں پر زبان کے حوالے سے ایران کے اثرات کو کام میں لاتے ہوئے لسانی بنیادوں پر افغانستان کی تقسیم کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ افغان مجاہدین میں اختلاف رائے کی صورت میں کوئی تصادم ہوا تو اسے لسانی صف بندی میں شامل کر کے' فارسی اور پشتو بولنے والی آبادی کی بنیاد پر افغانستان کی تقسیم کی کوشش عین متوقع ہے۔

اس ہفت روزہ نے ایران کو کہا ہے کہ افغانستان کی مسلکی یا لسانی تقسیم کی جو کوششیں اس کی جانب سے ہوتی رہی ہیں اور ہو رہی ہیں وہ نہایت نامناسب ہیں اور اسلام دشمن مغربی طاقتوں کے عزائم کی تکمیل کرنے والی ہیں۔ ایران کو اس طرح کی حرکتوں سے گریز کرنا چاہیے۔ مسائل کو الجھانے کی بجائے ان کو سلجھانے کی روش اپنا کر ایران' افغانستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اپنے لئے احترام اور محبت کی فضا پروان چڑھا سکتا ہے۔ جب کہ برعکس رویہ برعکس نتائج ہی کا سبب بن سکتا ہے۔

ریڈیو تہران (1.5.92) کے مطابق دو ایرانی طیارے دوائیں اور اشیائے خوردنی لے کر مزار شریف پہنچ گئے ہیں۔

تہران کے انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز نے لکھا کہ گلبدین حکمت یار جو پشتون اور غیر پشتون گروہوں کے درمیان جنگ کے ذریعے کوئی سیاسی فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے ہیں اب فوجی کاروائیوں کے ذریعے اپنی تنہائی پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ریڈیو تہران (6.5.92) نے بتایا کہ 30 ٹرکوں پر مشتمل ایک ایرانی قافلہ 20 ٹن اشیاء خوردنی اور دوسری بنیادی ضروریات کی چیزیں لے کر بیر جند کے راستے فرح کے صوبے میں پہنچ گیا ہے۔

ریڈیو تہران (17.5.92) کے مطابق پروفیسر ربانی نے افغانستان میں اسلامی انقلابی جدوجہد کے لئے ایران کی ٹھوس امداد کی بہت تعریف کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہیں گے اور امید ہے کہ

افغانستان کی تعمیر نو میں ایران ایک اہم کردار ادا کرے گا۔

بی بی سی کے نمائندے کے مطابق ایران کی پروردہ شیعوں کی بڑی پارٹی حزب وحدت نے کہا ہے کہ جب تک کابل حکومت میں ان کو پورا حصہ نہیں مل جاتا وہ انتظامیہ کی مخالفت جاری رکھیں گے۔

وحدت پارٹی جس نے کابل کے کئی اہم علاقوں اور عمارتوں پر قبضہ کر رکھا ہے کا خیال ہے کہ افغانستان کی تاریخ میں شیعوں کو حکومت سے ہمیشہ باہر رکھا گیا۔ اب جب کہ جہاد ختم ہو گیا ہے۔ ان کی منزل نسلی حقوق کا حصول ہے اور ان کو حکومت میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا ہو گا۔

نیوز ویک میگزین (11.5.92) کے مطابق تہران خاموشی سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر رہا ہے کہ افغانستان میں فارسی بولنے والے شمالی علاقوں اور تاجکستان کو ملا کر ایک یونین بنا دیا جائے۔

VOA (16.5.92) کے مطابق مولوی یونس خالص نے ایران پر الزام لگایا ہے کہ وہ شیعہ مجاہدین کی پشتیبانی کر کے اور ان کو اکسا کر ایسے اقدام کر رہا ہے جس سے افغانستان میں صحیح اسلامی حکومت قائم نہ ہو سکے۔

بی بی سی (18.5.92) کے نمائندے سبھاش چکرا ورتی نے ایران کے وزیر خارجہ علی اکبر ولائتی کے نئی دہلی پہنچنے پر خبر دی ہے کہ ولائتی افغانستان میں شیعہ آبادی کے حقوق کے لئے ہندوستان کی حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

نمائندے نے کہا کہ افغانستان میں شیعہ آبادی تقریباً" 15 فیصد ہے لیکن ایران دعوی کرتا ہے کہ شیعہ وہاں 25 فیصد ہیں۔ ایران سمجھتا ہے کہ پاکستان صرف ان مجاہدین کو ترجیح دیتا ہے جو پشاور میں رہتے ہیں اور پشتو بولتے ہیں۔

ایران کے صوبہ خراسان نے افغانستان کے صوبہ ہرات سے کابل کو درمیان میں لائے بغیر 18.5.92 کو ایک معاہدہ کیا ہے۔ جس کے تحت دونوں صوبے اقتصادی' ثقافتی اور سیاسی شعبوں میں تعاون کریں گے۔ معاہدے کے تحت ایران / افغان سرحد پر مارکیٹیں بنائی جائیں گی اور لوگوں کو سرحد عبور کرنے کے لئے مراعات دی جائیں گی۔ اس کے علاوہ خراسان کے ماہرین ہرات میں سڑکیں مرمت کرنے اور کاشتکاری کو ترقی دینے میں بھی مدد دیں گے۔

ایران کا ایک اعلی سطحی وفد افغانستان کی عبوری حکومت سے بات چیت کے لئے 20.5.92 کو کابل پہنچا ہے اور خوراک دوائیں اور دوسری ضروریات کی چیزیں لاد کر دو ٹرانسپورٹ طیارے بھی ساتھ لایا ہے۔

تہران میں حزب وحدت کے نمائندے نے 26.5.92 کو بتایا کہ ان کی پارٹی نے دو بڑے سنی لیڈروں حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کے درمیان معاہدے کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ اس میں شیعوں کے حقوق کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ معاہدہ پاکستان اور سعودی عرب کی ثالثی کے تحت عمل میں آیا ہے جس میں ایران کو کوئی نمائندگی نہیں دی گئی ۔

کابل انتظامیہ کی اس درخواست کے باوجود کہ افغان علاقوں کو تمام امداد عبوری حکومت کی اجازت سے دی جائے' ایران نے اشیائے خوردنی اور دواؤں وغیرہ سے بھرے ہوئے دو ہیلی کوپٹر (30.5.92) براہ راست ہرات بھیج دیئے۔

ریڈیو تہران (26.5.92) کے مطابق ایران نے افغانستان کے صوبہ فرح کے ساتھ ایک اور براہ راست معاہدہ پر دستخط کئے ہیں جس کے تحت ایران کا صوبہ خراسان اور فرح کا صوبہ باہم سیاسی' ثقافتی اور اقتصادی شعبوں میں تعاون کریں گے۔ معاہدہ میں کہا گیا ہے کہ ایران فرح کے صوبہ کی تمام ہنگامی ضروریات پوری کرے گا اور اس کے ریڈیو اور ٹی وی کی کارکردگی بہتر بنانے میں بھی مدد دے گا۔

ریڈیو سوئٹزر لینڈ (2.6.92) نے بتایا کہ ایران کی طرف دار حزب وحدت کے گوریلوں نے افغانستان کے وزیر انصاف جلال الدین حقانی کی کار پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔

ریڈیو نے بتایا کہ حکومت کی تقریباً" 130 عمارات اور سکڈ مزائل کے اڈے پر حزب وحدت کا قبضہ ہے' تمام مقبوضہ عمارتوں میں امام خمینی کی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی ہیں' اس جماعت کا مطالبہ ہے کہ اسے حکومت میں کم از کم پانچ وزارتیں دی جائیں۔

ایک تجزیہ نگار نے VOG کو بتایا کہ افغانستان میں ایران وہی کردار ادا کر رہا ہے جو اس نے حزب اللہ کی حمایت اور کفالت کر کے لبنان میں ادا کیا

ہے۔

لندن کے فارسی روز نامہ کیہان (4.6.92) نے اطلاع دی ہے کہ درجنوں فوجی ماہرین ایران سے کابل پہنچ گئے ہیں اور مجاہدین سے جدید اسلحہ خریدنے میں مصروف ہیں۔ ایرانی ماہرین نے بتایا کہ گو ایرانی فوجیں سکڈ میزائل سے پہلے ہی لیس ہیں لیکن روسی میزائلوں کی قسم جو اب مجاہدین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے ایران کے مزائلوں سے کہیں زیادہ معتبر اور موثر ہے۔

دی نیوز (4.6.92) کے مطابق اتحاد اسلامی کے پروفیسر عبدالرب سیاف نے تہران پر الزام لگایا ہے کہ وہ کابل میں مختلف مذہبی اور علاقائی گروہوں کے درمیان لڑائی کا ذمہ دار ہے۔ انہوں نے وثوق سے کہا کہ حزب وحدت جس کو ایران نے مسلح کیا' تربیت دی اور لڑائی کے لئے بھڑکایا ہے' نے کابل میں خون ریزی شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حزب وحدت ایران کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے اور افغانستان کے مفاد کے خلاف کام کر رہی ہے۔

سیاف کے مطابق افغانستان کے سابق شیعہ وزیر اعظم سلطان علی کشتمند کے حامی بھی اتحاد کے خلاف لڑائی میں شامل ہو گئے ہیں۔

VOA (11.6.92) کے مطابق حزب وحدت عبوری حکومت میں شامل ہونے پر راضی ہو گئی ہے جماعت کے نمائندے عبدالعلی مزاری نے کہا کہ عبوری حکومت ان کو قومی سلامتی کی وزارت اور دوسری وزارتیں دینے پر راضی ہو گئی ہے۔

یاد رہے کہ حزب وحدت اور اس کے حامی گروہ اس سے پہلے آٹھ وزارتیں مانگ رہے تھے۔

ایران کے نیم سرکاری اخبار تہران ٹائمز (13.6.92) نے شیعہ جماعتوں کو عبوری حکومت میں نمائندگی ملنے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔

ریڈیو تہران نے صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ حزب وحدت جو افغانستان میں 32 فیصد آبادی کی نمائندگی کرتی ہے اب عبوری حکومت میں شامل ہو کر ملک میں امن اور اسلامی حکومت کے قیام میں موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

ریڈیو تہران نے اپنے 20 جون کے تبصرے میں کہا کہ مجددی اور حزب وحدت میں معاہدہ عبوری حکومت کی معیاد بڑھانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ پروفیسر مجددی بھی اس کے لئے کوشاں ہیں۔ دوسری طرف پروفیسر ربانی صدر غلام اسحاق خان سے ملنے کے بعد سعودی عرب کے بادشاہ فہد سے ملنے گئے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ اسلام آباد کے معاہدے کے تحت عبوری حکومت ان کو منتقل کر دی جائے۔

ریڈیو تہران نے بتایا کہ عبوری حکومت کے کچھ حلقے اسلام آباد معاہدہ کو غیر معتبر معاہدہ کا نام دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔

افغانستان میں ایک اور شیعہ تنظیم افغان حزب اللہ موؤمنٹ کے نمائندے محمد حسن جعفری نے ایرانی خبر ایجنسی ارنا سے بات چیت کرتے ہوئے زور دیا کہ فقہ جعفریہ جس کے پیروکار 30 فیصد افغانی ہیں کو سرکاری طور پر تسلیم کر لینا چاہیے۔

پروفیسر مجددی نے عبوری حکومت کی صدارت ربانی کے حوالے کرتے ہوئے شیعہ وحدت پارٹی پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ افغانستان کی نازک صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ پارٹی ملک دشمن غیر ملکی عناصر سے مل کر کابل میں تفرقہ بازی کو فروغ دے رہی ہے۔ اور صورت حال کو مزید غیر مستحکم بنا رہی ہے۔

ریڈیو تہران اور ایرانی اخباروں نے پروفیسر ربانی کے سعودی عرب جانے پر سخت تنقید کی اور کہا ہے کہ حکومت سنبھالنے سے پہلے ربانی کا ریاض کی اشیر باد حاصل کرنا بالکل غلط ہے۔

ایران کے نیم سرکاری اخبار تہران ٹائمز (7.7.92) نے خبردار کیا ہے کہ افغانستان میں مختلف گروہوں میں بڑھتی ہوئی شکر رنجی اور موجودہ افراتفری نے ایران کی قومی سلامتی کے لئے سنگین خطرات پیدا کر دئے ہیں۔

تہران کے ایک دوسرے اخبار کیہان انٹرنیشنل (9.7.92) نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ممکن ہے افغانستان یوگوسلاویہ کی

طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

اس اخبار نے لکھا کہ افغانستان میں نسلی اور گروہی جنگ پختونستان کی تحریک کو بھی زندہ کر سکتی ہے اور پاکستان کے جنوبی صوبہ سندھ میں علیحدگی کی آگ کو بھی ہوا دے سکتی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ گلبدین حکمت یار ایک پختون ہے۔ اگر وہ کابل کو اپنے دشمنوں سے ساز باز کر کے الگ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس کے دل میں پختونستان سلطنت بنانے کا خیال بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

کابل میں سرکاری حلقوں نے 10.7.92 کو بتایا کہ افغانستان کی عبوری حکومت نے ایران کو منع کیا ہے کہ وہ ملک میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی قونصلیٹ قائم نہ کرے۔

اطلاعات کے مطابق ایران نے مزار شریف' صوبہ فریاب اور نیمروز میں اپنے مشن قائم کرنے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔

ڈان کراچی (12.7.92) نے خبر دی ہے کہ افغانستان کی شیعہ اقلیت (جس نے کابل کے 1/3 حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے) نے اپنی دھمکی پھر دہرائی ہے کہ اگر اس کو حکومت میں پورا حصہ نہ ملا تو وہ نئی حکومت میں شامل نہیں ہو گی۔

سیاسی تبصرہ نگاروں کا خیال ہے کہ یہ دھمکی وحدت پارٹی کی افغانستان میں اپنی کسی مقبولیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس فوجی اور اقتصادی امداد کے سبب ہے جو اس کو ایران کی طرف سے حاصل ہو رہی ہے۔

جماعت اسلامی والوں کا کہنا ہے کہ افغانستان کی اندرونی سلامتی کا معاملہ کسی ایسے گروہ کے سپرد نہیں کیا جا سکتا جس کے کسی غیر ملکی طاقت کے ساتھ اتنے گہرے روابط ہوں۔

اخبار نے بتایا کہ ہرات اور مزار شریف کے ارد گرد کے علاقے جہاں شیعہ اکثریت ہے اور جہاں ایران نے اپنے نمائندہ مشن کھول رکھے ہیں' کابل انتظامیہ کے زیر اثر نہیں ہیں بلکہ تقریباً" آزاد ہیں۔

ایران کے نیم سرکاری اخبار تہران ٹائمز (12.7.92) نے اپنے اداریے میں لکھا کہ نئے وزیر اعظم حکمت یار کی پارٹی پاکستان کی آئی ایس آئی کے زیر اثر

ہے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ حزب اسلامی کے فوجی مشیر آئی ایس آئی کے رکن ہیں۔

اخبار نے مزید لکھا ہے کہ کچھ سیاسی مبصروں کا خیال ہے کہ حکمت یار کے دوسرے مجاہدین سے اب تک کے اختلاف کی وجہ آئی ایس آئی اور پاکستان کی کابینہ کے درمیان نااتفاقی تھی۔ چونکہ پاکستان کی کابینہ کے ارکان حکمت یار کو کوئی با اختیار عہدہ دینے کے خلاف تھے۔

ریڈیو ماسکو نے بیروت کے روز نامہ الحیات کے حوالے سے 13.7.92 کو بتایا کہ افغانی لیڈر افغانستان کے اندرونی معاملات میں ایران کی بڑھتی ہوئی مداخلت سے پریشان نظر آ رہے ہیں۔

واضح رہے کہ ایران نے افغانستان کے کئی ایسے صوبوں کے ساتھ کابل سے پوچھے بغیر براہ راست معاہدے کئے ہیں جہاں شیعہ اکثریت میں ہیں۔ ایک سرکاری افسر نے الحیات کو بتایا کہ ایران کی طرف سے یہ اقدام افغانستان کی حاکمیت کے خلاف کھلی جارحیت ہے۔

ایران کے نیم سرکاری اخبار تہران ٹائمز (5.8.92) نے اپنے اداریے میں لکھا کہ یونس خالص ان لوگوں میں سے نہیں جو آج کل کے حالات کے ساتھ چل سکے۔ وہ ایک رجعت پسند لیڈر ہے جس کا ذہنی معیار قرون وسطی کے لوگوں جیسا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس قسم کے رجعت پسند اور تنگ نظر لوگوں کو آئی ایس آئی کی حمایت حاصل ہے چنانچہ پاکستان کے سیاسی لیڈروں کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے لوگوں کی حمایت سے جن کے ذہنوں میں اسلام کا تصور مسخ ہو چکا ہو صرف دشمنان اسلام کو ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

تہران ٹائمز نے ایک اداریے میں 16.8.92 کو پاکستانی وزیراعظم سے سوال کیا کہ "وہ راکٹ جن سے کابل کے نہتے شہری ہلاک ہو رہے ہیں' حکمت یار کو کہاں سے حاصل ہوتے ہیں؟ اور وہ کون سی غیر ملکی طاقت ہے جو حکمت یار میں ہٹ دھرمی کے لئے جرات پیدا کر رہی ہے؟"

اخبار نے لکھا کہ پاکستان میں ایسے اداروں جہاں فیصلے کئے جاتے ہیں میں

صحیح سوچ کی کمی ہے اسی وجہ سے اس کی حکمت عملی نہ صرف افغانستان میں بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی تضاد کا شکار ہے۔ ایک طرف تو نواز شریف افغانستان، ازبکستان اور پاکستان کے لیڈروں کی سربراہی کانفرنس بلانے کی کوشش کر رہے ہیں تو دوسری طرف حکمت یار کابل پر راکٹوں سے حملے کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی آئی ایس آئی سے نزدیکی رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی فوج کو صرف افغانستان کی صورت حال کو غیر مستحکم رکھنے میں دلچسپی ہے اگر پاکستانی فوجی لیڈر اپنے قومی اتحاد کو ترجیح دیں تو وہ بلا شک و شبہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اگر کوئی ملک افغانستان کو دوسرا لبنان بنانے کی کوشش کرے گا تو سب سے زیادہ نقصان خود اسی کا ہو گا۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی نے افغان وزیراعظم عبدالصبور فرید (جو حکمت یار کا نامزد کردہ ہے) کی تہران آمد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا (12.8.92) کہ تہران افغانی صدر کی بجائے ایک ایسے بن بلائے مہمان کی میزبانی کر رہا ہے جو حکمت یار کا آدمی ہے۔

اخبار نے اپنی وزارت خارجہ سے سوال کیا کہ اس وقت جب حکمت یار کابل پر راکٹوں کی بارش کر رہا ہے کیا ضروری تھا کہ فرید کو تہران میں بلا کر خوش آمدید کہا جائے۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ اس کو شریفانہ طور پر کہہ دیا جاتا کہ تہران اس کا استقبال کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ایران کے ایک خفیہ اسٹیشن کروستان ریڈیو نے 19.7.92 کو افغانستان کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایران کی ملا حکومت نے مجاہدین کی صفوں میں اپنے نمائندے شامل کئے ہوئے ہیں تاکہ ان کے ذریعے [illegible] کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر سکے۔

ریڈیو نے کہا کہ ایرانی جاسوسی اداروں کے [illegible] افغانستان کے مختلف علاقوں میں ایران کے مفاد [illegible] رہے ہیں اور ایران اس ملک میں اپنی [illegible] جیسے افغانستان ایران کا ہی حصہ ہو اور اس کے [illegible] ریڈیو نے کہا کہ ایرانی ملا [illegible]

سرپرست سمجھتے ہیں اور وثوق سے کہتے ہیں کہ تمام اسلامی ملکوں نے اپنے شہریوں خصوصاً" شیعوں کے حقوق غصب کر رکھے ہیں۔ چنانچہ ان ملکوں میں ایران کے نمائندے شرانگیزی اور فتنہ پردازی کو اکسانا اور شہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

ریڈیو نے مزید کہا کہ ایرانی ملا حکومت اپنی فتنہ پرداز خصلت کی روشنی میں دوسرے اسلامی ملکوں میں افراتفری اور انتشار پھیلائے بغیر اپنے وجود کو زندہ نہیں رکھ سکتی۔

ریڈیو نے آخر میں کہا کہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ملاؤں کی اس حکومت کے مقاصد، اس کے طرز فکر اور عمل کا بغور جائزہ لیں اور سنجیدگی اور فیصلہ کن طریقے سے اس کا سد باب کریں۔ وگرنہ یہ رجعت پسند اور تخریب کار حکومت اپنے ہمسایہ اور دوسرے اسلامی ملکوں کی شیعہ آبادی کی مدد سے وہاں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کے لئے اور زیادہ سرکش اور بے لگام ہو جائے گی۔

انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز نے اپنے اداریے میں 18.8.92 کو لکھا کہ افغانستان میں موجودہ بگڑتی ہوئی صورت حال غیر ملکی فوجی مداخلت کا جواز پیش کر رہی ہے۔

تہران کے ایک فارسی اخبار سلام نے 26.8.92 کو لکھا کہ ایک خاص غیر ملکی طاقت (پاکستان کی طرف اشارہ) افغانستان میں ایک عظیم کردار ادا کرنے کے لئے پختونوں کی حمایت کر رہی ہے اس لئے افغانستان کا مسئلہ جلد حل ہوتا [illegible]

[illegible] ایک فارسی اخبار جمہوریہ اسلامی نے 30.8.92 کو لکھا کہ اب [illegible] میں [illegible] اور پنجے بھی شامل ہیں، حکمت یار کے [illegible] نے اب حکمت یار کی حمایت سے ہاتھ [illegible] بے شمار اسلحہ پاکستان کے راستے [illegible] شہروں کے خلاف استعمال ہو رہا

اخبار نے لکھا کہ افغانستان کے لوگ کبھی نہیں بھول سکتے کہ وہ ہتھیار جو کمیونسٹ حکومت کے خلاف استعمال نہیں ہوئے اب افغانی لوگوں کا خون بہانے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔

ریڈیو تہران نے بتایا (30.8.92) کہ ایران کا ایک ٹرانسپورٹ طیارہ دوائیں اور ضروریات کی دیگر چیزیں لے کر مزار شریف پہنچا ہے' اس سے ایک 12 رکنی میڈیکل ٹیم بھی آئی ہے جو زخمیوں کا علاج کرے گی۔

ریڈیو تہران نے 8.9.92 کو بتایا کہ کابل کے جنوب میں ایک ایرانی ہسپتال نے کام شروع کر دیا ہے۔

ریڈیو تہران نے 24.9.92 کو حزب وحدت کے حکومت میں شامل ہونے کی خبر دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس پارٹی کو تین وزارتیں دی جائیں گی اور کابل یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ بھی اس کو ملے گا۔

ریڈیو تہران (27.9.92) کے مطابق پروفیسر صدر ربانی نے تہران پہنچنے پر افغان مجاہدین کو 14 سال تک امداد دینے پر ایران کی بہت تعریف کی اور امید ظاہر کی کہ ایران مستقبل میں بھی افغانستان کی تعمیر نو کے لئے امداد جاری رکھے گا۔

ریڈیو تہران نے 29.9.92 کو بتایا کہ ایران اور افغانستان کے درمیان اقتصادیات' تجارت' تعلیم' اور ٹرانسپورٹ کے شعبوں میں قریبی تعاون کے لئے چار معاہدوں پر دستخط ہوئے ہیں۔ ایران افغانستان کی دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے 50 ملین ڈالر کی گرانٹ بھی دے گا۔

ریڈیو تہران (29.9.92) کے مطابق صدر ربانی نے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں چند حلقے ایسی کاروائیوں میں مصروف ہیں جس کا مقصد کابل حکومت کو کمزور کرنا ہے۔

تہران کے فارسی روز نامہ سلام (28.9.92) نے اپنے اداریہ میں صدر ربانی سے کہا ہے کہ وہ افغانستان کے اقتصادی اور سیاسی بحران کو حل کرنے کے لئے ایران کے مثبت اور تعمیری کردار سے فائدہ اٹھائیں۔

اخبار نے دعوی کیا کہ پاکستانی اور سعودی حکومتوں کے کچھ حلقے اپنے

کارندوں کے ذریعے افغانستان میں اپنی بالا دستی مسلط کرنے کے لئے مسلسل کوششیں کر رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ اب پاکستان میں اس کے اپنے گھریلو حلقے حزب اسلامی کو مسلح کرنے کی اسلام آباد کی حکمت عملی پر نکتہ چینی کر رہے ہیں اور اطلاعات کے مطابق پاکستانی حکومت نے حکمت یار کی حمایت ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ریڈیو تہران (30.9.92) کے مطابق صدر ربانی کا بیان ہے کہ اس وقت حزب وحدت افغان حکومت کا ایک مضبوط بازو ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکمت یار پارٹی کا جس نے ملک میں بے شمار جرائم کیے اور اندرونی خلفشار پیدا کیا' حکومت میں کوئی کردار نہیں ہے۔

انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (30.9.92) نے بتایا کہ جب سے سعودی حکومت نے ربانی حکومت کی حمایت کے لئے اپنی حکمت عملی تبدیل کی ہے اس سے حکمت یار کے ساتھ تعلقات میں مزید سرد مہری پیدا ہو گئی ہے۔ مجاہدین حلقوں کے مطابق اس تبدیلی سے حکمت یار سخت غصے میں ہیں۔

انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (14.10.92) نے خبر دی ہے کہ حکمت یار نے پاکستان پر الزام لگایا ہے کہ وہ اس کے سیاسی حریف جنرل دوستم کی حمایت کر رہا ہے' انہوں نے سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایران اور پاکستان دونوں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔

اخبار نے بتایا کہ حکمت یار نے جس کے کابل پر حملوں سے دو ہزار سے زیادہ لوگ مارے جا چکے ہیں' بتایا کہ پاکستان نے ربانی حکومت اور دوستم سے بات چیت کے لئے ان کو دعوت دی تھی لیکن انہوں نے یہ دعوت قبول نہیں کی تھی۔

ریڈیو تہران (15.10.92) کے مطابق قم کے ایک شیعہ لیڈر آیت اللہ فاضل لنترانی نے کہا ہے کہ افغانستان میں وہابی فرقہ کی تشہیر کیمونزم سے زیادہ خطر ناک ہے۔

مشرق وسطی کی خبر رساں ایجنسی (MENA) کے سیاسی نمائندے سمیع عباس

نے خبر دی ہے (13.12.92) کہ ایران نے سینکڑوں افغان مجاہدین کو دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت دی ہے۔

اس نے خبر دی کہ ایران کی یہ سرگرمی افغان مجاہدین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ جہاد کے نام پر عرب اور دوسرے اسلامی ملکوں کے بنیاد پرستوں کو بھی اپنے تخریب کاری کے مراکز میں تربیت دے رہا ہے۔

ریڈیو تہران (2.1.93) کے مطابق ہرات میں ایران کے تیسرے طبی مرکز نے کام شروع کر دیا ہے۔

بیروت میں شائع ہونے والے (2.1.93) اخباروں کے مطابق ایرانی حکومت نے افغانستان اور وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں میں اپنا اثرو رسوخ بڑھانے کے لئے ایک نئی حکمت عملی تیار کی ہے' اس منصوبہ پر عمل کرنے کے لئے ایرانی حکمران ایران میں مقیم افغان مجاہدین کو استعمال کریں گے۔

اطلاعات کے مطابق ایران کی وزارت اطلاعات کو ہزاروں افغانی مجاہدین کی دماغ شوئی (Brain Wash) کا کام سونپا گیا ہے۔ اطلاعات میں کہا گیا ہے کہ تقریباً" نو ہزار عرب بھی قم اور مشہدمیں ایرانی پاسداران انقلاب کے زیر نگرانی تخریب کاری کی خاص تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

بی بی سی نے 8.1.93 کو بتایا کہ ایران کے نائب وزیر خارجہ بروجردی کابل میں پچھلے کئی دنوں سے کوشش کر رہے ہیں کہ افغان حکومت شیعہ مطالبات کو منظور کر لے۔

بی بی سی نے بتایا کہ بروجردی ربانی کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حزب وحدت کو کچھ اہم وزارتیں' مثلاً" وزارت داخلہ یا وزارت خارجہ' دے دی جائیں۔

بی بی سی نے بتایا کہ ایران کا مفاد اسی میں ہے کہ ربانی حکومت برقرار رہے کیونکہ وہ تاجک حکومت کو پشتون حکومت پر ترجیح دیتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ ایران یہ بھی چاہتا ہے کہ افغانستان میں اس کی شیعہ برادری اپنے پورے حقوق حاصل کر لے۔

تہران کے روز نامہ جمہوری اسلامی (29.1.93) نے لکھا کہ غیر ملکی طاقتیں

(یعنی پاکستان وغیرہ) جو کبھی افغانستان سے دوستی کا دعویٰ کرتی تھیں آج ان گروہوں کی طرفداری کر رہی ہیں جو اس ملک میں دھڑلے سے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ شیطانی طاقتیں اور ان کے علاقائی گماشتے (پاکستان کی طرف اشارہ) پچھلے کئی سالوں سے افغانستان میں ہتھیاروں کا ایک سیلاب لا رہے ہیں تاکہ اپنی کٹھ پتلیوں کی ساکھ مضبوط کر سکیں جس کی آج افغانی لوگوں کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔

ایک دوسرے فارسی روز نامہ ابرار (29.1.93) نے لکھا کہ افغانستان میں خانہ جنگی اس وقت ختم ہو سکتی ہے جب مغرب اور اس کے علاقائی شریک کار افغانی توسیع پسندوں کو فوجی امداد دینا بند کر دیں۔ دراصل بعض طاقتیں اس کوشش میں ہیں کہ ایک خاص گروہ کو افغانستان میں حکمرانی کے لئے منتخب کیا جائے جس کے ذریعہ سعودی ڈالر ڈپلومیسی افغانستان کے راستے وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں میں داخل ہو سکے۔

بی بی سی کے نمائندے نے تہران سے خبر دی ہے (15.2.92) کہ افغانستان میں ایران کی سمجھوتے کی کوششیں اس وجہ سے کامیاب نہیں ہو رہیں کہ اس کے مقامی شیعہ گروہوں کے ساتھ خاص تعلقات ہیں۔

نمائندے نے کہا کہ پچھلے چند مہینوں سے ایران شمالی علاقوں کے فوجی سربراہ دوستم سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ شمالی افغانستان کے راستے تاجکستان (جہاں کی زبان فارسی ہے) تک خشکی کے راستے رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ریڈیو تہران کے مطابق (10.3.93) ایران کے نائب وزیر خارجہ بروجردی نے کہا کہ جب تک معاہدہ اسلام آباد کی مشکوک شقوں کو واضح نہیں کیا جاتا افغانستان میں لڑائی کا امکان باقی رہے گا۔ انہوں نے شیعہ گروہوں کی کابینہ میں شمولیت کے متعلق کہا کہ دو شیعہ گروہوں کو تین تین وزارتیں ملیں گی اور ان میں ایک کلیدی وزارت ہو گی۔ دوسرے شیعہ گروہوں کو دو دو وزارتیں ملیں گی۔

ریڈیو تہران نے اپنے تبصرے مورخہ 11.3.93 میں کہا کہ پشاور اور اسلام آباد کے معاہدوں کا صرف ایک بنیادی مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے حکمت یار کو سیاسی میدان میں آگے لانا۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (فروری 93) کے مطابق افغانستان کے موجودہ حالات نے ایران کو پریشان کر رکھا ہے اور اس کی سمجھوتے کی کوششیں اب تک بے نتیجہ رہی ہیں۔ اخبار نے لکھا کہ تہران پہنچنے والی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ افغانستان میں فوجی مداخلت کے لئے پاکستان میں تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس وقت پاک۔ افغان سرحد پر پاکستانی اور امریکن کمانڈوز کو حملہ کرنے کی خاص تربیت دی جا رہی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ایرانی حکمرانوں کو ڈر ہے کہ پاکستان، سعودی عرب اور امریکہ ایک خفیہ سمجھوتے کے تحت افغانستان میں فوجی مداخلت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

افغانستان کے مجاہد لیڈروں نے صدر رفسنجانی کی اس تجویز کی مخالفت کی ہے جس کے تحت ایران اس ملک میں امن قائم کرنے کی غرض سے اپنی فوج بھیجنے کو تیار ہے۔

VOA (14.3.93) نے بتایا کہ مولوی یونس خالص شیعہ اقلیت کو حکومت میں شامل کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ انہوں نے کہا افغانستان میں تمام قانون سنی (حنفی) عقیدے کے مطابق بننے چاہئیں۔

ارنا (IRNA) نے بتایا کہ ہرات کے صوبہ کا گورنر جنرل اسماعیل خان اپنے علاقے کی تعمیر نو سے متعلق بات چیت کے لئے ایران پہنچ گیا ہے۔

ہرات میں ایران کے نمائندے طاہریان نے بتایا کہ ایران کے 50 ملین ڈالر کے قرضے کا ایک حصہ ہرات اور ایرانی قصبہ دگان کے درمیان سڑک کی تعمیر پر خرچ کیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ ایرانی حکومت نے ہرات اور مشہد کے درمیان فضائی سروس کی تیاریاں بھی مکمل کر لی ہیں۔

ریڈیو کابل نے بتایا (21.3.93) کہ ایران کے نائب وزیر خارجہ بروجردی جنرل دوستم کی دعوت پر مزار شریف پہنچ گئے ہیں۔ بروجردی نے امید ظاہر کی کہ

افغان حکومت ان عناصر کو سزا دے گی جنہوں نے اس علاقے میں شیعہ آبادی کے گھر جلائے اور لوٹے تھے۔ جنرل دوستم نے کہا کہ اقلیتوں کو ان کے حقوق دیئے بغیر افغانستان میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

ایرانی امور کے ایک جرمن ماہر میکائیل پوہلی نے جو برلن کی آزاد یونیورسٹی میں ایران پر لیکچر دیتے ہیں' ایک مضمون میں لکھا ہے: (اقتباسات)

"ایران کا کے جی بی (KGB) پر انحصار: افغانستان پر روس کے حملے کے شروع میں ایران۔ عراق جنگ نے ایران کے انقلابی خبطیوں کو اپنے افغانی شیعہ بھائیوں کی مدد سے روکے رکھا۔ اس لئے کہ خمینی کی حکومت ان دنوں کے جی بی پر زیادہ انحصار کر رہی تھی۔ روسی سلطنت کے سقوط پر بھی ایرانی زیادہ پر جوش نہیں تھے کیونکہ اس لئے کہ ان کے شیطان کبیر کا مقابلہ کرنے والا ختم ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ کیمونزم کے خلاف جدوجہد کے لئے زیادہ فکر مند نہ تھے۔ چنانچہ افغانستان کے شیعہ بھی جو قومی جذبے سے سرشار تھے' خمینی کو اپنا رہبر ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔

"جنگ کے اندر جنگ: ہزارہ جات کو بے پناہ ایرانی اسلحہ کی ترسیل سے خمینی حکومت کو ان علاقوں میں بالا دستی حاصل ہو گئی۔ بظاہرایسا لگ رہا تھا کہ یہ جنگ روسی حملہ آوروں اور مسلمان باغیوں کے درمیان ہو رہی ہے لیکن یہ دراصل جنگ کے اندر ایک جنگ تھی جو شیعوں اور سنیوں کے مابین ہو رہی تھی"۔

سنیوں کے لئے بھی حالات کچھ مختلف نہ تھے۔ ان کو بھی سعودی عرب اور پاکستان کی طرف سے مدد مل رہی تھی۔

"افغانستان میں ایرانی پاسداران کا نفوذ: پاسداران انقلاب نے (جو افغانستان میں ایران سے داخل ہوئے) خمینی کے عقائد پھیلانے اور عام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن ہزارہ جات میں رہنے والے بعض شیعوں کے مطابق وہاں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جس نے ایران سے وابستگی کی قسم کھائی ہو۔ لیکن انفرادی طور پر کچھ ایسے لوگ ضرور ہیں جو خمینی اور حکومت ایران کے مقاصد کی پیروی کرتے ہیں لیکن دراصل یہ سب پہلے اپنے لوگوں کے مفاد کو

دیکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہزارہ کے شیعہ ایران کی سرحد کے قریب نہیں رہتے بلکہ افغانستان کے وسطی علاقوں میں آباد ہیں۔ اس وجہ سے یہ ایران کے ساتھ مل کر ایک الگ ریاست نہیں بنا سکتے تاوقتیکہ افغانستان ٹکڑوں میں نہیں بٹ جاتا اور اس صورت میں افغان ازبک ازبکستان کے ساتھ ' تاجک تاجکستان کے ساتھ ' پشتون پاکستان کے پشتون حصہ کے ساتھ اور بلوچی پاکستانی بلوچستان کے ساتھ مل سکتے ہیں۔ اس وقت بھی ہزارہ جات تنہا رہنے کو ترجیح دیں گے۔

ہزارہ جات کی خصوصیات ایران سے پوشیدہ نہیں۔ سالہا سال انہوں نے ان پس ماندہ منگول لوگوں کو رشوت اور دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔

"حزب وحدت : پاکستان میں افغانستان کی سات مزاحمتی پارٹیوں کے اتحاد کے جواب میں ایران نے تہران میں شیعوں کی آٹھ پارٹیوں کا اتحاد قائم کیا۔

تہران میں اس اتحاد کو "حزب وحدت" کا نام دیا گیا جس نے فورا" اتحاد اسلامی (سعودی عرب کی حامی) سے لڑنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کابل کے تین چوتھائی حصہ پر قبضہ کر لیا ۔ اس طرح سعودی عرب نے شروع شروع میں ایران کے مقابلے میں ہزیمت اٹھائی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے تہران اپنا کھیل ریاض کے مقابلے میں زیادہ ہوشیاری سے کھیل رہا ہے۔ بظاہر پاکستان نے بھی اپنے سابقہ شاگرد حکمت یار میں دلچسپی کھو دی ہے۔

پاکستان سمجھتا ہے کہ افغانستان کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک وہاں عبوری صدر تاحیات صدر بنے رہنے کی کوششیں جاری رکھیں گے۔

ادھر افغانستان کے کچھ علاقوں میں کیمیونسٹ عناصر دوبارہ فعال ہو رہے ہیں۔ سابقہ کیمیونسٹ صدر ببرک کارمل ملک میں پھر واپس آ گیا ہے۔ اور مزار شریف میں رہائش پذیر ہے۔

ان تمام تبدیلیوں سے نتیجتا" ایران کو فائدہ پہنچ رہا ہے"۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (مارچ 93) نے لکھا کہ تہران میں بعض حلقے افغانستان میں ایران کی حکمت عملی سے ناراض ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایران سعودی عرب کے دباؤ کے نتیجے میں اس کے لئے میدان کھلا چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا ہے۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی کے اداریے کا حوالہ دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے "سعودی عرب کے بھاڑے کے ٹٹو وہابیوں کا مقصد شیعوں کو منظر سے ہٹانا ہے ...... شیعہ حیران ہیں کہ ربانی حکومت آخر ان کے خلاف کاروائی کیوں نہیں کرتی"۔

اخبار مزید لکھتا ہے کہ تہران میں کچھ سیاسی حلقے جو ایران کی پاکستان اور سعودی عرب کے ساتھ تعاون کے خلاف ہیں' کہتے ہیں کہ اگر ایران شیعوں اور ان کے اتحادی جنرل دوستم کی حمایت میں کوئی سخت رویہ اختیار کرتا تو ربانی اور پاکستان سعودی عرب کی طرف نہ جھکتے۔

اخبار نے مزید لکھا کہ تعجب ہے کہ افغان مسئلہ پر بات چیت کا محل وقوعہ اچانک تہران سے اسلام آباد تبدیل ہو گیا اور ایران کی وزارت خارجہ اسلام آباد کے فیصلوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئی .... شیعوں نے ایران کے کہنے پر اسلام آباد میٹنگ میں شرکت کی لیکن وہ کوئی مراعات حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اخبار نے لکھا کہ اسلام آباد معاہدہ سے افغانستان میں صرف سعودی عرب کا اثرو رسوخ بڑھے گا۔ بشرطیکہ یہ معاہدہ ہی ناکام نہ ہو جائے۔

ایران کے شیعہ لیڈر محقق نے تہران کے فارسی روز نامہ سلام (25.2.93) کو بتایا : "اگر ایران واقعی مظلوموں کی مدد کرنا چاہتا ہے تو وہ ازبکوں اور شیعوں کی حمایت کرے"۔ اس نے بتایا کہ شمالی افغانستان میں پہلے ہی جنرل دوستم کی حمایت سے ایک حکومت بنی ہوئی ہے جسے ایران نے بھی تقریبا" تسلیم کیا ہوا ہے۔

تہران کے ایک اور فارسی روز نامہ رسالات (14.3.93) نے کہا کہ اسلام

آباد کانفرنس نے شیعوں کے مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ...... شیعوں کو کسی صورت بھی اسلام آباد معاہدے کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔

اخبار نے لکھا : معاہدے کے فوراً" بعد اسلام آباد کانفرنس کے رکن زیارتوں کے بہانے سعودی عرب چلے گئے اور معاہدہ پر سعودی بادشاہ کی مہر لگوانے کے بعد رسماً" تہران آئے۔

بغداد کے اخبار القدسیہ (18.2.93) نے خبردار کیا کہ وسطی ایشیا کی سابقہ روسی ریاستوں سے فالتو ہتھیار افغانستان میں ایران سے تعلق رکھنے والے مختلف گروہوں کے ہاتھوں میں آ رہے ہیں۔

کابل سے ایرانی خبر رساں ایجنسی ارنا نے خبر دی ہے (2.4.93) کہ ایرانی نائب وزیر خارجہ بروجردی کی کابل میں ایک مہینہ سے زیادہ کی متواتر کوششوں سے حزب وحدت اور عبوری حکومت میں معاہدہ طے پا گیا ہے۔

بروجردی نے بتایا کہ حزب وحدت کو تین وزارتیں ملیں گیں جن میں سے ایک وزارت کلیدی ہو گی۔

تہران کے فارسی روزنامہ جمہوری اسلامی (12.4.93) نے بتایا کہ جنرل دوستم جس کو افغان شیعوں کی عام حمایت حاصل ہے' کو جلدی ہی ایران کی مدد سے حکومت میں اہم جگہ حاصل ہو جائے گی۔ اخبار نے بتایا کہ اب تک ایران نے اپنی توجہ صرف شیعوں کو اقتصادی امداد دینے پر مرکوز کر رکھی تھی۔

اخبار نے لکھا کہ ایران نے ہرات کے صوبہ کی ترقی کے لئے مدد دینے پر بھی رضا مندی ظاہر کر دی ہے۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (مئی 93) نے بتایا کہ افغانستان کے متعلق ایران کی حکمت عملی تذبذب کا شکار ہو گئی ہے کیونکہ اس کی طرفدار شیعہ پارٹیوں نے اپنا رویہ بدل لیا ہے اور حکمت یار سے مل گئی ہیں۔

اخبار نے بتایا کہ جنرل دوستم کی فوجیں بھی شیعہ پارٹی حرکت اسلامی کے خلاف احمد شاہ مسعود کی مدد کر رہی ہیں۔

بی بی سی (11.6.93) کے مطابق افغانستان کی سلامتی کے نگران جنرل فہیم نے اس کے نمائندے کو بتایا کہ حکومت ایران اپنے انقلاب کی کامیابی کے

فوراً" بعد ہی سے اپنا انقلاب دوسرے اسلامی ملکوں کو برآمد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

جنرل فہیم نے بتایا کہ افغان قوم کی روس اور کیمونزم کے خلاف جنگ ختم ہوتے ہی ایران نے افغانستان کی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی ہے۔اس نے شیعوں کو فعال بنانے اور ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانے کے لئے بے انتہا کوششیں کی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ایرانی حکومت نے تقریباً" نو شیعہ گروپ متعارف کرائے اور ان کو دوسرے مجاہد گروہوں کے خلاف متحد کرنے اور مضبوط بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہوں نے کابل میں حزب وحدت کو ہر طرح کی مادی' سیاسی اور فوجی امداد دی اور ایران کی اس کاروائی میں کابل کا ایرانی سفارت خانہ مکمل طور پر برابر کا شریک رہا ہے۔

ریڈیو تہران نے (28.9.93) کو بتایا کہ شیعوں نے افغانستان کے مجوزہ آئین کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ اس کے تحت ان کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

حزب وحدت کے لیڈر عبدالعلی مزاری نے سوال کیا : "کیا حنفی فقہ سرکاری طور پر منظور کرنے کے بعد وہ اپنی یہ فقہ ہمارے اوپر مسلط کرنا چاہتے ہیں؟"

اے ایف پی (A.F.P) نے کابل سے خبر دی ہے (16.11.93) کہ ایک ہزار سے زائد شیعہ کمانڈوز جو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں بامیاں پہنچ گئے ہیں۔ یہ کمانڈوز سو سے زیادہ ٹرکوں میں ایک قافلے کی صورت میں کابل پہنچے۔ یہ ٹرک خمینی اور مزاری کی تصویروں سے سجے ہوئے تھے۔

روز نامہ نوائے وقت راولپنڈی (4.10.94) کے مطابق روس کی خفیہ تنظیم (KGB) کے سربراہ نے ایران پر الزام لگایا ہے کہ وہ وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں ازبکستان' تاجکستان اور افغانستان کے فارسی بولنے والے علاقوں پر مشتمل ایک "پرشین سٹیٹ" قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ ایران اس منصوبے پر

عمل درآمد کے لئے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے....... انہوں نے کہا کہ ایران اپنے اس منصوبے کی کامیابی تک افغانستان ، تاجکستان اور ازبکستان کے درمیان امن قائم نہیں ہونے دے گا۔

روز نامہ نوائے وقت (22.2.95) نے اپنے اداریے میں لکھا : ایران نے پاکستان کو وارننگ دی ہے کہ اگر طالبان نے کابل میں شیعہ مسلمانوں پر حملہ کیا تو یہ بہت بری بات ہو گی۔

اخبار نے کہا کہ حکومت پاکستان کئی بار وضاحت کر چکی ہے کہ طالبان تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے' اس لئے طالبان کے معاملے میں ایران کی طرف سے پاکستان کو وارننگ قابل فہم بات نہیں ہے........ علاوہ ازیں انقلاب کے بعد اقتدار میں آنے والی ایرانی حکومت چونکہ خود کو تمام مسلمانوں کی نمائندہ حکومت قرار دیتی ہے اور شیعہ سنی تفریق کی قائل نہیں ہے' اس لئے یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ ایران نے شیعہ مسلمانوں کے مفاد کی بات کیسے کی ہے۔ اس سے پہلے جنیوا معاہدے کے موقعہ پر بھی ایران نے شیعہ مسلمانوں کے مفاد کی بات کی تھی۔

اخبار نے ایرانی حکومت سے گزارش کی کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق شیعہ سنی کی تفریق ملحوظ نہ رکھے اور افغانستان کے مجموعی مفاد کی بات کرے۔

نوائے وقت راولپنڈی (16.10.95) کے مطابق ہرات میں طالبان کی جانب سے ایرانی مداخلت کا الزام لگایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہرات پر قبضہ کے دوران بھاگ کر ایران جانے والے کمانڈر اسماعیل خان گزشتہ شب ایران سے ہرات میں داخل ہوئے تاکہ اسلام قلعہ پر قبضہ کر سکیں۔ تاہم طالبان کے دعوے کے مطابق انہیں مار بھگایا گیا ہے۔

نوائے وقت راولپنڈی (18.10.95) نے اطلاع دی ہے کہ پشاور میں مقیم طالبان کے ترجمان نے دعوی کیا ہے کہ ہرات میں اسلام قلعہ کے علاقے سے ربانی حکومت کی فوجیں شکست کھانے کے بعد بڑی تعداد میں اسلحہ اور گولہ بارود کے علاوہ گاڑیاں بھی چھوڑ گئی ہیں جن پر ایرانی نمبر پلیٹیں لگی ہوئی ہیں اور اسلام قلعہ میں پکڑا جانے والا اسلحہ بھی ایرانی ساخت کا ہے۔

نوائے وقت راولپنڈی (25.10.95) کے خصوصی نمائندے نے پشاور سے اطلاع دی کہ بھارت نے افغانستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کے لئے نئی حکمت عملی اپنائی ہے جس کے تحت بھارت نے اپنے بعض عسکری اور فنی ماہرین کو ایران بھیج دیا ہے۔ وہ اپنی اس حکمت عملی کے تحت ایران کی سرزمین کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ سفارتی ذرائع اس ضمن میں حال ہی میں ہرات پر ایران کی سرزمین سے ہونے والے حملوں کو بطور حوالہ پیش کر رہے ہیں۔ طالبان بھی بھارتی فوجی ماہرین اور ٹیکنیکی عملے کی ایران میں موجودگی کی طرف نشان دہی کر چکے ہیں۔ چند روز بیشتر انہوں نے ایران پر افغانستان کے معاملات میں مداخلت کا الزام بھی عائد کیا تھا........ طالبان کے ترجمان ملا معصوم افغانی کا دعوی ہے کہ بھارت نے ربانی کی امداد کے لئے 82 طیارے اور 75 ہیلی کاپٹر ایران کے راستے فراہم کئے ہیں۔

نوائے وقت ۔ راولپنڈی (18.11.95) نے اپنے ایک اور اداریے میں لکھا کہ ایران ربانی کی موجودہ حکومت کو قانونی اور جائز حکومت تصور کرتا ہے جب کہ پاکستان کہتا ہے کہ جن دو سمجھوتوں کے تحت ربانی نے اقتدار سنبھالا تھا ان کے مطابق ربانی کی معیاد ختم ہو گئی ہے۔ دراصل ایران کے بعض تقاضے پاکستان کے مفادات سے ٹکراتے ہیں........ ایران جب یہ چاہتا ہے کہ کابل میں کوئی ایران دشمن حکومت نہ آئے تو اس کو بھی کابل میں کسی ایسی حکومت کی حمایت نہیں کرنی چاہیے جو پاکستان دشمن پالیسی پر کاربند ہو۔

ایران اور ترکی

شاہ کے زمانے میں ایران کے سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے والی درسی کتابوں میں ترکوں کو متعصب سنی مسلمان بیان کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ عثمانی سلاطین نے شاہ اسمٰعیل صفوی کے دور میں ایران پر بار بار حملے کئے اور ہزاروں شیعوں کا قتل عام کیا۔

در اصل ترک ایران تعلقات میں کبھی بھی گرم جوشی نہیں رہی۔ عثمانی سلطان سلیم اول نے مکہ مکرمہ پر تسلط قائم کرنے کے بعد جب دنیائے اسلام کے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا تو ایران کے شاہ اسمٰعیل صفوی نے فوراً" شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم سنی خلیفہ سلیم اول کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے شیعہ ہونے کو ترجیح دیں گے۔

رضا شاہ کے زمانے میں سرکاری طبقہ اور پڑھے لکھے ایرانی خاص طور پر تہران میں رہنے والے لوگ ایران کو مغرب کا ایک حصہ اور خود کو یورپین سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کا زیادہ لین دین اور تجارت یورپ کے ساتھ تھی اور یہ شاید ان کی بدقسمتی تھی کہ ان کے یورپ آنے جانے کے لئے راستے میں ترکی حائل تھا اور جبکہ ترکی کے ساتھ ان کی کسی قسم کی بھی کوئی تجارت نہ تھی۔

11 جنوری 1976 میں جب حکومت ترکی نے ایرانی ٹرکوں اور دوسرے حمل و نقل کے ذرائع پر راہ داری ٹیکس لگا دیا تو ایرانی ذرائع ابلاغ اور تجارت پیشہ طبقہ نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور دھمکی دی کہ اگر ترکی نے یہ ٹیکس واپس نہ لیا تو وہ متبادل راستے (یعنی عراق، شام یا روس کی سڑکیں) اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

آر سی ڈی (RCD) میں کام کرنے والے ترکی کے ایک شریک کار ذریعہ نے بتایا کہ ایران نے مشرقی یورپ کے تقریباً" ہر ملک سے حمل و نقل اور عبوری تجارت کے معاہدے کر رکھے ہیں جبکہ ترکی کو اس معاملے میں بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

بعد کی اطلاعات سے یہ بھی پتا چلا کہ ایران مشرقی یورپ کے ممالک پر بھی زور دے رہا ہے کہ وہ اپنے راستوں سے گزرنے والے ترکی کے ٹرکوں اور دوسرے نقل و حمل کے ذرائع پر ٹیکس عائد کر دیں۔

ایران کی ناراضگی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ 1976 کے اوائل میں روس نے اپنی جنگی مشقوں میں (جو وہ ایران کی سرحدوں پر کر رہا تھا) ایران کو نظر انداز کر کے ترکی کو حصہ لینے کی دعوت دی تھی۔

ایران جس طرح پاکستان کو نیچا دکھانے کے لئے بھارت کی طرف معاونت کا ہاتھ بڑھاتا رہا ہے، اسی طرح ترکی پر دباؤ ڈالنے کے لئے یونان اور بلغاریہ کی بھی خوشامد کرتا رہا ہے۔ نومبر 1976 میں بلغاریہ کے وزیر اعظم کو ایران آنے کی دعوت دی گئی، تہران پہنچنے پر بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا گیا اور شاہ نے اس سے فوراً" ملاقات کی۔ سرکاری سطح پر اس سے جو بات چیت ہوئی اس میں شاہ بھی شامل تھا۔ ترکی کے ایک سیاسی کارکن نے بتایا کہ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ شاہ نے کسی ایسے چھوٹے سے ملک کے وزیر اعظم میں اتنی زیادہ دلچسپی لی ہے۔

ایران کے ذرائع ابلاغ ترکی کی پالیسیوں کو ہمیشہ تنقید کا نشانہ بناتے اور ملک میں غلط فہمیاں اور بد دلی پھیلانے کے لئے حکومت کے مخالف لیڈروں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے رہتے تھے۔

تہران کے انگریزی روز نامہ تہران جرنل (8.6.77) نے ترکی میں انتخابات کے موقعہ پر لکھا "بلند ایجویت جلد ہی ترکی کے مستقبل کو مضبوط اور شاندار بنانے کے لئے اس کی قیادت سنبھالیں گے"۔

اسی اخبار نے چند دنوں کے بعد تبصرہ کیا کہ ترکی کے لوگ پچھلے دو سال سے اپنی نا اہل حکومت کو برداشت کرتے آ رہے ہیں جس کی وجہ سے ملک کو اندرونی و خارجی سطح پر بے پناہ نقصان پہنچا ہے......

اخبار نے لکھا کہ انقرہ میں عام طور پر محسوس کیا جا رہا ہے کہ سلیمان ڈیمرل جو بھی حکومت تشکیل دیں گے وہ ملک کو دیوالیہ بنا دے گی۔ ترک فوج

کو یقین ہے کہ ایجویت ترکی کے مسائل کو بہتر طور پر حل کر سکتے ہیں۔

انقلابی حکومت : امید تھی کی ایران کی نئی انقلابی حکومت بہتر طور پر رواداری اور بردباری کا مظاہرہ کرے گی اور ملک میں استحکام اور ترقی کے لئے ترکی اور دوسرے پڑوسی ملکوں کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرے گی لیکن اس کے برعکس انقلاب کے بعد ترکی کے خلاف ایک زور دار مہم شروع کر دی گئی۔ الزام لگایا گیا کہ ترکی کی خفیہ تنظیمیں امریکی سی آئی اے (CIA) کے ساتھ مل کر ایران کے سرحدی علاقوں میں گڑ بڑ پھیلانے کی کوشش کر رہی ہیں تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنے علاقوں کی آزادی کے لئے اکسایا جا سکے۔

انقلابی حکومت کی شہ پر تہران میں مقیم آرمینیوں نے 24 اپریل 1979 کو ترکی کے خلاف ایک زبر دست مظاہرہ کیا جو چار دن جاری رہا۔ ایرانی اخباروں نے لکھا : تیس ہزار آرمینیوں نے ترکی کے خلاف مظاہرہ کرکے 24 اپریل 1915 کی یاد منائی جس دن ترکی کی عثمانی حکومت نے ان کا قتل عام کیا تھا اور ڈیڑھ ملین آرمینی مار دیئے گئے تھے۔ مظاہرین نے ترکی کے خلاف اور "خمینی زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایرانی اخبارات نے ان مرنے والے آرمینیوں کو "شہید" لکھا۔

جون 1991 میں ترکی کی پولیس نے استنبول کی شیعہ مسجد کے ایرانی امام سابقی کو گرفتار کر کے ایرانی ہوائی جہاز کے ذریعے زبردستی واپس تہران بھیج دیا۔ الزام یہ تھا کہ یہ امام اپنے خطبات اور تقریروں میں حکومت ترکی کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش اور شیعہ عقیدہ کی تشہیر کرتا تھا۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ ترکی نے اس شیعہ مسجد کے ایرانی امام کو ملک بدر کیا تھا۔ پچھلے سال بھی ترکی کی حکومت نے حجتہ الاسلام صابری ہمدانی کو گرفتار کرکے واپس تہران بھیج دیا تھا۔

تہران کے اخباروں نے ترکی کی اس کاروائی پر سخت تنقید کی اور خبردار کیا کہ ترکی کی حکومت کو ایرانی لوگوں کے مذہبی جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے

امام سابقی کو فوراً واپس استنبول بلانا چاہیئے۔

کچھ دنوں کے بعد حکومت ایران کے ترجمان حسن حبیبی نے ترکی کے جنوب مشرقی علاقوں میں فوجی مشقوں کے سلسلے میں اتحادی فوجوں کے اجتماع کو ایران کی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دیا۔

ریڈیو تہران نے اپنے تبصرہ میں 24.7.91 کو کہا کہ ترکی کے لوگ اپنی حکومت کو کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ ترکی کا کوئی ایک حصہ غیر ملکی فوجوں کے حوالے کر دیا جائے۔

تہران کے ایک فارسی روز نامہ جہان اسلام (17.8.91) نے لکھا : یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ترکی کی حکومت اپنی سرکاری پالیسی اور اپنے مسلم عوام کی خواہشات کے درمیان موجودہ تضاد کو کس طرح حل کرے گی۔

اس اخبار نے لکھا کہ اسلامی تہذیب' ثقافت اور روایات کو تباہ کرنے اور مغرب کے ساتھ ضم ہونے کے لئے ترکی کی کوششوں کے باوجود یورپ کے ممالک کسی اسلامی ملک کو اپنے ساتھ نہیں ملانا چاہتے...... ترکی کی حکومت اور اس کی مسلمان قوم نے دو جداگانہ مختلف راستے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ترک قوم اپنی تقدیر اور زندگی کو اسلامی روح کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے جبکہ ترکی کی قیادت کو اپنا فائدہ مغربیت کے اپنانے میں نظر آتا ہے۔ وقت بتائے گا کہ ان میں سے کون زیادہ مضبوط اور قوی ہے۔

ایران کے نیم سرکاری انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (29.8.91) نے لکھا کہ ترکی میں ایرانی سکول مسائل میں گھرے ہوئے ہیں اس لئے کہ انقرہ نہ تو ایرانی استادوں کو ویزے اور نہ ہی ان کو ترکی میں کام کرنے کا اجازت نامہ دے رہا ہے۔

اخبار نے بتایا کہ ایران نے دوسرے بہت سے ملکوں 'پاکستان' برطانیہ اور عرب ملکوں میں اپنے سکول کھول رکھے ہیں جو بلا رکاوٹ کام کر رہے ہیں۔

تہران ٹائمز (14.9.91) کے مطابق ایران کی وزارت خارجہ نے ایران میں ترکی کے سفیر کو بلا کر احتجاج کیا اور حکومت ترکی کے ان الزامات کی تردید کی

کہ ایران ترکی میں دہشت گردوں کی حمایت کر رہا ہے۔

ایران کے لئے اسلحہ لے جانے والے بحری جہاز پر ترکی کا قبضہ:

اکتوبر 1991 میں ترکی نے ایک قبرصی بحری جہاز (Cape Malease) جو ایران کے لئے اسلحہ اور سامان جنگ لے کر آبنائے باسفورس سے گزر رہا تھا قبضہ کر لیا۔ اس پر ایرانی اور ان کے ذرائع ابلاغ برآفروختہ ہو گئے اور ملک میں شدید رد عمل کا اظہار کیا گیا۔

اس واقعہ پر احتجاج کرنے کے لئے ایرانی طلباء تہران میں ترکی کے سفارت خانے کے باہر جمع ہو گئے اور ایران کے خلاف ترکی کے "جارحانہ اقدام" پر سخت نعرے بازی کی۔ مظاہرین نے ایک قرار داد کے ذریعے ترکی کی حکومت پر زور دیا کہ وہ اپنے مسلم عوام کی خواہشات کا احترام کرے اور "بڑے شیطان" کے حکم پر سر تسلیم خم نہ کرے۔ انہوں نے انقرہ کو خبردار کیا کہ ایران کے انقلابیوں سے ڈرے اور ان کو مشتعل نہ کرے۔

تہران کے فارسی روز نامہ کیہان (12.10.91) نے اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ترکی اپنے پڑوسی ملکوں کے لئے ہمیشہ ایک مسئلہ بنا رہا ہے ایران کے ساتھ تعلقات میں انقرہ نے ہمیشہ مغرب کی دھمکی آمیز رویہ کی ترجمانی کی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ترکی کے مسائل اس کے اپنے غیر مقبول اور غیر جمہوری نظام کی پیداوار ہیں اور اس کے پڑوسی ممالک' یعنی شام' عراق' ایران' یونان' قبرص' بلغاریہ اور روس نے انقرہ کے مخالفانہ اور غیر اصولی رویہ کی وجہ سے ہمیشہ نقصان اٹھایا ہے۔

25 اکتوبر کو ایران کی وزارت خارجہ نے ترک سفیر کو طلب کیا اور ایران آنے والے بحری جہاز پر ترکی کے قبضے کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

تہران کے انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (28.10.91) نے اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ 1922 کے بعد جب سے عثمانی سلطنت کا زوال ہوا اور غیر مذہبی حکومت اقتدار میں آئی' ترکی نے اپنی اسلامی شناخت کھو کر مغرب

کے نزدیک سے نزدیک تر رہنے کی کوشش کی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ تہران کو کسی دوسرے آزاد ملک کی طرح کسی بھی جہاز کو کرایہ پر لے کر اپنی کسی بھی چیز کی ترسیل کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

فارسی روز نامہ کیہان (30.10.91) نے لکھا: ایران نے ترکی کی اقتصادی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے لیکن بد قسمتی سے ترکی نے ایران کے لئے کوئی فائدہ بخش رویہ نہیں اپنایا چنانچہ ایران کو چاہیے کہ اپنی درآمدات کے لئے ترکی کے علاوہ دوسرے راستے اختیار کرے۔

حکومت ایران کے ترجمان حسن حبیبی نے 11.11.91 کو اخباری نمائندوں کو بتایا کہ قبرصی جہاز پر قبضہ ان ترکوں کا کام ہے جو اپنی نئی ترک حکومت کے لئے مسائل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی نے 24.10.91 کو لکھا: ترکی کے مسلمانوں نے اپنے غیر مذہبی نظام کے تحت بے حد نقصان اٹھایا ہے۔ لوگوں کو امید تھی کہ ترگت اوزال کی حکومت ان کے مذہبی رجحان کی طرف توجہ دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اخبار نے لکھا کہ اسرائیل کے ساتھ ترکی کے انتہائی دوستانہ تعلقات اور اس کی امریکہ کی اندھا دھند پیروی کی وجہ سے ترکوں میں حکومت کے خلاف روز بروز نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ریڈیو تہران نے اسی موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے 12.11.91 کو کہا: ایران آنے والے بحری جہاز کی ضبطی نے ترکی اور ایران کے تعلقات پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اور جس سے ای سی او (ECO) کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے......

ریڈیو نے کہا کہ یہ کاروائی ترکی کی سابقہ حکومتی پارٹی کی طرف سے بھی ہونے کا امکان ہے جس کو حالیہ انتخابات میں شکست ہوئی ہے تاکہ نئی حکومت کے لئے مسائل پیدا کئے جا سکیں۔

اس دوران AFP نے اطلاع دی کہ تہران کے غیر میانہ رو اخباروں نے

اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر ترکی نے جہاز کو فوراً رہا نہ کیا تو ایران اس کاروائی کا مناسب بدلہ بھی لے سکتا ہے۔

ایران کی خبر ایجنسی ارنا نے اپنے تبصرہ میں کہا کہ ترکی کے حکمران یورپی بلاک کا حصہ بننے کے لئے اس قدر دیوانے ہو چکے ہیں کہ انہوں نے اپنی مسلم قوم کے جذبات کو بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔

انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (30.1.92) نے لکھا : ترکی کے پڑوسی ملکوں میں ایران ہی ایک واحد ملک ہے جس کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات ہیں ۔ ترکی کے دوسرے تمام پڑوسیوں کے ساتھ غیر دوستانہ تعلقات کے پیش نظر پتہ نہیں ترکی کا ایک طبقہ ایران کے ساتھ بھی دشمنی بڑھا کر اپنے ملک کا رابطہ ساری دنیا سے کیوں کاٹنا چاہتا ہے۔

مجاہدین خلق کے خفیہ ریڈیو نے کہا ہے (3.2.92) کہ خمینی حکومت نے حسین شمس کی سربراہی میں القدس سکواڈ کا خاص دہشت گرد دستہ استنبول بھیج دیا ہے تاکہ وہ ترکی میں اپنے مخالفین کو ہلاک کر سکے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے 1986 میں پاکستان میں مجاہدین خلق کے خلاف کاروائی کی تھی۔

اخباری اطلاعات میں 17.2.92 کو بتایا گیا کہ تہران میں صدر رفسنجانی اور ترکی کے صدر ترگت اوزال کے درمیان ملاقات میں طے پایا ہے کہ ایران یورپ کو گیس سپلائی کرنے کے لئے ترکی میں پائپ لائن بچھانے پر اس سے بات چیت کرے گا۔

ریڈیو تہران نے اپنے تبصرے میں 14.3.92 کو کہا کہ جہاز کی ضبطی کا فیصلہ محض سیاسی تھا اور اگر یہ صرف ایک سیاسی اقدام تھا تو ترکی پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ترکی کے وزیر داخلہ نے الزام لگایا (15.3.92) کہ ترکی میں حزب اللہ پارٹی کا ایران سے رابطہ ہے ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ترکی میں کرد علیحدگی پسندوں کی ایران حمایت کر رہا ہے۔

ایران کے وزیر خارجہ ولایتی نے ترکی کو خبر دار کیا (17.3.92) کہ ایران کے لئے اسلحہ وغیرہ لانے والے قبرصی بحری جہاز کی ضبطی سے دونوں ملکوں کے تعلقات متاثر ہوں گے۔

ترکی کی عدالت نے قبرصی جہاز کی ضبطی کے حق میں 12.3.92 کو فیصلہ دیا اور اس جہاز کے کپتان کو پانچ سال قید اور 50000 لیرا کے جرمانے کی سزا بھی سنائی۔

ایران کے نائب وزیر خارجہ نے اس فیصلہ کو ناجائز قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ ترکی اس جہاز اور اس کے سامان کی ضبطی کے اخراجات اور دوسرے نقصانات ایران کو ادا کرے ۔

ترکی کی عدالت کے فیصلے پر ایرانی ذرائع ابلاغ نے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا اور خبردار کیا کہ ترکی امریکی ہاتھوں میں کھلونا نہ بنے۔

اخباروں نے لکھا کہ ترکی آئے دن ایران کے لئے مسائل پیدا کرتا رہتا ہے اور اس طرح اس خطہ میں امن کو تہ و بالا کرتا رہا ہے......... اب وقت آ گیا ہے کہ ایران اپنی تحمل و برداشت کی پالیسی ترک کر دے اور ترکی کو صاف طور پر بتا دے کہ وہ یا تو امریکی خواہشات پر عمل کرے یا ایران سے رشتہ جوڑے‘ اسے دونوں میں سے صرف ایک راستے کا انتخاب کرنا ہو گا۔

کئی ایرانی اخبارات نے آج (14.3.92) بھی ترکی کی عدالت کے فیصلہ پر نکتہ چینی کی اور کہا کہ جب تک ترکی کے ساتھ ایران نرم رویہ اختیار کرتا اور اس کی ناجائز گستاخیوں کو برداشت کرتا رہے گا‘ انقرہ کی ایران کے خلاف کاروائی کرنے کی مزید حوصلہ افزائی ہو گی .... وقت آ گیا ہے کہ ترکی سے بدلہ لینے کے لئے ایران ضروری کاروائی کرے۔

ریڈیو تہران نے اپنے تبصرے میں 15.3.92 کو کہا کہ اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ ترکی اپنی 90 فیصد مسلم آبادی کی موجودگی میں مستقبل کا الجیریا بن جائے۔

فارسی روز نامہ سلام نے لکھا کہ ترکی نے اپنے یہاں ایران کے ثقافتی

مراکز (خانہ ہائے فرہنگ) پر پابندیاں عائد کر دی ہیں اور ان کے مقامی کارکنوں کی کڑی نگرانی شروع کر رکھی ہے۔

انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (18.3.92) نے لکھا : 1915 میں عثمانی سلطنت کے ہاتھوں آرمینیوں کا قتل عام آرمینیا کے ساتھ مفاہمت کرنے میں انقرہ کی مدد نہیں کر سکتا۔ آرمینی ترکی کے سخت خلاف ہیں اسی طرح جیسے آذر بائیجان اور وسطی ایشیا کی اسلامی ریاستوں کے دوسرے لوگ۔ یہ تمام قومیں ترکی کی لا دینی شناخت اور ترک حکومت کی امریکہ سے وفاداری کی وجہ سے اس سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

لندن کے عربی اخبار الحیات (24.3.92) نے لکھا کہ ایران اپنی ساختہ و پرداختہ جماعت حزب اللہ کے ذریعے ترکی میں انتشار اور بد امنی پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اخبار نے لکھا کہ ترکی میں حزب اللہ تنظیم کے رکن صرف شیعہ دہشت گرد ہی نہیں بلکہ ایرانی، عرب، آرمینی، ترک اور کرد بھی اس کے رکن ہیں۔

اخبار نے یہ بھی اطلاع دی کہ تقریباً 10 لاکھ ایرانی ترکی میں رہتے ہیں جن کی اکثریت استنبول میں بستی ہے۔

فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی (4.5.92) نے ترکی کے صدر کے امریکی دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا : "ترگت اوزال نے بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے ای سی او (ECO) کے ملکوں سے اسلامی بنیاد پرستی کو ختم کرانے کے لئے امریکہ سے مدد مانگی ہے (؟) در اصل امریکی امداد کے لئے ترکی کو اپنی ہر طرح کی ذلت قبول ہے۔

اخبار نے پوچھا کہ کیا ترکی کی جری مسلم قوم ترکی کی اہانت اور تذلیل برداشت کر لے گی؟

انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (22.4.92) نے ترکی اور وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستوں کے درمیان تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا : 1915 میں ترکوں کے ہاتھوں آرمینیوں کے قتل عام کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان عناد

ہے اس لئے یہ ممکن نہیں کہ آرمینیا ترکی کو اپنے ملک سے ہو کر آذربائیجان جانے کے لئے راستہ دے گا۔

اخبار نے لکھا کہ مغرب اور امریکہ کی معاونت سے ترکی وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اپنا اثرو رسوخ بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ ان ملکوں میں ایران کی تشہیر کردہ اسلامی اقدار کا سدباب کیا جا سکے۔

فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی (18.5.92) نے لکھا کہ ترکی کے حکمرانوں کو علم ہے کہ لادینی نظام اور لاتینی رسم الخط کو جاری رکھنے کے سلسلے میں ان کی جدوجہد اور مذہب اسلام سے عناد وسطی ایشیا کے لوگوں کو سخت ناپسند ہے۔

ایران نے ترکی کے اس الزام کی تردید کر دی کہ پانچ سو کرد جنگجوؤں کے ایک گروہ نے ایران کی سرزمین سے ترکی میں داخل ہو کر ترک فوجوں پر حملہ کیا اور دس فوجیوں کو ہلاک کر دیا حالانکہ اس لڑائی میں 43 کرد بھی مارے گئے جن کی لاشیں ٹرکوں میں ڈال کر فوری ایران منتقل کر دیا گیا تھا۔

چند دن پہلے بھی ترکی نے ایران پر الزام لگایا تھا کہ علیحدگی پسند کرد ترکی پر حملوں کے لئے ایران کی سر زمین استعمال کر رہے ہیں۔

انگریزی اخبار تہران ٹائمز (3.9.92) نے لکھا : ترکی کے وزیر داخلہ سے بات چیت سے انکار حکومت ایران کا صحیح فیصلہ تھا۔ در اصل ایرانی حکومت ترکی کی کسی با اختیار شخصیت سے ہی بات چیت کرنا چاہتی ہے تاکہ کوئی بھی یقینی نتیجہ نکل سکے ..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کی انتظامیہ میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔

ریڈیو اسرائیل (13.9.92) کے مطابق ترکی میں سیاسی مبصروں نے بتایا کہ ایران اسلحہ سے بھرے ہوئے اپنے بحری جہاز کی رہائی کے سلسلے کے لئے جوڑ توڑ میں کامیاب ہو گیا ہے۔

اس سے پہلے بتایا گیا تھا کہ ایران ترک مخالف کردوں کو وہاں کی حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے تاکہ اس بحری جہاز کی رہائی کے لئے ترک حکومت پر دباؤ پڑ سکے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران کی چال یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح جوڑ توڑ کے ذریعے پہلے اپنے بحری جہاز کو رہا کروا لیا جائے اور پھر بعد میں اس کاروائی پر ترکی کو سزا دی جائے۔

چنانچہ جنوری 1993 میں ترکی کے ایک مشہور صحافی ابرار سنجیل کو قتل کر دیا گیا اور ایران کے ایک طرفدار خفیہ اسلامی گروپ نے ان کو مارنے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔ یہ صحافی اسلام میں بنیاد پرستی پر تنقید کیا کرتا تھا۔

اس واقعہ پر انقرہ میں تقریباً" دس ہزار لوگوں نے مظاہرہ کیا اور ایران کو اس دہشت گردی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

ترک وزیر داخلہ نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ایران کا نہ صرف اس صحافی کے قتل میں ہاتھ ہے بلکہ ایران کی حکومت تین دیگر سیاسی قتلوں میں بھی ملوث ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران دہشت گرد گروہوں کو اپنے علاقوں میں تربیت دے رہا ہے۔

وزیر داخلہ نے انکشاف کیا کہ اب تک ان دہشت گرد گروہوں کے 19 سرغنہ گرفتار کئے جا چکے ہیں جن کو ایران میں دہشت گردی کی تربیت دے کر ممتاز دانشوروں کو قتل کرنے کے لئے ترکی بھیجا گیا تھا۔

بی بی سی (BBC) کے مطابق 6.2.93 کو ترک وزیر خارجہ نے بتایا کہ انہوں نے اپنی تفتیش کی تفصیلات ایرانی وزیر خارجہ ولایتی کو مہیا کر دی ہیں۔

انقرہ ٹی وی (26.1.93) کے مطابق ایٹمی اسلحہ کے حصول کے لئے ایران کی بھاگ دوڑ پر تبصرہ کرتے ہوئے ترکی کے وزیراعظم ڈیمرل نے کویت میں اخباری نمائندوں سے سوال کیا کہ "ایران ایٹمی اسلحہ کا کیا کرے گا وہ اسے کس کے خلاف استعمال کرے گا' خاص طور پر آج کل جب کہ بڑی طاقتیں اس کو ضائع کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں؟"۔

تہران کے فارسی روز نامہ رسالات نے (30.1.93) کو ترکی کے صحافی کے قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: اس قتل میں اسرائیل کے کردار کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا جبکہ اسرائیل کی کوشش یہ رہی ہے کہ ترکی کے ایران اور

دوسرے پڑوسی ملکوں کے ساتھ تعلقات خراب کئے جائیں۔

اخبار نے لکھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صحافی کے قتل کا منصوبہ ترکی کے خفیہ ادارے نے اسرائیل کے خفیہ ادارے موساد کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا تاکہ بعض خاص مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔ پہلا مقصد ترکی کے لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ ایران کی اسلامی حکومت کے طرفدار دہشت گرد ہیں اور دوسرا مقصد ایران کے خلاف منفی پروپیگنڈا شروع کرنا تھا۔

لندن کے عربی اخبار الشرق الاوسط (26.2.93) کے مطابق ترکی کے سلامتی کے افسروں کی ایک جماعت جو ایران میں دہشت گردی کی تربیت کے مراکز دیکھنے گئی تھی اس لئے ناکام واپس آگئی ہے کہ ایرانی حکومت نے ان تربیتی مراکز کو دکھانے سے انکار کر دیا تھا۔

لندن کے فارسی اخبار کیہان (8.4.93) نے لکھا کہ ایران اور ترکی کے درمیان سیاسی اور نظریاتی اختلافات دن بدن شدت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کے شیعہ حکمرانوں نے شاہ اسماعیل صفوی اور اس کے قزلباش جانبازوں کے طباع اور سرگرمیوں کو جن کے تحت انہوں نے شیعیت کو متعارف کرایا اور فروغ دیا' اب دوبارہ اپنا لیا ہے اور اپنے مذہبی اور سیاسی خیالات اور عقیدوں کو دوسرے ملکوں میں برآمد کرنے کے احمقانہ پروگرام پر عمل پیرا ہے تاکہ انقرہ اور علاقہ میں دوسری مغرب زدہ حکومتوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔

اخبار نے لکھا کہ ایرانی حکمرانوں کی اس منصوبہ بندی کی ایک غرض اپنی قوم کی حوصلہ افزائی بھی ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی حکومت اور انقلاب کو دوام بخشنے کی کوشش کرتے ہیں۔

انقرہ میں سفارت ایران نے ترکی کے اخبارات کی اس خبر کو غلط قرار دیا جس میں کہا گیا تھا کہ استنبول میں ایران کے سابق قونصل جنرل کا ترکی کے مخالف گروہوں سے خفیہ رابطہ تھا۔ سفارت ایران نے اس سے بھی انکار کیا کہ ان کے کسی کارکن کا ترکی کے مخالف گروپ سے رابطہ ہے۔ جبکہ بی بی سی

(BBC) (20.7.93) کے مطابق ترکی کی حکومت نے ایران پر ایک دفعہ پھر الزام لگایا ہے کہ وہ ترکی کے مخالف گروہوں کی مالی امداد کر رہا ہے اور اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ ترکی کی وزارت خارجہ نے اس سلسلے میں ایرانی سفیر کو دستاویزی ثبوت بھی فراہم کئے۔

ترکی کے اخبارات نے ایک گرفتار شدہ کرد باغی علی پاشا کا بیان شائع کیا جس میں اس نے اقرار کیا ہے کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایران نے اپنے فوجی کیمپ میں ہر طرح کی سہولت دی اور اسلحہ فراہم کیا تا کہ وہ ترک فوجیوں پر حملہ کر سکیں۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (جولائی 1993) نے بتایا کہ ترکی کی نئی خاتون وزیر اعظم کے آنے سے ایران میں خاصی تشویش پائی جاتی ہے۔ ایرانی حکمرانوں کے مطابق اس خاتون کا تعلق ایک بڑے امیر گھرانے سے ہے اور اس نے امریکہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ایرانی حکمرانوں کے مطابق اس خاتون کے وزیر اعظم بننے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ان کو اس عہدہ پر لانے والے ترکی کے فوجی کمانڈرز ہیں جن کا مقصد ترکی میں اسلام کو دبانا اور ایران کا مقابلہ کرنا ہے۔

اخبار نے لکھا کہ اگرچہ اس خاتون کی امریکی شہریت سے انکار کیا گیا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ مغرب کی طرفدار ہے اور نظام حکومت میں مذہبی مداخلت کے خلاف ہے۔

ریڈیو تہران (21.10.93) نے بتایا کہ اب ایران میں داخل ہونے والے ترکی کے ٹرکوں کے لئے ایرانی حکومت کا اجازت نامہ حاصل کرنا لازمی ہے۔ جس کا اطلاق یکم نومبر 1993 سے ہو گا۔

ایران اور عراق

ایران کے شیعہ حکمرانوں نے اسلام کی جگہ شیعیت کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا اور پھر اپنے افکار و عقائد کو بیرون ملک ایکسپورٹ کرنے کی غرض سے انٹرنیشنل کمیونزم کے خطوط پر انٹرنیشنل شیعیت کی مہم کا آغاز کیا اور قرب و جوار کے مسلم ممالک میں مقامی شیعہ تنظیموں کے ذریعے دہشت گردی' تخریب کاری اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔

ایران کا سب سے پہلا ہدف عراق اور بحرین بنے جہاں شیعہ اکثریت میں ہیں لیکن حکمران سنی ہیں۔ عراق میں خود آیت اللہ خمینی شاہ کے دور میں چودہ سال تک جلا وطنی کی زندگی گذار چکے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ ان کے ایک اشارے پر عراقی شیعہ صدر صدام حسین کے خلاف اٹھ کر شیعہ انقلاب لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر خمینی نے اپنے دوران قیام عراقی شیعوں کو منظم کرنے اور فعال بنانے کی پوری کوشش کی۔

چنانچہ خمینی کے اشارے پر ۱۹۷۷ میں عین محرم کے دوران ہزاروں عراقی شیعوں نے صدام حسین کے خلاف مظاہرے کئے اور اس کی برطرفی کے حق میں آواز اٹھائی جس کے نتیجہ میں عراقی حکومت اپنی نو تشکیل شدہ انقلابی کونسل میں شیعہ نمائندوں کو بھی شامل کرنے پر مجبور ہو گئی۔

فروری ۱۹۷۹ میں رضا شاہ پہلوی کی برطرفی کے بعد عراقی شیعوں نے عراق میں خمینی کی حمایت اور صدام حسین کی مخالفت میں بڑے پیمانے پر از سر نو مظاہرے شروع کر دیئے۔ایران کی نئی انقلابی حکومت کی پروپیگنڈا مشنری نے بھی نہ صرف عراق کے مقامی شیعوں بلکہ عراقی کردوں کو بھی ملک کی بعث پارٹی کی سنی حکومت کے خلاف اکسا کر محاذ آرائی کی ایک زبردست مہم کا آغاز کر دیا۔ عراقی حکمرانوں کو مجرموں ' ظالموں اور شیطانوں کا ٹولہ اور امریکہ کا ایجنٹ کہا گیا' صدام حسین کو ذہنی مریض بتایا گیا جبکہ ایرانیوں کے متعلق یہ کہا گیا کہ انہوں نے صدیوں سے اسلام کے فروغ کے لئے اپنی جدوجہد جاری کر رکھی ہے۔

ریڈیو تہران اپنی نشریات کے ذریعے عراقی شیعوں اور کردوں کو صدام حسین کو برطرف کرنے کے لئے مسلسل ورغلاتا اور اکساتا رہا اور خمینی کا یہ پیغام کہ عراق میں بعث پارٹی کی حکومت کو بلا تاخیر ماضی کی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے" بار بار نشر کیا جاتا رہا جس کے سبب نجف' کربلا' کاظمیہ اور بغداد کے شیعہ اکثریتی علاقوں میں احتجاجی مظاہروں میں تیزی اور شدت پیدا ہونے لگی اور عراقی حکومت کی تشویش میں اضافہ ہوتا گیا۔

ایک طرف جہاں عراقی حکومت شیعوں کے پیدا کئے ہوئے مشکل حالات سے دو چار تھی وہیں دوسری طرف ایران کے ساتھ ۱۹۷۵ میں الجزائر میں اپنے اوپر تھوپے گئے شط العرب معاہدے پر دلبرداشتہ تھی جو بقول ان کے شاہ ایران نے عراق کے شمالی علاقوں کے کردوں کو بغاوت پر اکسا کر عراق کو یک طرفہ معاہدے پر مجبور کر دیا تھا۔ انقلاب ایران کے بعد عراق نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۹ کو اس معاہدے کی جبریہ "غیر منصفانہ" شرائط منسوخ کرنے کا مطالبہ کر دیا۔

صدام حسین نے اپنی قومی اسمبلی میں اعلان کیا کہ "شط العرب کے دونوں کنارے ماضی کی طرح عراق کا حصہ رہیں گے اور اس پر ہمارا اقتدار اعلیٰ ہمیشہ کی طرح قائم رہے گا"۔

ریڈیو بغداد نے کہا کہ خمینی اپنی جارحانہ عراق دشمن پالیسیوں کے اعتبار سے دراصل دوسرا رضا شاہ پہلوی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ اب اس نے تاج کی جگہ پگڑی پہن رکھی ہے۔ بعث پارٹی نے اپنے بیانات میں ایرانی شیعہ حکمرانوں کو بیمار سیاستدان 'ایک جنونی ٹولہ ' مذہبی بہروپئے' عیاروں اور منافقوں کا گروہ' قاتل اور مجرم جیسے القاب سے ہمیشہ نوازا۔

سرحدوں پر بڑھتی ہوئی عدم تحفظ کی صورت حال اور تناؤ کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں کے درمیان بتدریج فوجی جھڑپوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ فریقین میں سے ہر کوئی ایک دوسرے کے خلاف بلا جواز جارحانہ اقدامات کا الزام لگاتا رہا۔

جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ایران عراقی شیعوں کو صدام حسین کی حکومت کے خلاف ہر ممکن طریقے سے بغاوت پر اکساتا رہا۔ بتایا گیا کہ عراقی

شیعوں کی سب سے بڑی تنظیم دعوہ (Dawwa) کا تعلق ان شیعوں سے ہے جو بنیادی طور پر ایرانی نژاد ہیں۔

چنانچہ عراقی حکومت نے ان ایرانیوں کو ہزاروں کی تعداد میں ملک بدر کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کے اہلکار ان کو بزور ٹرکوں پر لاد کر ایران کی سرحد پر دھکیلنے لگے۔ ایرانی حکومت نے ان لوگوں کی رہائش کے لئے سرحدوں پر ہی کیمپ لگا دیئے۔ ان کو اسلحہ بھی سپلائی کیا جانے لگا تاکہ وہ سرحد پار عراقی فوجیوں پر اکا دکا حملوں کا سلسلہ جاری رکھ کر ان کو برابر تنگ کرتے رہیں۔

حکومت عراق نے شیعوں کے راہنما باقر الصدر کو اپریل ۱۹۸۰ میں مقامی شیعہ آبادی کو بغاوت پر اکسانے کی پاداش میں پھانسی کی سزا دے دی جس کا ایران میں شدید رد عمل ہوا۔ ملک میں ایک دن کی چھٹی اور تین دن تک قومی سوگ منانے کا اعلان کر دیا گیا۔ عراق سے شیعوں کے زبردستی اخراج نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ حکومت ایران نے ایک بیان میں الزام لگایا کہ عراق کی ظالم بعث پارٹی حکومت نے ہمارے مظلوم بھائیوں اور بہنوں کو انتہائی ظالمانہ طریقے سے ملک بدر کر دیا ہے جن کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ شیعہ ہیں اور خون آشام بھیڑیئے صدام حسین سے نفرت کرتے ہیں۔

ایرانی حکومت کی زیر سرپرستی قم میں ایک نام نہاد جلا وطن تنظیم "عراق میں اسلامی انقلاب کے لئے سپریم اسمبلی" (Supreme Assembly for the Islamic Revolotion of Iraq - SAIRI) کا قیام عمل میں لایا گیا اور عراق کے باغی شیعہ لیڈر حجتہ الاسلام محمد باقر حکیم کو اس کا صدر بنا دیا گیا۔ اس کی ذمہ داریوں میں عراق میں دہشت گرد اور تخریب کار ابھارنا' عراقی شیعوں کو حکومت کے خلاف منظم کرنا' انہیں اشتعال دلانا اور صدام حسین کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع کرنا' شامل ہے۔

ایران کی انقلابی حکومت نے شط العرب کا نام بھی تبدیل کر دیا اور اس کو اروند رود (Irvuind River) کا نام دے دیا۔

عراقی شیعوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسانے کے لئے ایران کی براہ راست کوششوں نے صدام حسین کو بڑی حد تک ہراساں کر دیا۔ باوجود اس

کے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ عراقی شیعوں کا اس کی حکومت کے خلاف بغاوت پر اٹھ کھڑا ہونا ستمبر ۱۹۸۰ میں ایران عراق کے بھر پور حملے کا کس حد تک سبب بنا۔ بہر حال دنیا کے تبصرہ نگاروں نے اس مفروضہ کو کافی وزن دیا ہے۔

خمینی نے ایران / عراق جنگ کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دیا اور کہا کہ بعث پارٹی کے زعماء اسلام اور قرآن کے دشمن ہیں۔

ایران کے مذہبی حکمرانوں نے بعد میں یہ سمجھ کر اس جنگ کو دانستہ طول دیا کہ بقول ان کے اندازے کے یہ جنگ ان کے اپنے انقلاب کو استحکام بخش رہی ہے اور اندرون ملک ان کی طاقت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ بالواسطہ انہوں نے اس جنگ کی آڑ میں اپنے مخالفین کو خاموش کیا اور کئی انقلاب مخالف اخباروں کو بند کر دیا۔

گو مجاہدین خلق نے جو مذہب میں کشادہ دلی اور رواداری کے حامی تھے ' ایران میں شاہ کے خلاف انقلاب میں بھر پور اور مثبت کردار ادا کیا پھر بھی خمینی نے اقتدار سنبھالتے ہی ریاستی طاقت کے بل بوتے پر ان کو کنارے لگانے اور راہ سے ہٹانے کے لئے جابرانہ طریقہ کار اپنایا۔ ان کا اور دیگر مخالفین کا زور توڑنے کے لئے ایک الگ رضا کار فوج (Volurtary Force) وسیع اختیارات تفویض کر کے قائم کی گئی ۔ مجاہدین خلق کو منافقین کا نام دیا گیا اور ان پر اس قدر سختیاں کی گئیں اور مظالم ڈھائے گئے کہ وہ دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کی بہت بڑی تعداد اپنی قیادت کے ہمراہ فرانس میں سکونت پذیر ہو گئی۔

جب فرانس کی اقتصادی دلچسپیاں ایران میں زور پکڑنے لگیں تو شیعہ حکمرانوں نے فرانسیسی حکومت پر زور دیا کہ وہ فرانس سے مجاہدین خلق کو نکال باہر کریں چنانچہ مجاہدین کو ۱۹۸۸ میں فرانس سے مجبوراً" نقل مکانی کر کے عراق میں پناہ لینی پڑی۔

۱۹۹۱ سے ۱۹۹۳ تک کے عرصے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر ذرائع ابلاغ کے تبصروں کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

عراقی خبررساں ایجنسی (INA) کے مطابق (14.5.91) صدام حسین نے کہا کہ "ایرانی حکمرانوں کے حالیہ مصالحانہ بیانات پر ہم نے شکریہ ادا کیا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ لوگ منافق اور جھوٹے ہیں اور ان کے یہ دوستانہ بیانات ہمارے خلاف محض ایک سازشی چال تھی"۔

بغداد کے عربی روز نامہ الجمہوریہ (22.6.91) نے لکھا کہ ایران اور امریکہ کے درمیان در پردہ شرمناک گٹھ جوڑ کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ اخبار نے لکھا کہ ایران گیٹ کے ذلت آمیز واقعہ نے اب مبینہ شیطان کبیر اور نام نہاد ایرانی ملاؤں کے درمیان موجود مخفی سودے بازی کا بھید کھول دیا ہے۔

اخبار نے مزید لکھا کہ اب دنیا کو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ سامراجیت کے خلاف زبانی احتجاج اور القدس کی آزادی کے حق میں ایرانی ملاؤں کے کھوکھلے نعرے دراصل اسلامی دنیا کو فریب میں مبتلا رکھنے اور دکھاوے کے لئے ایک منافقانہ حکمت عملی ہے۔

روز نامہ ڈان کراچی (13.7.91) کے مطابق صدام حسین نے بصرہ کے شہریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اس وقت جبکہ ہم امریکہ کے خلاف موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں' ایران نے جنوبی عراق کے شیعوں کو ہمارے خلاف اسلحہ فراہم کر کے در اصل ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے"۔

صدام حسین نے کہا کہ "میں نے وہ تمام باتیں بھلانے کی کوشش کی جسے ایران نے گزشتہ آٹھ سا ل تک ہمارے خلاف روا رکھا اور اس کی چکنی چپڑی باتوں پر یقین کر لیا تھا۔ اس وقت یہ پتہ نہ چل سکا تھا کہ وہ درپردہ ہمارے خلاف دشمنی کے درپے ہے"۔

بغداد کے عربی روز نامہ القدسیہ (21.7.91) نے ایرانی حکمرانوں پر الزام لگایا کہ وہ عراق کی سلامتی کے خلاف مصروف عمل ہیں۔

عراقی وزارت دفاع کے ترجمان اس اخبار نے لکھا کہ عراق کے شمالی کرد علاقوں میں حالیہ گڑبڑ کے واقعات ایران کے عراق کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرنے میں ملوث ہونے کی واضح نشان دہی کرتے ہیں۔ اخبار نے لکھا کہ اس طرح ایران دراصل عراق کے ہاتھوں اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا

ہے۔

بغداد کے ایک اور روز نامہ التھوارا (22.7.91) نے انتہائی وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا کہ سلیمانیہ اور اربیل میں حالیہ ہنگامے ایران کے ایجنٹوں نے کروائے تھے۔ اخبار نے لکھا کہ ایران کی اس کارروائی سے عراق کے خلاف ایرانی حکمرانوں کے گھناؤنے عزائم کی عکاسی ہوتی ہے۔

روز نامہ القدسیہ (23.7.91) نے لکھا کہ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ ایرانی حکمران امریکیوں کے ساتھ مل کر عراق کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ کرد علاقوں میں حالیہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ عراق کی سالمیت کو ہر طور نقصان پہنچانا ایرانی حکمت عملی کا اولین ہدف ہے۔

عراقی خبر رساں ایجنسی (INA) کے مطابق (27.7.91) صدام حسین نے نجف میں شہداء کے خاندانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اگر ہم ایران کی عیاریوں اور تخریب کاریوں سے خود کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں عراقی شہریوں اور غیر ملکیوں کے مابین پائے جانے والے فرق کو مد نظر رکھنا ہو گا"۔

صدام حسین نے کہا کہ "ہمیں یہ بھی ذہن نشین کرنا ہو گا کہ صرف عرب اور اہل قریش ہی دین اسلام کے راہبر ہو سکتے ہیں۔ جب غیر عرب اس مذہب کے راہبر بننے کے داعی ہوں تو اسلام یقیناً" اپنے صحیح نظریات اور راستے سے بھٹک جائے گا"۔

صدام حسین نے واضح کیا کہ عراقی شیعوں کو جو اہل بیت کی پیروی کرتے ہیں، یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب حضرات دراصل عرب اور قریش تھے جنھوں نے اسلام کی راہنمائی کی۔ ان میں کوئی ترک یا عجمی نہیں تھا اور نہ ہی فرنگی یا پاکستانی۔ عربوں سے لگاؤ اور محبت کے بغیر اہل بیت سے محبت کا دعویٰ بے معنی ہے۔

صدام حسین نے کہا کہ "یہ سب کچھ میں کسی تعصب کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔ کیونکہ اگر میں عرب نہ ہوتا تو اسلام کو اس طرح نہ سمجھ سکتا جس طرح ایک عرب سمجھتا ہے۔ جو شخص بھی مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کرنا چاہتا ہے اسے

عربی پر پورا عبور ہونا چاہیئے کیونکہ ضابطہ اسلام قرآن کریم کی زبان یہی عربی ہے"۔

صدام حسین نے کہا کہ "اگر ایرانی حکمران اسلام کو صحیح طور پر سمجھتے ہوتے تو جنگ کے اختتام کے بعد اتنے عرصہ تک ہمارے جنگی قیدیوں کو نہ روکے رکھتے"۔

صدام حسین نے کہا کہ "ہمارے درمیان مذہبی معاملات میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ مذہب تو صرف خدا کے لئے ہے لیکن وطن ہم سب کے لئے یکساں طور پر عزیز ہے۔ اس لئے ہم کسی غیر ملکی کو وطن کے معاملے میں اپنے درمیان باہمی اختلافات پیدا نہیں کرنے دیں گے"۔

بغداد کے عربی روز نامہ التھوارا (28.7.91) نے ایرانی ' بڑے شیطان (امریکہ) اور اسرائیل کے درمیان خفیہ گٹھ جوڑ اور ساز باز کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ایرانی حکمرانوں کے قول و فعل میں نمایاں تضاد ہے۔ وہ نعرے کچھ اور لگاتے ہیں لیکن عمل اس کے صریحاً" خلاف کرتے ہیں۔

اخبار نے ایران اور اسرائیل کے درمیان تیل کے بدلے اسلحہ کے معاہدے اور امریکہ کے ساتھ بڑھتے ہوئے سیاسی تعلقات کے حوالے سے لکھا کہ اس سے دنیا پر ایرانی حکمرانوں کا کریہہ چہرہ بے نقاب ہو گیا ہے اور ان کے پر فریب نعروں (مرگ بر امریکہ و مرگ بر اسرائیل) کی قلعی کھل گئی ہے۔

بغداد کے ایک اور روز نامہ العراق (28.7.91) کے مطابق عراقی حکومت نے ایران پر الزام عائد کیا ہے کہ اس نے عراق کے جنوبی شیعہ علاقوں میں ایک لاکھ سے زیادہ دہشت گرد اور تخریب کار داخل کر دیئے ہیں تاکہ وہاں حکومت کے خلاف شورش برپا کی جاسکے۔

اخبار نے عراقی حکومت کے ایک اہلکار کے حوالے سے بتایا کہ ان نو وارد تخریب کاروں کو اس سے پہلے ایران میں دہشت گردی کی تربیت دی جا چکی ہے۔

بیروت کے عربی روز نامہ السفیر (7.8.91) کے مطابق عراقی شیعوں کی تنظیم "الدعوہ" نے ایرانی حکومت پر الزام لگایا ہے کہ وہ ایران میں پناہ لینے والے

عراقی شیعوں اور ایرانیوں کے درمیان امتیازی سلوک روا رکھتی ہے۔

"الدعوہ" نے اپنے ایک بیان میں جو بیروت میں تقسیم کیا گیا' انکشاف کیا کہ صدام حسین کے مبینہ ظالمانہ اقدام کی وجہ سے عراق چھوڑنے اور ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہونے والے عراقی شیعوں کو ابتر حالات میں رہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

اس تنظیم نے ایرانی صدر رفسنجانی پر زور دیا کہ ایران میں پناہ لینے والے عراقی شیعوں کو وہی مراعات اور سہولتیں دی جائیں جو دوسرے ایرانیوں کو میسر ہیں۔

ایران میں بنائی گئی عراقی اسلامی انقلاب کی سپریم اسمبلی (SAIRI) نے حکومت فرانس سے مطالبہ کیا ہے کہ عراقی حکومت کو اس وقت تک کوئی اقتصادی امداد نہ دی جائے جب تک صدام حسین ملک میں آزادانہ انتخابات کروانے کے لئے آمادہ نہیں ہو جاتے۔

ایرانی خبر رساں ایجنسی ارنا (IRANA) نے لندن سے خبر دی (12.6.91) کہ عراق کی بعث پارٹی کا مخالف گروہ جو لندن میں مقیم ہے' کی طرف سے عراق کی ایک جلا وطن نمائندہ حکومت کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور اس حکومت کو ایران' ترکی' شام' سعودی عرب' یورپ اور امریکہ کی حمایت حاصل ہو گی۔

ارنا نے بتایا کہ عراقی مخالف گروہوں کے ایک سرکردہ لیڈر صالح سعد جبر جو لندن میں بہت فعال ہیں' عنقریب تہران جانے والے ہیں جہاں وہ ایرانی وزارت خارجہ کے حکام کے علاوہ عراق کی اسلامی انقلابی سپریم اسمبلی (SAIRI) کے راہنما محمد باقر حکیم سے بھی ملاقات کر کے اس ضمن میں ضروری صلاح و مشورہ کریں گے۔

ارنا نے بتایا کہ صالح سعد جبر دو مہینے پہلے بھی تہران آئے تھے۔

لندن کے عربی اخبار الشرق الاوسط (2.12.91) نے خبر دی کہ ایران نے ان ۱۱۰ کے قریب عراقی جنگی طیاروں کو اپنے ہوائی بیڑے میں شامل کر لیا ہے جن کو عراقی ہوا بازوں نے خلیج کی جنگ کے دوارن بغرض حفاظت سرزمین ایران پر اتارا تھا۔

خبر میں بتایا گیا کہ ایرانی انقلابی پاسدار ہوا باز جو ان طیاروں کو چلا رہے تھے' شمالی کوریا میں ضروری تربیت حاصل کر چکے ہیں۔

ایران کے نیم سرکاری انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (14.12.91) کے مطابق اقوام متحدہ کی طرف سے ایران کے خلاف جنگ میں عراق کو جارح اور حملہ آور قرار دیئے جانے پر ایران میں زبردست جشن منایا گیا۔ اخبار نے بتایا کہ ایرانی قوم نے والہانہ انداز میں خدا کا شکر ادا کیا کہ دنیا کے سامنے ایران کی بے گناہی ثابت ہو گئی ہے۔

بغداد کے عربی اخبار العراق (17.12.91) نے لکھا کہ ایران گیٹ سکینڈل کی طرز پر ایران اور امریکہ کے درمیان نئے تعاون و اشتراک کے اشارے مل رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ ایرانی حکمرانوں نے قومی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے ملک میں اور دیگر اسلامی دنیا میں امریکہ کے خلاف میڈرڈ امن کانفرنس کے انعقاد کے خلاف ایک زبردست پروپیگنڈا مہم چلا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ سامراجیت اور صیہونیت دونوں کا سخت مخالف ہے۔

اخبار نے لکھا کہ بعد میں ایران نے امریکی اور برطانوی یرغمالیوں کو جو اسکی لبنان میں ساختہ و پرداختہ تنظیم شیعہ حزب اللہ کے زیر تحویل تھے' رہا کروا کے اس کے عوض اپنے 278 ملین ڈالر کی خطیر رقم جو امریکہ کے بنکوں میں منجمد تھی' واگزار کروا لیا۔

اخبار نے شک ظاہر کیا کہ ایران / امریکہ اشتراک کے اس سمجھوتے میں عراق کی اقتصادی' سیاسی اور فوجی قوت کو ختم کرنے کے ضمن میں بھی ضرور کوئی خفیہ ذیلی شق شامل رہی ہو گی۔

اخبار نے آخر میں رائے ظاہر کی کہ ایران جس نے جنگ کے دوران عراق کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی تھی' اب اپنی اس ہزیمت کا کسی نہ کسی طرح ازالہ کرنا چاہتا ہے۔

ریڈیو تہران کے مطابق (23.12.91) عراق کی اسلامی انقلاب کی سپریم اسمبلی کے صدر محمد باقر حکیم نے دمشق میں بتایا کہ عراق کے تمام رہنماؤں کو شام

اسلامی انقلابی سپریم اسمبلی (SAIRI) کے صدر محمد باقر حکیم سے ملاقات کی اور صدام حسین کی معزولی کے لئے مجوزہ اقدامات پر غور کیا۔

ریڈیو جدہ نے نیو یارک ٹائمز کے حوالے سے بتایا (8.8.92) کہ ایران نے عراقی جنگی جہازوں کو ضبط کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسی اخبار کے مطابق ایران کی تحویل میں عراق کے 133 جنگی اور مسافر بردار جہاز ہیں اور ان کی مجموعی قیمت 1000 ملین ڈالر سے زیادہ ہے۔

ایرانی خبر رساں ایجنسی (IRNA) کے مطابق (28.7.92) عراقی اسلامی انقلاب کی سپریم اسمبلی (SAIRI) کے صدر محمد باقر حکیم نے عراقی شیعوں پر زور دیا ہے کہ وہ عراقی فوجوں کے "وحشیانہ مظالم" کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور صدام حسین کو معزول کرنے کے لئے جہاد کا آغاز کر دیں۔

انگریزی روز نامہ ڈان کراچی (8.8.92) کے مطابق عراق کے وزیر اطلاعات یوسف حمادی نے ایران پر الزام لگایا ہے کہ اس نے حال ہی میں 40000 تخریب کار خفیہ طور پر جنوبی عراق میں داخل کر دیئے ہیں تاکہ وہ فوجی اڈوں اور بین الاقوامی اداروں کے کارکنوں پر قاتلانہ حملے کرکے دنیا کی نظروں میں عراق کی شہرت کو نقصان پہنچا سکیں۔

حمادی نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ایران کا رویہ 1988 میں ہونے والے جنگ بندی معاہدے کے صریحا" خلاف ہے۔ وہ عراق کے متعلق اپنی سابق جارحانہ حکمت عملی اور توسیع پسندانہ پالیسی پر اب بھی قائم ہے اور اپنے ان مقاصد کے حصول میں برابر کوشاں چلا آ رہا ہے جنہیں وہ آٹھ سالہ جنگ کے دوران حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔

لندن میں چھپنے والے عربی اخبار صوت الکویت الدوالی (15.11.92) نے تہران میں سیاسی حلقوں کے حوالے سے انکشاف کیا کہ ایران نے چین سے ایک معاہدہ کیا ہے جس کے تحت چینی فنی سازو سامان کے بدلے چین کو 100 عراقی ضبط شدہ طیارے فروخت کرنا طے پایا ہے۔

اخبار نے بتایا کہ حال ہی میں شام کے فنی ماہرین تہران گئے تھے جہاں انہوں نے عراقی جنگی جہازوں کی مرمت میں ایرانیوں کی مدد کی۔

بغداد کے اخبار الثورا (19.3.93) نے لکھا کہ عراق کے شمالی کرد علاقوں (سلیمانیہ وغیرہ) پر ایرانی حملوں نے اس کا اتحادیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا راز فاش کر دیا ہے۔

اخبار نے بتایا کہ 1991 سے امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں نے اس علاقے پر عراقی جہازوں کی پرواز پر پابندی عائد کر رکھی ہے لیکن حیرت ہے کہ ان علاقوں پر ایران کے ہوائی حملوں پر اتحادیوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔

بی بی سی (BBC) کے مطابق (9.5.93) شمالی عراق میں آباد کردوں نے ایران پر زور دیا ہے کہ وہ اپنی فوجیں جو کچھ عرصہ پہلے ان کے علاقے میں داخل کر دی تھیں، واپس بلا لے۔

ریڈیو سوئٹزر لینڈ (26.5.93)کے مطابق اقوام متحدہ میں ایرانی سفیر نے تسلیم کیا کہ عراق میں ایرانی کرد پناہ گزینوں پر ایرانی فضائیہ کا مختصر ہوائی حملہ ایک دفاعی نوعیت کا حملہ تھا۔

ایرانی کردستان کے خفیہ ریڈیو نے کہا (28.4.93) کہ کچھ دنوں سے ایران کے فوجی عراق کی سرحدوں کے اندر پناہ گزین ایرانی کردوں پر متواتر حملے کر رہے ہیں۔

ریڈیو نے ان حملوں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایران کے مذہبی حکمرانوں کی اس ننگی جارحیت کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ اپنے مذموم مقاصد کو بروئے کار لاتے ہوئے عراق کے کرد علاقوں کو ہڑپ کر جائیں گے۔

عراقی خبر رساں ایجنسی (INA) کے مطابق (25.5.93) عراقی وزارت خارجہ نے ایرانی سفیر کو بلا کر چھ ایرانی جنگی جہازوں کے عراق کے دیالہ کے صوبے میں فضائی حملوں کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے۔ سفیر کو بتایا گیا کہ یہ حملے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرار داد نمبر 598 کی صریحا" خلاف ورزی ہیں اور اس کے نتائج کی تمام تر ذمہ داری ایران پر عائد ہو گی۔

26.5.93 کو عراقی اخبارات نے اس جارحیت کے خلاف ایرانی حکمرانوں پر کڑی تنقید کی اور الزام لگایا کہ بغیر امریکہ کی شہ کے ایران کو اس حملے کی

جرات نہ ہو سکتی تھی۔

انگریزی روز نامہ دی نیشن لاہور (27.5.93) کے مطابق بغداد کے اخبار الجمہوریہ نے امریکہ پر الزام لگایا ہے کہ اس نے عراقی فضائیہ کو اپنے شمالی اور جنوبی علاقوں پر پرواز کرنے سے روکا ہوا ہے جبکہ دوسری طرف ان ہی علاقوں پر ایرانی فضائیہ کے ہوائی حملوں کی کھلم کھلا حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔

ایرانی خبر رساں ایجنسی (IRANA) کے مطابق (8.8.93) ایران کی وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ شمالی عراق پر حالیہ ایرانی حملوں کا مقصد محض ایرانی سرحدوں پر بحالی امن تھا۔

بغداد کے روز نامہ الثورا (30.8.93) نے لکھا کہ اس خبر سے کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ 150 ملین ڈالر قیمت کا ایرانی تیل اسرائیلی بندر گاہ الات پر پہنچا ہے اور یہ کہ ایران اور اسرائیل کے درمیان حالیہ معاہدے کے تحت تیل کے بدلے ایران اسرائیل سے جنگی سازو سامان حاصل کرے گا۔

اخبار نے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے سربراہ کے ایک بیان کا حوالہ بھی دیا اور کہا کہ جنگی ساز و سامان خریدنے کی ایرانی کوششیں اسرائیل سے بڑھتے ہوئے اس کے تجارتی تعلقات کا ایک واضع ثبوت ہیں۔

ایران اور پی ایل او

1976ء سے ہی ایران میں افواہیں گرم تھیں کہ پی ایل او تنظیم خمینی کی سرپرستی اور یاسر عرفات کی سربراہی میں ہزاروں ایرانیوں کو لیبیا اور لبنان میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت دے رہی ہے اور کرنل قذافی اس تمام کارروائی کے لئے سرمایہ اور ہتھیار فراہم کر رہے ہیں۔

شاہ یا تو ان حقائق سے بے خبر تھا یا اس کے بارے میں سنجیدہ نہ تھا۔ وہ اس وقت سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ سب کچھ اس کے زوال کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ شاہ کے گہرے تعلقات اور فلسطینی ریاست کے قیام کے سلسلے میں اس کی مخالفت کسی سے ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔

پی ایل او نے شاہ کے خلاف ایران میں انقلاب کے لئے جو کردار ادا کیا اسے اس نے شاہ کے ایران چھوڑنے کے بعد افشا کیا۔ اس تنظیم کے ایک ترجمان نے 20 جنوری 1979 کو کہا "ہمارا کام اب تقریباً" ختم ہو چکا ہے۔ ایرانی لوگ اب اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔ ہم نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا ہے جو ہم چاہتے تھے"۔

لندن کے ایک ہفت روزہ اخبار ٹیلیگراف نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا "لیبیا اور لبنان میں پی ایل او کے ارکان، ایرانی گوریلوں کی خفیہ فوج کو خاص تربیت دے رہے تھے تاکہ ایران میں بد امنی پھیلائی جا سکے اور عدم استحکام پیدا کیا جا سکے .... پچھلے 12 مہینوں میں تربیت یافتہ یہ ایرانی ہزاروں کی تعداد میں واپس اپنے ملک میں دھکیل دئے گئے تاکہ وہ تخریب کاری کے ذریعے ملک میں فتنہ اور فساد پیدا کر سکیں۔ انہوں نے ایران کی معاشی حالت کو تباہ کرنے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا اور شاہ کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا"۔

اخبار نے لکھا کہ کرنل قذافی نے اس تمام کارروائی کے لئے سرمایہ لگایا اور روسی ہتھیار فراہم کئے۔

یاسر عرفات ایرانی انقلاب کی کامیابی پر اپنے کردار سے بے حد خوش تھے اور ان کو یقین تھا کہ خمینی بھی ان کے بے حد ممنون اور احسان مند ہونگے۔ چنانچہ وہ ان کو مبارکباد دینے کے لئے انقلاب کے فوری بعد 18 فروری 1979 کو اپنے 50 ساتھیوں کے ہمراہ تہران پہنچ گئے اور ائیر پورٹ سے سیدھے آیت اللہ خمینی کے مرکزی دفاتر میں چلے گئے۔

یاسر عرفات نے تہران آنے پر کہا: "میں محسوس کرتا ہوں کہ شاہ کا زوال فلسطینی انقلاب کی ابتدا ہے"۔ بعد میں تہران میں اسرائیل کا سفارت خانہ یاسر عرفات کے حوالے کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر عرفات نے کہا۔ "آج ہم نے ایران کو آزاد کرا لیا ہے اور کل فلسطین کو آزاد کرالیں گے"۔

انہوں نے ایرانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "جب تک ہمارے جسموں میں خون ہے، ہم اپنی تمام تر طاقت اور تجربے کے ساتھ آپ کے ساتھ رہیں گے"۔

ایک ہفتہ کے بعد ابو ظہبی روانہ ہونے سے پہلے یاسر عرفات نے کہا: "ایرانی اور فلسطینی گوریلوں کے قافلے فلسطین کو حاصل کرنے کے لئے شانہ بشانہ لڑیں گے"۔ انہوں نے کہا "پہلے ہم دو قوتیں تھیں اب ہم ایک قوم اور ایک تحریک بن گئے ہیں"۔

16 اپریل 1979 کو ایک ایرانی نے اخبار میں اپنے ایک خط کے ذریعے ایران کی انقلابی حکومت کو خبردار کیا کہ وہ فلسطینیوں سے محتاط رہے اور ان کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے معاملہ میں بہت احتیاط سے کام لے اور ایران میں ان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے۔

دو دنوں کے بعد حکومت ایران کے ایک ترجمان نے ان اطلاعات سے انکار کیا کہ حکومت نے پی ایل او کو ایران کے جنوبی صوبہ خوزستان (جہاں عربی بولی جاتی ہے) کے دارالخلافہ اہواز میں اپنے دفتر کھولنے کی اجازت دے دی ہے۔

جون 1979 میں خوزستان کے گورنر ایڈمرل مدنی نے خرم شہر میں خونریز

واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ پی ایل او کے جارج حبش اس صوبہ میں دو دفعہ خفیہ طور پر آچکے ہیں اور کچھ خاص لوگوں سے ملے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے شاہ کے داماد اردشیر زاہدی کے نمائندوں کے ساتھ رابطے ہیں اور اس صوبے میں گڑ بڑ پھیلانے کے لئے ان سے سینکڑوں ملین ریال حاصل کر چکے ہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جارج حبش جس نے شاہ کے خلاف اور ایرانی انقلاب کی کامیابی کے لئے اتنا بڑا کردار ادا کیا ہے ایران میں انقلاب مخالف عناصر کے ساتھ ساز باز کر سکتے ہیں، ایڈمرل مدنی نے کہا: "میں ان لوگوں کو پندرہ سال سے جانتا ہوں۔ کبھی یہ لوگ آپ کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور دوسرے وقت یہ آپ کے خلاف سازش کرتے ہیں"۔

ایڈمرل مدنی نے الزام لگایا کہ آج کل جارج حبش عراق اور کویت کے ساتھ مل کر ایران کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہے۔

عراق سے آٹھ سالہ جنگ سے فارغ ہو کر ایران نے اپنی نئی حکمت عملی کے تحت اکتوبر 1991 میں میڈرڈ امن کانفرنس کے مقابلے میں تہران میں ایک بین الاقوامی فلسطین کانفرنس منعقد کی جس میں پی ایل او کے مخالف گروہوں کو مدعو کیا۔

کانفرنس کے چیئرمین آقای موسوی لاری نے کہا کہ ہمارا مقصد فلسطین کے انقلابیوں کو (۱) مالی امداد دینا، (۲) ہتھیار مہیا کرنا اور (۳) ان کے مزاحمتی گوریلوں کو تربیت دینا ہے۔

میڈرڈ کانفرنس میں یاسر عرفات کی شرکت کا ذکر کرتے ہوئے آیت اللہ خمینی کے بیٹے احمد خمینی نے کہا: "یاسر عرفات یہودی ٹولہ سے مل گیا ہے"۔ انہوں نے ایرانی حکومت پر زور دیا کہ وہ آیت اللہ خمینی کے اصولوں کے مطابق جارحانہ حکمت عملی اپنائیں۔

ایرانی پاسداران انقلاب کے سربراہ محسن رضائی نے تجویز پیش کی کہ القدس کو آزاد کرانے کے لئے ایک اسلامی فوج تشکیل دی جائے۔

ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای نے زور دیا کہ اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے اور تمام یہودیوں کو اپنے ملکوں کو واپس بھیجا جائے۔ انہوں نے ان عرب لیڈروں پر کڑی نکتہ چینی کی جو میڈرڈ امن کانفرنس کی حمایت کر رہے ہیں۔

ایران کے سابق وزیر داخلہ اور مجلس کے رکن علی اکبر موہتشمی نے میڈرڈ کانفرنس کو اسلام کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا اور اس میں شرکت کرنے والوں کو واجب القتل ٹھہرایا۔

ایران کے ایک بزرگ شیعہ لیڈر آیت اللہ احمد جنتی نے قم میں جمعہ کے خطبہ میں کہا: "سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے واپس اپنے ملکوں میں آکر اپنے لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے لوگ اتنے بیوقوف ہیں کہ وہ ایک غدار اور فرض شناس کے درمیان فرق کو نہیں سمجھتے۔ تم ان کا مقابلہ کیسے کرو گے۔ تمہارے لوگ تمہیں تمہاری قبر تک سالم جسم میں نہیں پہنچنے دیں گے"۔

قاہرہ کے عربی روز نامہ روز الیوسف نے اپنی اشاعت مورخہ 2.11.92 کو اپنی ایک رپورٹ "اب ایران کے سیاسی ہتھکنڈوں اور چودھراہٹ کی چالبازیوں کا رخ پی ایل او کو ڈسنے کی طرف ہے" میں لکھا: حال ہی میں احمد خمینی اور ولائتی نے تہران میں دو وفدوں سے ملاقاتیں کیں۔ ایک لبنان کے حزب اللہ کا وفد تھا اور دوسرا حماس کا۔ یہ ملاقاتیں ہر چھ ماہ بعد ہوتی ہیں تاکہ لبنان کے جنوب اور مقبوضہ علاقوں میں صورت حال کا جائزہ لیا جائے اور ایرانی اثرو رسوخ کو شام اور الفتح قیادت کے خلاف مضبوط بنایا جا سکے۔

اخبار نے لکھا کہ اس دفعہ ایرانی حکومت نے ان دونوں تنظیموں کو 20 ملین ڈالر دینے کا وعدہ کیا تاکہ عرب اور اسرائیل کی امن کی کوششوں کو ناکام بنایا جا سکے۔

اطلاعات میں بتایا گیا کہ حماس نے اپنی تحریک کو انہی خطوط پر ڈھال لیا ہے جن کو اختیار کر کے ایرانی انقلاب لانا ممکن ہوا تھا اور اب یہ فلسطینیوں کی

سب سے زیادہ طاقتور مزاحمت کی تنظیم بن چکی ہے۔

لندن کے عربی اخبار الشرق الاوسط (22.11.92) کے مطابق اسلامک جہاد کی تنظیم کے مرکزی دفاتر نے ایران میں ابو جہاد کی قیادت میں کام شروع کر دیا ہے۔ جہاں اس کے اراکین کو نظریاتی اور فوجی نوعیت کی خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ ایران نے جہاد گروپ کے دوسرے اراکین کو لبنان میں حزب اللہ کے تحت بھی تربیت دینے کا پروگرام بنایا ہے اور اس کے لئے ضروری سرمایہ فراہم کرنے کی منظوری دے دی ہے۔

اخبار نے بتایا کہ ایرانی حکمرانوں کی کوشش ہے کہ مزاحمت کی تمام فلسطینی قوتوں کو حزب اللہ کے ساتھ منسلک کر دیا جائے اور پی ایل او کو تنہائی میں دھکیل دیا جائے۔

یاسر عرفات نے عمان کے عربی اخبار الرائے (30.11.92) کے ساتھ اپنی گفتگو میں کہا: "ایران کے حکمرانوں کو اپنے انقلاب کی کامیابی میں پی ایل او کے کردار کو نہیں بھولنا چاہیے" اب یہ لوگ ہماری اچھی باتوں کے بدلے ہمیں بری چیزیں دے رہے ہیں۔ یہ صریح احسان فراموشی ہے"۔

ایران اور حماس کے درمیان مختلف معاہدوں کا ذکر کرتے ہوئے لندن کے ہفتہ وار عربی اخبار الاوسط (30.11.92 - 6.12.92) کے مطابق حماس کے ایک ترجمان گو شاہ نے بتایا کہ ایران کے علاوہ مختلف ملکوں میں اسلامی تحریکوں کے ساتھ بھی ان کے گہرے روابط ہیں جن میں خاص طور پر اردن، الجزائر، تیونس، سوڈان اور پاکستان شامل ہیں۔

مشرق وسطی کی خبررساں ایجنسی MENA (11.12.92) کے مطابق فلسطین کے صدر یاسر عرفات نے اعلان کیا کہ اردن کی مسلم برادر ہڈ جماعت کے ساتھ مل کر ایران ان کے خلاف حماس اور ان کی دوسری مخالف جماعتوں کو سرمایہ اور ہتھیار فراہم کر رہا ہے تاکہ وہ مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

عرفات نے یاد دلایا کہ پی ایل او نے ایران کے انقلاب کی کامیابی کے

لئے اپنے تمام مادی اور اخلاقی وسائل مہیا کئے تھے۔

قاہرہ کے عربی اخبار روز الیوسف (11.1.92) نے اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ پی ایل او کی مخالف پارٹی حماس کے عناصر یہودیوں اور ایرانیوں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ یہ عناصر دونو اطراف سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتے ہیں تاکہ جب بھی اسرائیل امن کے لئے بات چیت سے گریز کرنا چاہے یہ عناصر اپنی مخالفانہ حرکات سے ماحول کو کشیدہ کر سکیں۔

اخبار نے لکھا کہ یہ عناصر امن کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جبکہ فلسطینیوں کو اس ناکامی کا ذمہ دار ٹھیرایا جاتا ہے۔

اخبار نے لکھا: "ہم ان انتہا پسندوں (جو ایران اور اسرائیل کے لئے کام کرتے ہیں) کے ہاتھ میں فلسطینیوں کی قیادت دینے کے خلاف خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں"۔

اخبار نے لکھا کہ فلسطینیوں کی جدوجہد کے معاملات میں ایران کی مداخلت سے کئی بڑے سوال ابھرتے ہیں۔ اسرائیل اور ایرانی مفاد میں مطابقت کوئی نئی چیز نہیں ہے کیونکہ اسرائیل فلسطینیوں کے حقوق تسلیم نہ کرنے کے لئے اپنا آخری حربہ تک استعمال کرے گا' اس لئے امن کے لئے مثبت کوششوں کو پامال کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ چند سازشیوں کے ہاتھوں میں ایک ایسے نیم پاگل گروہ کا قبضہ دے دیا جائے جو تخریب کاری اور تباہی کے لئے ان کا آلہ کار بن سکے۔

تہران کے فارسی روز نامہ رسالات (3.4.93) نے ایرانی حکومت پر زور دیا ہے کہ پی ایل او اب فلسطینیوں کا نمائندہ نہیں رہا اس لئے تہران میں ان کا سفارت خانہ حماس کے حوالے کر دیا جائے۔

اس اخبار نے یاسر عرفات پر الزام لگایا کہ وہ اب اسرائیل کے خلاف جدوجہد کرنے کی بجائے اپنے مادی مفاد کے لئے کام کر رہے ہیں اور دوبارہ شادی رچا رہے ہیں۔ ان کی ان حرکات کی وجہ سے وہ اپنی نیک نامی اور اعتماد کھو بیٹھے ہیں اور فلسطینی اب ان سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ یاسر عرفات اب

ان کے نمائندے کہلانے کے اہل نہیں رہے۔

یاسر عرفات نے ویانا ٹیلیویژن سے اپنے انٹرویو (18.5.92) میں ایران کے کردار پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ایران اپنے نام نہاد اسلامی انقلاب کو برآمد کرنے کے لئے عرب اور دوسرے اسلامی ممالک میں بد امنی پھیلا رہا ہے۔

عرفات نے حماس کے کارکنوں پر زور دیا کہ وہ فلسطینی مسلمان بنیں' ایسے مسلمان نہ بنیں جن کے تعلقات شیعہ ایران سے ہوں۔

قاہرہ کے عربی اخبار الاہرام (22.5.93) سے انٹرویو میں یاسر عرفات نے کہا کہ حماس کے لوگوں کو ایران فراخدلی سے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور ان کو تخریب کاری کی تربیت بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام دنیا جانتی ہے کہ ایران بین الاقوامی دہشت گردی کی حمایت بھی کرتا ہے۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی (15.9.93) نے لکھا کہ یاسر عرفات نے اپنی سرزمین اسرائیل کو دے کر اپنے لوگوں اور اسلام کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور اس غداری کی سزا موت ہے اور اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں دنیا کی کوئی طاقت آڑے نہیں آ سکتی۔

لبنان کے ایک خفیہ ریڈیو "جنوبی لبنان کی آواز" نے 5.9.93 کو کہا کہ یاسر عرفات کے قتل کے لئے ایران نے کئی ملین ڈالر کا انعام مقرر کیا ہے۔

ایران اور لیبیا

شاہ اور قذافی ۔ ایران اور لیبیا کے تعلقات 1969ء میں اس وقت سے منقطع تھے جب لیبیا میں شاہ ادریس کا تختہ الٹ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے تعلقات بحال کرنے کے لئے دونوں طرف سے کوئی کوشش نہ کی گئی ۔ ایران کا بادشاہ کرنل قذافی کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ اس نے 1974ء میں لاہور میں منعقد ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں اس لئے حصہ نہیں لیا کہ کرنل قذافی اس میں شریک ہو رہا تھا۔

شاہ کے زمانے میں ایرانی ذرائع ابلاغ بھی کرنل قذافی کو ایران کا ازلی دشمن قرار دیتے تھے۔ ان کے مطابق وہ دہشت گردی کے دھندے کا ماہر ہے۔ وہ الزام لگاتے تھے کہ قذافی ایران میں دہشت گردی اور تخریب کاری کے لئے ایرانی انقلابیوں کو اپنے یہاں تربیت دے رہا ہے۔

خمینی اور قذافی ۔ لیبیا نے چونکہ ایران میں شاہ کے خلاف اور خمینی کو اقتدار میں لانے کے لئے ایک مثبت اور موثر کردار ادا کیا تھا اس لئے کرنل قذافی کو یقین تھا کہ آیت اللہ خمینی اور ایران کی انقلابی حکومت اس کو فوری خوش آمدید کہنا پسند کریں گے۔ چنانچہ انقلاب کے فوراً بعد اس نے ایران آنے کی خواہش ظاہر کی اور وزیر اعظم بازرگان کے احکام کے تحت اس کے استقبال کا پروگرام معمول کے مطابق طے ہونے لگا۔

24 فروری 1979 کو ایرانی وزارت خارجہ نے اعلان کیا کہ کرنل قذافی جلد ہی ایران آئیں گے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ وہ ایران میں لیبیا کے سفارت خانے کو دوبارہ کھولنے کی رسم بھی ادا کریں گے۔ دو دن کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ قذافی کے ایران آنے کا پروگرام منسوخ کر دیا گیا ہے کیونکہ آیت اللہ خمینی قم جا رہے ہیں۔

تہران میں سیاسی حلقوں کے مطابق قذافی کا پروگرام منسوخ کرنے کے

لئے خمینی کے قم جانے کا تو ایک بہانا تھا دراصل ایرانی شیعہ لیڈر موسی صدر کے معاملے میں وہ قذافی سے ناراض تھے اور سمجھتے تھے کہ کرنل قذافی نے موسی صدر کو قید کر رکھا ہے یا قتل کر دیا ہے۔

بعد میں 28 مارچ 1979 کو ایک سرکاری بیان میں کہا گیا کہ کرنل قذافی کو پروگرام کے مطابق 27 مارچ کو تہران آنا تھا لیکن حکومت ایران ان کو یقین دلانے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ یہ وقت ان کے ایران آنے کے لئے موزوں نہیں ہے کیونکہ چند دنوں میں ملک میں ریفرنڈم ہونے والا ہے۔

اس طرح انقلاب کے فوری بعد ایران آنے کی کرنل قذافی کی اپنی خواہش تو پوری نہ ہو سکی لیکن ان کے وزیر اعظم عبدالسلام جالود کسی طرح ایران پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ اپنے 50 رکنی وفد کے ساتھ 23 اپریل 1979 کو تہران پہنچے لیکن ان کے ہوٹل کے باہر لیبیا کے خلاف مسلسل مظاہروں نے ان کو فی الحقیقت قیدی بنا کر رکھ دیا۔

24 اپریل کو جب جالود آیت اللہ خمینی کو ملنے قم گئے تو ان سے صرف ایک سوال پوچھا گیا کہ موسی صدر کہاں ہیں اور "تسلی بخش" جواب نہ پا کر پانچ منٹ میں ہی ان کو فارغ کر دیا گیا۔

جالود نے اخباری نمائندوں کے پریشان کن سوالوں کے جواب میں بار بار کہا کہ لیبیا موسی صدر کی گمشدگی کا ذمہ دار نہیں ہے۔ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق حکومت ایران نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ جالود اور اس کی پارٹی کو اس وقت تک یرغمال بنا کر رکھیں گے جب تک موسی صدر کے متعلق راز پوری طرح افشا نہیں ہو جاتا۔

جالود نے بار بار واضح کیا کہ ان کے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ موسی صدر 31 اگست 1978 کو روم کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ ان دنوں چونکہ روم میں حالات اچھے نہیں تھے اس لئے وہاں ان کو کسی نے قتل کر دیا ہو گا۔ لیکن خمینی یا کوئی دوسرا ایرانی جالود کی ان باتوں پر یقین نہ کرتا تھا۔

جب کئی دنوں تک جالود کے متعلق کوئی خبر نہ آئی تو اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جواب میں کہ کیا جالود اور اسکے وفد کو یرغمال بنایا ہوا ہے' ایران کی وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے کہا کہ انہیں یرغمال تو نہیں بنایا گیا ہے۔ البتہ ان کو خود پتہ نہیں کہ چند دنوں سے وہ کہاں ہیں ۔

یہ بتانا بے جا نہ ہو گا کہ جالود اور اس کے ساتھی 23 اپریل کو صرف 3 دن کے لیے ایران آئے تھے لیکن ان کو 6 مئی کو یعنی 2 ہفتوں کے بعد ایران چھوڑنے کی اجازت ملی ۔

آیت اللہ خمینی کے نام کرنل قذافی کا پیغام جو عبدالسلام جالود اپنے ہمراہ لائے تھے ان کے جانے کے بعد اخباروں میں شائع ہوا ۔ کرنل قذافی نے اپنے پیغام میں کہا :۔ ”لیبیا پہلا اور واحد ملک تھا جو 1969 سے شاہ کا مقابلہ کر رہا تھا“۔ قذافی نے کہا ”میں ایرانی بھائیوں' ایران کے انقلابی لیڈروں' خاص طور پر آپ سے ملنے کے لئے شدت سے خواہ ہوں“ ۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں بلکہ حیران کن ہو گی کہ ایران' عراق جنگ کے دوران واحد عربی ملک جس نے اسرائیل کی طرح ایران کی مالی اور اخلاقی مدد کی تھی وہ لیبیا تھا۔ کرنل قذافی نے بین الاقوامی عرب قومیت کے فطری جذبات کو نظر انداز کرکے ایک عرب ملک عراق کے خلاف استعمال ہونے کے لئے غیر عرب ایران کو اسلحہ فراہم کیا تھا۔

اس کے بعد 1991ء میں کرنل قذافی نے صدر رفسنجانی کو نہرالسنائی کے افتتاح کے موقع پر لیبیا آنے کی دعوت دی اور یہ دعوت نامہ اپنے ایک خاص نمائندے ابراہیم المنقوش کے ہاتھ بھجوایا۔ اس موقعہ پر صدر رفسنجانی نے بھی قذافی کو ایران آنے کے لئے کہا۔

عبدالسلام جالود جو اس وقت لیبیا کی کمانڈ کونسل کے رکن تھے جنوری 1992ء میں ایک دفعہ پھر ایران آئے۔ ان کا مقصد لیبیا کے خلاف سلامتی کونسل کی قرار داد نمبر731 پر ایرانی لیڈروں سے بات چیت کرنا تھا۔ اس قرار داد میں لیبیا کو کہا گیا تھا کہ وہ اپنے دو شہریوں کو جن پر 1988ء میں سکاٹ لینڈ کی فضا

میں امریکی جہاز کو بم سے اڑانے کا الزام تھا' اقوام متحدہ کے حوالے کر دے ۔ جالود نے صدر رفسنجانی کو کرنل قذافی کا ذاتی پیغام بھی دیا۔

لندن کے ایک انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (مئی 1993) نے لیبیا کے وزیر خارجہ کے ایران کے دورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ”اگرچہ ایران اور لیبیا بہت سے بین الاقوامی مسائل پر ایک جیسا طرز فکر رکھتے ہیں لیکن ایرانی حکمران یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ لیبیا کی حکومت کو دوست سمجھا جائے یا دشمن“۔

بیروت کے عربی روز نامہ النہار (14.6.93) کو لبنان کے ایک نئے شیعہ گروپ ”انتقام بٹالین“ کا ایک بیان موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا۔ ”چونکہ امام موسی صدر کی لیبیا میں گمشدگی کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا اور چونکہ لبنان کی حکومت نے اس مسئلہ کی پیروی نہیں کی' لہٰذا ہم اس کی خود پیروی کر رہے ہیں۔ ہم خبردار کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں اور لبنان میں اس وقت تک امن اور استحکام قائم نہیں ہونے دیں گے جب تک امام موسی صدر کو ظاہر نہیں کر دیا جاتا“ .... ہم ان لوگوں کو بھی خبردار کرتے ہیں جو لبنان کی شیعہ کونسل کی صدارت کے انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں کہ ہم موسی صدر کے علاوہ کسی کو شیعوں کے محافظ کی حیثیت سے قبول نہیں کریں گے “

لندن کے عربی روز نامہ الشرق الاوسط (18.12.93) کے مطابق ایران نے لیبیا پر زور دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ مل کر پی ایل او اور اسرائیل کے درمیان معاہدوں کو ناکام بنائے۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کے وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی نے لیبیا کو یقین دلایا ہے کہ اگر سلامتی کونسل کی قرار داد کے تحت اس پر پابندیاں لگا دی گئیں تو ایران اس کو نہ صرف ہر طرح کا ساز و سامان دے گا بلکہ مغربی ماہرین کی جگہ ایرانی ماہرین بھی مہیا کرے گا۔

اخبار نے لکھا کہ شاہدوں کا خیال ہے کہ ایران کا یہ فیصلہ کسی خاص منصوبہ بندی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ اگر اسرائیل کا شام کے ساتھ کوئی سمجھوتہ ہو گیا تو دمشق میں مقیم مخالف قوتوں کو اپنے دفاتر شام سے باہر لے جانے کو کہا

جائے گا' اس صورت میں ٹریپولی ہی وہ متبادل جگہ ہوگی جہاں یہ مزاحمت کی قوتیں اپنے دفاتر قائم کر سکتی ہیں۔

موسی صدر : ایران میں قم کی شیعہ کونسل نے 1960 کے قریب ایک شیعہ استاد موسی صدر کو لبنان اس مقصد کے لئے بھیجا کہ وہ وہاں کے شیعوں کو منظم کرے اور مذہبی تعلیم کے ذریعے ان کو متحد کرے اور فعال بنائے۔ موسی صدر نے لبنان میں ایران کی حامی جماعت " امل " بنائی اور بعد میں ان کی ہی کوششوں سے حزب اللہ پارٹی بھی وجود میں آئی۔

اگست 1978 میں موسی صدر کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے لیبیا گئے اور پھر واپس نہیں آئے۔ لبنان اور ایران کے شیعہ لیڈروں نے کرنل قذافی پر الزام لگایا کہ یا تو انہیں لیبیا میں قید کر دیا گیا یا قتل کر دیا گیا ہے۔ لیبیا نے اس الزام کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ان کے مصدقہ ریکارڈ کے مطابق موسی صدر 31 اگست 1978 کو الاتالیا جہاز میں روم چلے گئے تھے۔ تاہم اٹلی کے سرکاری حلقوں نے ان دعووں کی تردید کی اور کہا کہ اس سلسلے میں ان کی تحقیقات بالکل مختلف ہیں۔

ایران میں مذہبی انقلاب کے بعد لبنان میں امل پارٹی کی شیعہ عورتوں کا ایک وفد اپریل 1979 میں ایران آیا اور آیت اللہ خمینی اور وزیر اعظم بازرگان سے ملا اور لیبیا کی حکومت کی شکایت کی۔ موسی صدر کی گم شدگی سے متعلق ان کے بیانات کوایران کے ذرائع ابلاغ نے خوب اچھالا۔ اس گروہ کی لیڈر خانم جبار نے کہا "ہمارا امام موسی صدر گم ہو گیا ہے اور ہم جانتے ہیں اس سازش کے پیچھے کون ہے"۔

بعد میں جب لیبیا کے وزیر اعظم عبدالسلام جالود تہران آئے تو ان عورتوں نے ایرانی عورتوں اور موسی صدر کی بہن اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ مل کر شیراٹن ہوٹل (جہاں جالود اور اس کے وفد کے رکن ٹھہرے ہوئے تھے) کے باہر ہر روز مسلسل مظاہرے کئے اور ان کو ہوٹل سے باہر نہیں جانے دیا۔ موسی صدر کی بہن نے لیبیا کو اپنے بھائی کی گمشدگی کا ذمہ دار ٹھرایا اور

امید ظاہر کی کہ اس سلسلے میں آیت اللہ خمینی کی کوششیں بار آور ثابت ہونگی۔

وزیر اعظم جالود نے ایک بار پھر کہا کہ موسی صدر 31 اگست 1978 کو مصدقہ خروج کے تحت اٹلی کے جہاز میں روم کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ بڑی طاقتیں نہیں چاہتیں کہ خمینی اور قذافی کی ملاقات ہو چنانچہ اس چھوٹے سے واقعہ کو غیر ضروری اہمیت نہ دی جائے۔

دوسرے ہی دن ایران میں اٹلی کے سفیر نے جالود کے بیان کی تردید کر دی اور کہا کہ موسی صدر خود اٹلی نہیں آیا۔ انکی تحقیقات ظاہر کرتی ہیں کہ جس آدمی نے موسی صدر کے پاسپورٹ اور ٹکٹ پر سفر کیا ان کا حلیہ موسی صدر سے قطعی مختلف تھا۔

لبنان میں شیعوں کی تنظیم "امل" کے سربراہ حسین الحسینی نے تہران میں کہا کہ ان کے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسی صدر زندہ ہیں اور لیبیا میں قید ہیں۔

ایران کے ایک چوٹی کے شیعہ رہنما آیت اللہ صادق روحانی نے جالود کی تہران سے روانگی کے بعد اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وہ وزیر اعظم جالود کی ایران آنے کے خلاف تھے پھر ان کے آنے کے بعد انہوں نے ایرانی حکومت کو تجویز دی تھی کہ جالود کو ایران میں اس وقت تک یرغمال بنا کر رکھا جائے جب تک لیبیا موسی صدر کو زندہ یا مردہ ظاہر نہ کردے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ حکومت نے ان کی اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔

سعودی عرب

انقلاب کے بعد ایران کے شیعہ حکمرانوں نے محسوس کیا کہ سعودی عرب میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دو ایسے مقام ہیں جہاں ہر سال لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں چنانچہ ان کی نظر میں یہ موزوں ترین جگہیں ہیں جہاں حج کے دوران وہ اپنے نکتہ نظر کی تشہیر کر سکتے ہیں' ایران کی مخالف طاقتوں کے خلاف مظاہرے کر سکتے ہیں' اپنے انقلاب کو شیعہ انقلاب کی بجائے اسلامی انقلاب کے رنگ میں متعارف کروا سکتے ہیں اور آیت اللہ خمینی کو اسلامی دنیا کے راہنما کی حیثیت سے اجاگر کر سکتے ہیں۔

ان مقاصد کے حصول کی خاطر ایرانی حاجی اپنے ساتھ ہزاروں کتابچے' اشتہار' خمینی کی تصویریں اور تشہیر کا دوسرا مواد سعودی عرب لے جاتے ہیں اور مناسک حج کی بجائے زیادہ تر وقت ان کی تقسیم' جلسے جلوسوں اور نعرہ بازی میں صرف کرتے ہیں۔ ایران کے شیعہ حکمران علی الاعلان کہتے ہیں کہ ان کا حج مذہبی مقاصد سے زیادہ سیاسی مقاصد رکھتا ہے۔ دنیا کے دیگر ملکوں سے آئے ہوئے شیعہ (خاص طور پر پاکستانی شیعہ) ان کوششوں میں ایرانیوں کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔

ایرانی ذرائع ابلاغ سعودی حکمرانوں کو "امریکہ کے غلام" اور ان کے دین کو امریکی اسلام کا نام دیتے ہیں۔ ان کا پر زور مطالبہ ہے کہ چونکہ سعودی حکمران اپنے عقیدہ کی بنا پر اس قابل نہیں کہ وہ ان مقدس جگہوں کے محافظ بنیں لہٰذا ان علاقوں کو کسی بین الاقوامی اسلامی تنظیم کے زیر تسلط دے دینا چاہیئے۔

یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ایران کا یہ مطالبہ در اصل سعودی عرب کے ان مقدس شہروں کا بلا واسطہ قبضہ حاصل کرنے کے لئے ایک سازشانہ اقدام ہے کیونکہ شیعوں کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے ان جگہوں پر شیعہ کا قبضہ ہونا لازمی ہے۔

ایران کے شیعہ حکمرانوں کا دوسرا بڑا مطالبہ جنت البقیع میں قبروں کی بحالی ہے۔ پاکستان میں آئے دن ان دونوں موضوعات پر جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں بہت سے لاعلم سنی بھائی بھی شریک ہو کر شیعوں کی ہمنوائی کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ایرانی ذرائع ابلاغ یہ بے بنیاد پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ پاکستانی قبر پرست لوگ جو ملک میں 90 فیصد سے کم نہیں' ان کے ان مطالبوں میں ان کے ساتھ ہیں۔

اکتوبر 1981 میں انہی مقاصد کے حصول کے لئے ایرانی شر پسندوں نے دوسرے ملکوں کے کچھ تخریب کاروں کو ساتھ ملا کر مکہ مکرمہ میں کئی دن تک شورش بربا کئے رکھی۔

1987 میں حج کے موقع پر ایران کے شیعوں نے مکہ مکرمہ میں ایک بار پھر تخریب کاری کا پروگرام بنایا لیکن سعودی حکومت کی بروقت کاروائی سے ان کا یہ ناپاک منصوبہ خاک میں مل گیا اور اس طرح اس مقدس سر زمین کو ایک بڑے سانحے سے نجات مل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایرانی شرپسندوں نے اس شہر کے مواصلاتی نظام پر قبضہ کرکے آیت اللہ خمینی کو بحیثیت محافظ حرمین شریفین کے اعلان کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایرانیوں کی اس گھناؤنی کاروائی کی وجہ سے سعودی عرب نے ایران کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات منقطع کر لئے۔

ان واقعات کو جواز بنا کر اب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سعودی حکمران اس قابل نہیں کہ وہ حرمین شریفین کے محافظ رہ سکیں۔ دریں صورت ان مقدس جگہوں کا انتظام ایک بین الاقوامی اسلامی کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔

پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے صدر ساجد نقوی نے کہا (روز نامہ مسلم اسلام آباد 24.8.90) کہ سعودی حکمران حرمین شریفین کے سوداگر ہیں' خادم نہیں اور یہ کہ وہ امریکی اسلام کے پیرو ہیں۔

اب ایران نے سعودی عرب کے شیعوں کو کئی قسم کی ترغیب دے کر حکومت کے خلاف اکسانا شروع کر دیا ہے۔ اپریل 1988 میں سعودی عرب کے

مشرقی صوبے(جہاں شیعوں کی اکثریت ہے) میں ایک بڑا بم دھماکہ کرایا گیا۔ بعد میں جو تخریب کار پکڑے گئے انہوں نے ایران کے ساتھ اپنا رابطہ تسلیم کیا اور کہا کہ ایران نے ان کو سعودی عرب کی اقتصادی تنصیبات کو تباہ کرنے، مکہ میں خوف و ہراس پھیلانے، امن و سلامتی کو تہہ و بالا کرنے اور حکومت کو غیر مستحکم بنانے کے لئے تربیت دی تھی۔

سعودی عرب کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات منقطع ہونے کے بعد ایران اپنے "حاجی" مکہ مکرمہ نہ بھیج سکا۔ جس سے وہاں حج کے دوران امن و سکون کا ماحول تو پیدا ہو گیا جبکہ ایرانی حکمران متفکر اور بے چین دکھائی دینے لگے کیونکہ وہاں پر اب ان کے انقلاب اور عقیدے کی تشہیر اور نشرو اشاعت کا عمل سرد پڑ گیا تھا۔

1991 میں حج کی آمد کے موقع پر ایران کے حکمرانوں نے سعودی عرب کی حکومت کی خوشامد شروع کر دی، انہوں نے اپنے وزیر خارجہ ولایتی کو وہاں بھیجا جس نے تعلقات کی بحالی پر زور دیا اور عہد کیا کہ اب ایرانی حج کے دوران پر امن رہیں گے اور سعودی حکومت کو شکایت کا کوئی موقع نہ دیں گے۔

لیکن جو نہی ایرانیوں کو حج پر جانے کی اجازت ملی ان کے ذرائع ابلاغ نے پھر پرانی رٹ لگانی شروع کر دی کہ ایرانی اپنے امام کی خواہش کے مطابق پہلے کی طرح مقدس جگہوں پر سیاسی مظاہرے ضرور کریں گے۔

صدر رفسنجانی نے 20.5.91 کو ایرانی شیعہ حاجیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ حج کے دوران مسلمانوں کے سیاسی مسائل اٹھائیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سعودی حکومت ہی تھی جس نے ایرانیوں کے قتل عام کے بعد ہمارے ساتھ تعلقات منقطع کر لیے تھے لیکن ان کو اس کاروائی سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ رفسنجانی شاید اس بات سے آگاہ نہ تھے کہ دنیا بھر کے مذہبی لیڈروں کے مطابق ان تین سالوں کے دوران مقدس جگہوں پر بالکل امن رہا اور تمام مسلمان سکون اور یک سوئی کے ساتھ حج کی رسومات ادا کر سکے۔

1991 میں ایرانی شیعوں نے اپنے کیمپ میں ہی احتجاجی مظاہرہ کیا اور 1987

میں قتل ہونے والے ایرانیوں کی یاد منائی۔ ان کا دعوی تھا کہ پاکستانی اور دوسرے ممالک کے شیعہ بھی ان مظاہروں میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

دسمبر 1991 میں ایرانی وزارت خارجہ نے ایران میں مقیم سعودی سفیر کو بلا کر زبردست احتجاج کیا اور کہا کہ سعودی عرب میں وہابی شیعوں کے خلاف گمراہ کن مواد چھاپ رہے ہیں اور ان کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں۔ وزارت خارجہ نے کہا کہ یہ وہابی اسلام کے دشمن ہیں اور ان کے خلاف سخت کاروائی ہونی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایرانی اخباروں اورریڈیو نے بھی سعودی حکومت اور لوگوں پر نکتہ چینی کی۔

ریڈیو تہران کے نشریہ (19.2.92) سے معلوم ہوا کہ سعودی عرب میں "جزیرہ نما عرب میں اسلامی انقلاب" کے نام سے ایک تنظیم بھی بنائی گئی ہے جو وقتاً" فوقتاً" سعودی حکومت کے خلاف بیان جاری کرتی ہے۔

ریڈیو تہران نے اپنے نشریہ میں اس تنظیم کے حوالے سے بتایا کہ حال ہی میں سعودی عرب میں ایسے درجنوں مذہبی علماء گرفتار کر لئے گئے ہیں جو سعودی حکمرانوں کے مخالف ہیں۔ نشریہ میں بتایا گیا کہ جیلوں میں ایسے علماء اور بہت سے نوجوان سالہا سال سے قید ہیں جن پر اب تک کوئی مقدمہ نہیں چلایا گیا۔

1992 میں حج پر جانے والے ایرانی شیعوں کو مخاطب کرتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ حج کے دوران ان کا اصلی فرض سیاسی مظاہرے کرنا ہے۔

صدر رفسنجانی نے پچھلے سال کے سیاسی مظاہروں پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا : "اللہ کے فضل سے ہمارے لوگوں کی حج رسومات ہمارے اسلامی انقلاب کی روح اور ہمارے امام (خمینی) کی خواہشات کے عین مطابق ہیں"۔

تہران کے انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (7.5.92) نے ایک رپورٹ میں سعودی حکومت پر انسانی حقوق کی پامالی کا الزام لگاتے ہوئے لکھا : مارچ 1991 کے دوران القاطف کے قصبے میں شیعوں کے ایک جلسے کو سعودی گارڈوں نے

طاقت کے ذریعے منتشر کیا اور بہت سے شیعوں کو زود و کوب کیا اور گرفتار کیا۔ 29 مارچ 1991 کو بھی دمام میں ایک شیعہ جلسے پر ایسا ہی تشدد کیا گیا۔

اخبار نے الزام لگایا کہ سعودی حکومت اپنی شیعہ آبادی کے ساتھ ایسا امتیازی سلوک ہمیشہ سے کرتی آئی ہے اور ایرانی انقلاب کے بعد ان کے ساتھ یہ سلوک زیادہ ظالمانہ رخ اختیار کر گیا ہے۔ اخبار نے بتایا کہ سعودی عرب میں شیعہ سب سے بڑی اقلیتی جماعت ہے اور یہ لوگ زیادہ تر اس کے مشرقی علاقوں میں آباد ہیں جہاں تیل کثرت سے نکلتا ہے۔

اسی اخبار کی 26.5.92 کی اشاعت کے مطابق آیت اللہ خامنہ ای نے ایک فتویٰ جاری کیا ہے جس کے ذریعے ایران کے شیعہ حاجیوں پر زور دیا کہ وہ اپنی حج کی رسومات شیعہ طریقے سے ادا نہ کریں کیونکہ اس طرح وہ دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے الگ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں تفرقہ پیدا کرنا حرام ہے۔

اخبار نے اضافہ کیا کہ پیغامبر کے احترام کے تحت شیعہ لوگ حضور کے روضہ کی جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں اور جنت البقیع میں نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ رسومات سنی لوگ ادا نہیں کرتے۔

اسی اخبار (28.5.92) نے اطلاع دی کہ ہزاروں ایرانی اور دوسرے ملکوں کے شیعوں نے مدینہ میں امام خمینی کی برسی منائی اور ایرانی لیڈر نے کہا کہ ان کے امام (خمینی) نے اسلام کو صاف و شفاف بنا کر اسلامی قدروں اور اس کی عظمت کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مسلمانوں کی نظریں اسلام کی فتح کے لئے اب ایران کی طرف جھک گئی ہیں۔

جون 1992 میں سعودی عرب میں ایران کے سفیر نے کہہ دیا کہ ”سعودی عرب اور ایران اسلام کے دو بازو (wings) ہیں جن کے بغیر اسلامی دنیا اڑ نہیں سکتی“۔

ایران کے اخبار اپنے سفیر کے اس بیان پر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس پر کڑی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے شکایت کی کہ وہ سعودی عرب کو اسلام کے

حوالے سے ایران کے مقابلے میں کیوں لائے جبکہ ان کے امام (خمینی) کا قول تھا کہ سعودی عرب ”امریکی اسلام“ کی پیروی کرتا ہے۔

تہران کے فارسی روزنامہ جمہوری اسلامی (12.6.92) نے سعودی حکمرانوں کے ساتھ مفاہمت کے خلاف ایرانی حکومت کو خبردار کیا کہ جب تک سعودی حکومت وہاں کے شیعوں کے اوپر جبر و تشدد جاری رکھے گی ایران اور سعودی عرب آپس میں سچے دوست نہیں بن سکتے۔

اخبار نے لکھا کہ سعودی عرب میں 1.50 ملین شیعہ اپنی مذہبی رسومات آزادی سے ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی صحیح اذان بھی نہیں دے سکتے اور ان کو علی کی ولایت سے متعلق ٹکڑا اس سے حذف کرنا پڑتا ہے۔

اخبار نے اپنی حکومت پر زور دیا کہ وہ امام خمینی کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے دشمن کی سیاسی اور مذہبی حصار بندیوں پر ہر جگہ حملے کرے تاآنکہ دنیا میں ایسی قلعہ بندیوں پر ہم یکے بعد دیگرے قبضہ کر سکیں اور ان پر ہم ”سچے اسلام“ کا جھنڈا گاڑ سکیں۔

تہران کے نیم سرکاری انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (3.10.92) نے اپنے اداریئے میں لکھا کہ سعودی عرب نے اپنے تمام پڑوسیوں کے ساتھ علاقائی جھگڑے کھڑے کر رکھے ہیں جو اس کی اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے عزائم کی نشان دہی کرتے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ ایران اپنی پرامن حکمت عملی کے پیش نظر سعودی حکومت کے ان جارحانہ عزائم کی شدید مذمت کرتا ہے۔

سعودی عرب اور قطر کے درمیان علاقائی جھگڑے کا ذکر کرتے ہوئے اخبار نے لکھا کہ اگر سعودی عرب نے قطر کے خلاف کسی جارحیت کا ارتکاب کیا تو ایران اس چھوٹی سی ریاست کا ہر طرح دفاع کرے گا۔

لندن کے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (فروری 93) نے تہران کے فارسی روز نامہ سلام کے حوالے سے خبر دی کہ ایرانی حکومت نے اب حج پر جانے والوں کے اخراجات پر ان کی اعانت روک دی ہے، اس وجہ سے مستقبل

میں ایرانی حاجیوں کی تعداد کافی کم ہو جائے گی۔

ماہنامہ کے مطابق روز نامہ سلام نے حکومت ایران کے اس فیصلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا کہ امام خمینی کی وصیت کے مطابق حج میں ایرانی شیعوں کی شمولیت مذہبی مقاصد سے زیادہ سیاسی مقاصد رکھتی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے ساتھ ایرانی انقلاب کا پیغام لے کر جاتے ہیں۔

روز نامہ سلام نے لکھا کہ حاجیوں کے اخراجات پر حکومت کی بندش کی وجہ سے اب بہت کم ایرانی حج پر جا سکیں گے جس کے نتیجے میں حج کے دوران ان کی سیاسی سرگرمیاں تقریباً" ختم ہو کر رہ جائیں گی اور ہمارا مقصد فوت ہو جائے گا۔

1993 میں حج کے دوران ایران کے شیعہ حاجیوں کی سیاسی سرگرمیوں پر سعودی حکومت نے مکمل پابندی لگا دی اور کہا کہ حج ایک مذہبی فریضہ ہے اسے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

ایرانی حکومت نے اس فیصلہ پر سعودی حکومت سے سخت احتجاج کیا۔
آیت اللہ خامنہ ای نے کہا: "یہ فیصلہ بہت تلخ' غیر ذمہ دارانہ' اور غیر معقول ہے"۔

ریڈیو تہران نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا (29.5.93) کہ یہ فیصلہ امریکی دباؤ کے تحت کیا گیا ہے اور اس سے سعودی عرب کی اپنی سیاسی صورت حال متاثر ہو گی۔

تہران کے فارسی روز نامہ رسالات (29.5.93) نے اپنے اداریئے میں لکھا کہ اس وقت اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ اسلام کے دونوں قبلوں پر کافروں کا قبضہ ہے۔

اخبار نے لکھا کہ سعود کی اولاد نے امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے کعبہ پر قبضہ کیا ہوا ہے اور یہ خاندان اسلام اور خدا سے زیادہ امریکہ کو ترجیح دیتا ہے۔

ایرانی مجلس نے بھی حکومت پر زور دیا کہ سعودی عرب کے ساتھ اپنی صلح کی حکمت عملی تبدیل کرے۔ مجلس نے اپنی یادداشت میں کہا کہ ایران حج

کے دوارن اپنے سیاسی مظاہروں کو کسی طرح بھی بند نہیں کرے گا کیونکہ یہ ان کا مذہبی فرض ہے اور حق مطلق ہے۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی نے بھی سعودی عرب کے ساتھ ایران کی قدامت پسند حکمت عملی پر نکتہ چینی کی اور لکھا کہ ایران کے اپنے مقاصد کا حصول صرف اس کے انقلابی اقدام سے ہی ممکن ہے۔

سب سے زیادہ چھپنے والے فارسی روز نامہ کیہان نے لکھا کہ سعودی عرب اس خطہ میں امریکہ کا ایجنٹ اور پٹھو ہے اور ایران کو اس کے قریب آکر دنیا میں اپنی شہرت کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔

اسلام آباد کے انگریزی روز نامہ مسلم (31.5.93) کے مطابق آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ حج کے دوران سیاسی مظاہرے کرنا ایرانی قوم کا حق ہے اور کوئی بھی اس کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی حکومت کسی دوسرے نظام کی پیروی نہیں کرتی بلکہ خود اپنی اسلامی اور انقلابی قدروں کی پابندی کرتی ہے جو لازوال ہیں۔

روز نامہ مسلم نے ایک پاکستانی شیعہ (حسین ظاہر خان) کا بیان بھی شائع کیا۔ اس نے کہا: "کوئی مسلمان سعودی حکومت کے اس دعوے کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ کافروں کے خلاف کوئی مظاہرہ برداشت نہیں کر سکتے"۔ اس نے کہا کہ جو کچھ دنیا کے لاکھوں مسلمانوں نے دیکھا ہے سعودی حکومت کو اس پر شرم آنی چاہیئے۔

اس روز نامہ کے مطابق ایک اور پاکستانی جوڑے نے بھی سعودی حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی اور اس کو امریکہ کا ایجنٹ قرار دیا۔

تہران کے فارسی روز نامہ کیہان (1.5.93) نے آیت اللہ خمینی کے بیٹے احمد خمینی کا انٹرویو شائع کیا جس میں انہوں نے کہا: "ہمارے حاجی پرانے زمانے کے ان حاجیوں کی طرح نہیں ہیں جو صرف حج کرنے جاتے تھے۔ اب ہمارا حاجی ایک سفیر ہے جو دوسرے ملکوں کے حاجیوں کو ایران کے انقلاب کا پیغام دینے

جاتا ہے اور حج ہمیں اس کے لئے بہترین موقع فراہم کرتا ہے"۔

ریڈیو تہران (25.5.93) کے مطابق شیعہ حاجیوں نے مکہ مکرمہ میں اہل بیت مجلس منعقد کی جس میں انہوں نے آیت اللہ خامنہ ای کو اپنی فرماں برداری اور وفاداری کا یقین دلایا اور ایرانی انقلاب کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کا عہد کیا۔

سعودی عرب کے روز نامہ الیوم (30.5.93) نے حج کے دوران افراتفری پیدا کرنے والی ایرانی کرتوتوں پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ سعودی حکومت مقدس جگہوں پر ہونے والے ایسے سیاسی مظاہروں کو ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔

اخبار نے لکھا کہ مقدس مقامات' پرسکون ماحول میں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں نہ کہ غل غباڑہ کرنے والے سیاسی مظاہروں اور نعرہ بازی کے لئے ۔

سعودی عرب کے ایک سرکاری ترجمان نے سعودی خبر رساں ایجنسی کو بتایا (2.6.93) کہ کچھ ایرانی شیعہ اپنی غیر اسلامی کاروائیوں کے ذریعے مقدس مقامات کے پرامن ماحول کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے ملکوں کے حاجیوں کی یک سوئی میں مداخلت کا باعث بنتے ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی یہ کاروائیاں اسلام کی کسی خدمت کے لئے نہیں بلکہ ایران کے اپنے سیاسی اور نظریاتی مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہیں۔

ترجمان نے کہا کہ قرآن کے مطابق ان مقدس جگہوں میں حج کے دوران کسی ناشائستگی' شرارت' مناظرہ یا نعرہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی ایسی کاروائیوں کے لئے خود ان کا اپنا ملک بہترین مقام ہے۔

ریڈیو ماسکو نے اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا (4.6.93) کہ حج کے موقعہ پر مکہ کی صورت حال بڑی نازک ہوتی ہے جب دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان یکسوئی کے ساتھ حج کی رسومات ادا کرنے وہاں جاتے ہیں۔ یہ قدرتی امر ہے کہ سعودی حکومت ان سب کو ایک پرامن ماحول اور دوسری ضروری سہولتیں مہیا کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ لیکن ان کے لئے زیادہ تر مسائل ایرانی

شیعہ حاجی پیدا کرتے ہیں۔ سعودی حکومت نہیں چاہتی کہ 1987 جیسے حالات دوبارہ پیدا ہوں۔

ریڈیو نے سعودی حکومت کے ایک بیان کا حوالہ دے کر کہا کہ وہ اسلام میں ایسے عوامل شامل کرنے کی اجازت نہیں دے گی جو قرآن کی تعلیم کی نفی کرتے ہوں۔ حج کی ادائیگی کے لئے انکساری' امن اور سلامتی کا ماحول ضروری ہے لیکن تہران کے سرکاری حلقے اسلام کی اس تشریح کو نہیں مانتے۔

ریڈیو نے مزید کہا کہ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ ان میں سے کون سچا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اسلامی دنیا کے ساتھ ساتھ ایک لادینی دنیا بھی موجود ہے جو اسلام کی اس جنگجو آنہ تشریح کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

تہران کے فارسی روز نامہ رسالات (16.5.93) میں مجلس کے ایک رکن اور وزارت خارجہ کے مشیر جواد لاریجانی نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ واشنگٹن نے سعودی حکمرانوں کو تبدیل کرنے کی حکمت عملی پر کام شروع کر دیا ہے۔

انہوں نے لکھا کہ واشنگٹن کے خیال میں اول تو سعودی عرب کے موجودہ حکمران اس قابل نہیں ہیں جو زیادہ دیر تک امریکہ کے مفاد کا بچاؤ کر سکیں۔ دوسرے اس علاقے کے ملک اسلام کے خلاف کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہتے۔ اور کوئی بھی لادینی نظام اپنانے کیلئے تیار نہیں۔

لاریجانی نے لکھا کہ اس کے برخلاف جب ایران کی طرف سے اسلام کی باد نسیم ان علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی تو یہاں کے لوگوں کے دل و دماغ پر آسانی سے اثر انداز ہو سکے گی۔

لاریجانی نے لکھا کہ امریکہ چاہتا ہے کہ یہ ممالک خاص طور پر سعودی عرب لادینی نظام اختیار کریں تاکہ حج پر آنے والے لاکھوں مسلمان آزاد خیالی' عیاشی' جدت پسندی اور لا دینیت کی طرف مائل ہو سکیں۔اور یہ تاثرات اپنے ملکوں کو واپس لے جاسکیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کا مقصد خانہ کعبہ کو اسلام کے خلاف ایک بڑا مرکز بنانا ہے۔

لاریجانی نے لکھا کہ امریکہ کی اس حکمت عملی کا قدرتی نتیجہ سعودی

حکمرانوں کو اقتدار سے الگ کرنا ہو گا اور ہماری سیاسی مشین کو اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

فرانس کی خبر ایجنسی کے مطابق (25.5.93) تہران میں طالب علموں نے شاہ فہد کے ایران کے مجوزہ دورے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور نعرے لگائے کہ وہ ایرانی انقلاب کا دشمن ہے۔ انہوں نے اپنے احتجاجی پرچوں پر لکھا کہ "شاہ فہد کو ایران آنے کی دعوت دینا ایرانی انقلاب کے اصولوں کی نفی اور امام خمینی کی وصیت کی خلاف ورزی کرنا ہے"۔

سعودی عرب کے عربی اخبار الریاض (16.8.93) نے اپنے اداریئے میں لکھا : ایران نے کئی موقعوں پر سعودی عرب کی سلامتی کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی ہے لیکن ہم نے ہمیشہ صبرو تحمل کی حکمت عملی اپناتے ہوئے بہت سے مسائل کو اپنی حدود میں رکھا۔ ایران نے اپنے پڑوسی ملکوں کی جغرافیائی حدود کی بھی خلاف ورزی کی جیسے متحدہ عرب امارات کے جزیرے ابو موسی پر قبضہ اور سعودی عرب کے مقدس مقامات میں خلفشار پیدا کرنا اور شورش برپا کرنا وغیرہ۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کے غیر ذمہ دارانہ رویے کے باوجود سعودی حکومت نے ہمیشہ ضبط سے کام لیا ہے تاکہ لوگوں کو اس خلفشار اور تباہی سے بچایا جا سکے جو ایران اس خطہ میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جب بھی ہم نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو کسی نہ کسی صورت پھر تناؤ پیدا کر دیا گیا۔

اخبار نے لکھا کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب کہ عام ایرانی یہ چاہتا ہے کہ خلیج کے ممالک اور دوسرے پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات کو ترقی دے کر ایران کی اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے اور ملک کو عالمی سطح پر الگ تھلگ ہونے سے روکا جا سکے۔

متحدہ عرب امارات

متحدہ عرب امارات کے ساتھ ایران کے تعلقات 1991 کے آواخر تک خوشگوار تھے اور دونوں ملکوں میں تجارت عروج پر تھی۔ ایرانی کشتیاں ہر روز تازہ سبزیاں اور پھل لے کر دوبئی اور ریاستوں کی دوسری بندرگاہوں پر جاتی تھیں اور الیکٹرانکس کا سامان وغیرہ لے کر واپس لوٹتی تھیں۔

معلوم ہوتا ہے ایرانی حکمرانوں نے شارجہ سے تعلق رکھنے والے جزیرے ابو موسی پر مکمل قبضہ کا پروگرام 1991 کے وسط میں بنایا۔

جزیرہ ابو موسی خلیج کے جنوبی ساحل پر شارجہ سے تقریباً" 30 کلو میٹر پر واقع ہے اور ایرانی سرحد سے اس جزیرہ کا فاصلہ تقریباً" 75 کلو میٹر ہے۔

شاہ ایران نے نومبر 1971 میں بحرین پر اپنے دعوے سے دستبردار ہو کر خلیج کے دو جزیروں تمب الکبری اور تمب الصغری (جو متحدہ عرب امارات کی ریاست راس الخیمہ کا حصہ تھے) پر مکمل اور ابو موسی (جو شارجہ کی ملکیت تھا) پر جزوی قبضہ کر لیا ۔ اس کاروائی میں شاہ کو مغرب اور امریکہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔

ایک معاہدہ کے تحت جو بعد میں شارجہ اور ایران کے درمیان طے پایا اس جزیرے میں ایران کا علاقہ ایک تہائی تھا اور یہاں کی آمدنی اسی نسبت سے دونوں ملکوں میں تقسیم ہوتی تھی۔

شارجہ کے علاقے میں بہت سے عرب اور دوسرے ایشیائی باشندے آباد تھے اور حکومت نے اس علاقے میں ایک سکول' ہسپتال' پانی صاف کرنے کا کارخانہ' پولیس پوسٹ اور نوجوانوں کے لئے کھیلوں کے مراکز وغیرہ قائم کر رکھے تھے۔

ابو موسی پر مکمل قبضہ کرنے کی حکمت عملی کے تحت پہلے مرحلے میں ایران کے نائب وزیر خارجہ علی محمد بشارتی 26.9.91 کو شارجہ گئے اور وہاں کے سرکاری اہلکاروں سے علاقائی مسائل اورباہمی تجارت اور اقتصادی رشتوں کو مزید فروغ دینے پر بات چیت کی۔

انہوں نے شارجہ کے حکمران کو صدر رفسنجانی کی طرف سے ایران آنے کے لئے دعوت نامہ بھی دیا۔

بشارتی متحدہ عرب امارات کے وزیر دفاع سے بھی ملے اور ان سے باہمی تعلقات کو مزید وسعت دینے کے بارے میں گفتگو کی۔

علی محمد بشارتی کویت کے دورے سے ہوتے ہوئے نومبر 1991 میں دو دن کے لیے ایک دفعہ پھر متحدہ عرب امارات گئے۔ اس بار وہ امارات کے حکمران شیخ زاید سے ملے اور دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو مزید مضبوط کرنے کے لئے بات چیت کی۔

فروری 1992 میں ایرانی حکمرانوں نے متحدہ عرب امارات کے وزیر دفاع کو تہران بلا کر ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ صدر رفسنجانی سے اپنی ملاقات میں انہوں نے اس خطہ میں خاص طور پر خلیج میں ایران کے با اصول کردار کی تعریف کی اور تہران کے ساتھ مزید اشتراک کے لئے اپنے ملک کی طرف سے آمادگی کا اظہار کیا۔

اس کے بعد 26 فروری 1992 کو صدر رفسنجانی نے خود ابو موسی کا دورہ کیا اور کہا کہ یہ جزیرہ تو ایک قیمتی ہیرے کی مانند ہے اور ایران کے لئے باعث خوش بختی ہے۔

رفسنجانی نے کہا کہ اس جزیرے پر ترقیاتی کام شروع کئے جا سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں ایرانیوں کے لئے روز گار کے مزید مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔

پھر چند دنوں کے بعد مارچ 1992 میں ایرانی فوجیں ابو موسی میں داخل ہو گئیں، شارجہ کے مقامی لوگوں کو جزیرے سے نکال دیا گیا اور شارجہ کی مختلف تنصیبات کو بھی قبضہ میں لے لیا گیا۔

شارجہ کے حکمران نے ایران کی اس کاروائی پر نکتہ چینی کی تو ان کے نائب وزیر خارجہ علی محمد بشارتی نے کہا کہ "ایران کافی عرصہ سے خلیج کے جزیروں میں ترقیاتی کام شروع کرکے ان کو نئی زندگی دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ شارجہ کے حکمران کی نکتہ چینی ہمارے لئے حیران کن ہے"۔

بغداد کے عربی اخبار الثورا (16.4.92) نے لکھا کہ ایران کو اس کاروائی

میں امریکہ اور برطانیہ کی پشت پناہی حاصل ہے تاکہ خلیج کی عرب ریاستوں کو ڈرایا دھمکایا جا سکے اور ان علاقوں میں اپنی فوجوں کی موجودگی کے لئے جواز پیش کیا جا سکے۔

ایرانی وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی نے کہا کہ ابو موسی میں کسی قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

متحدہ عرب امارات اور ایران کے درمیان ابو موسی کے جھگڑے پر تناؤ اور زیادہ بڑھ گیا جب ایران کے فوجیوں نے امارات کے بحری جہاز کو جو کئی سو کے قریب عربوں، سکول کے اساتذہ اور طالب علموں کو لے کر ابو موسی جا رہا تھا، جزیرہ میں لنگر انداز ہونے سے روک دیا۔

اگست 1992 تک ایران نے جزیرہ ابو موسی پر اپنا فوجی قبضہ مکمل کر لیا۔

شارجہ پولیس کے سربراہ نے کہا کہ ایران کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات کے پیش نظر شارجہ کو امید تھی کہ ایران کی نئی انقلابی حکومت خیر خواہی کے جذبے کے تحت اس جزیرے (جس کو شاہ نے زبر دستی اپنے قبضہ میں لے لیا تھا) کی ملکیت سے دستبردار ہو جائے گی لیکن اس کے برعکس اس حکومت نے پورے جزیرے پر قبضہ جما لیا ہے۔

پولیس کے سربراہ نے بتایا کہ ایران نے اب یہاں فوجی اڈہ بنا لیا ہے جس میں جنگی کشتیاں، فوجی گاڑیاں اور ہیلی کوپٹر تعینات کر دیئے ہیں۔

تہران کے نیم سرکاری انگریزی اخبار روز نامہ تہران ٹائمز (26.8.92) نے لکھا کہ جب سے انگریزوں نے 1971 میں یہ جزیرہ خالی کیا تھا اس کا اقتدار اعلے ایران کے ہاتھ چلا گیا تھا اور آج ایران اس جزیرے میں جو بھی کاروائی کر رہا ہے اسی اقتدار اعلے کے تحت ہے۔

اس کے بعد ایران نے صاف صاف اور کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ یہ پورا جزیرہ ایران کا ہی حصہ ہے اس پر قبضہ اس کا حق ہے اور وہ اس کی سلامتی کا ضامن ہے۔

خلیج کی رابطہ کونسل کے سیکرٹری جنرل نے اندیشہ ظاہر کیا کہ ایران کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے خلیج کی ریاستوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر

منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

بی بی سی BBC نے اپنے تبصرے میں 3.9.92 کو کہا کہ ابو موسی پر ایران کا زبردستی قبضہ دور رس نتائج کا حامل ہے کیونکہ اس طرح وہ آبنائے ہرمز میں تیل کی آزادانہ آمد و رفت کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ خطرہ ایران ' عراق جنگ کے دوران پہلے ہی محسوس کیا جا چکا ہے جب ایران کی جنگی کشتیاں ابو موسی کے جزیرے سے اس علاقے میں تجارتی جہازوں پر حملہ آور ہوتی تھیں۔

ایران کی وزارت خارجہ کے مشیر اور مجلس کے رکن جواد لاریجانی نے کہا (کیہان انٹرنیشنل 3.9.92) کہ خلیج کے عرب ممالک کی حکمت عملی ان کو تباہی کی طرف لے جائے گی اور ان کی سلامتی کو تہ و بالا کر دے گی' انہوں نے کہا کہ سب کو علم ہے کہ یہ ممالک اس درجہ کمزور ہیں کہ وہ ایران کے خلاف کھڑے ہونے کی جرات بھی نہیں کر سکتے ۔

لاریجانی نے دعوی کیا کہ صدیوں سے اس علاقے کا اقتدار ایران کے ہاتھوں میں چلا آ رہاہے۔ انہوں نے اس خطہ کے عربوں سے مخاطب ہو کر کہا : "چند سال پہلے تک تو تمھاری کوئی شناخت ہی نہیں تھی' حتی کہ تمھارے پاس اپنے پاسپورٹ تک بھی نہیں ہوتے تھے"۔

ریڈیو ماسکو (19.9.92) کے مطابق ایرانی وزیر خارجہ نے شام کے وزیر خارجہ کو بتایا کہ ایران خلیج کے جزیروں پر اپنے قبضہ سے دست بردار ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

ایران کے ہوائی فوج کے سربراہ نے کہا کہ اگر کسی جہاز نے ابو موسی کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی تو اسے تباہ کر دیا جائے گا۔

لندن کے ہفتہ وار اخبار میڈ (MEED) مورخہ 25.9.92 کے مطابق عرب لیگ نے پورے جزیرہ ابو موسی پر ایرانی قبضہ کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ شام نے پہلی دفعہ عرب ملکوں کا ساتھ دیتے ہوئے ایران پر بھرپور نکتہ چینی کی اور متحدہ عرب امارات کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

ایرانی پاسداران کے نائب کمانڈر جنرل صفوی نے کہا کہ ایران اپنے کسی

علاقہ کی ایک انچ زمین پر بھی کوئی سودے بازی نہیں کرے گا۔

ایران کے نیم سرکاری انگریزی روز نامہ تہران ٹائمز (30.9.92) نے لکھا کہ اگر مختلف ملکوں کو اپنی گذشتہ تاریخ کی بنیاد پر علاقائی دعوے کرنے کی اجازت دے دی گئی تو ایران یقیناً" نقصان میں نہیں رہے گا۔

اخبار نے لکھا کہ ایران ہمیشہ کی طرح اب بھی خود ضبطگی کا مظاہرہ کرتا رہے گا لیکن اگر متحدہ عرب امارات کے لیڈر اس بحران کو مزید ابھارنا چاہتے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کو ایران کا صبر غیر محدود نہیں ہے۔

ایران کے روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (6.10.92) نے لکھا کہ متحدہ عرب امارات کا وجود انگریزوں کے نو آبادیاتی نظام کا نتیجہ ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ایران پچھلے 2500 سال سے موجود ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ایران خلیج کے علاقے میں انیسوی صدی تک ایک زبردست طاقت تھی' نہ صرف خلیج کے تمام جزیرے ایران کا حصہ تھے بلکہ بحرین بھی اس کا علاقہ تھا۔ پھر 1904 میں انگریزوں نے ان جزیروں پر قبضہ کر لیا لیکن 1971 میں جب انگریز اس علاقے سے گئے تو انہوں نے ان کی سلامتی کی ذمہ داری ایران کے سپرد کر دی ۔

ایران کے صدر رفسنجانی نے او آئی سی (OIC) کے سیکرٹری جنرل کو تہران میں 12.11.92 کو بتایا کہ خلیج کے جزیروں کے متعلق ایران کی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔

مصر کے وکیلوں سے باتیں کرتے ہوئے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عصمت عبدالمجید نے 22.11.92 کو قاہرہ میں کہا کہ ایران کی طرف سے خطرہ کے پیش نظر عرب ملکوں کو اپنی ایک مشترکہ فوج تیار کرنی چاہیے۔

بی بی سی (BBC) (25.12.92) کے مطابق صدر رفسنجانی نے کہا کہ اگر کسی نے خلیج میں ایران کے جزیروں تک پہنچنے کی کوشش کی تو اسے خون کا سمندر عبور کرنا ہو گا۔

رفسنجانی نے کہا کہ ایران اس خطہ کی عرب ریاستوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہے اور ان کے جزیروں کے متعلق تمام دعوؤں کو غیر معتبر سمجھتا ہے۔

AFP کے مطابق (6.2.93) متحدہ عرب امارات کے صدر زائد بن سلطان النہیان نے اپنی نئی پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے عہد کیا کہ وہ خلیج میں اپنے تین جزیروں کو ایران سے حاصل کر کے رہیں گے۔

انہوں نے کہا ان تین جزیروں پر ایران کا ناجائز قبضہ متحدہ عرب امارات (UAE) کے اعلے اقتدار اور اس کی سالمیت کی صریحاً خلاف ورزی ہے اور اس خطہ کے استحکام کی کمزوری کا باعث ہے۔

تہران کے فارسی روز نامہ ابرار (26.4.93) نے کہا کہ سلامتی کونسل کی قرار داد نمبر 598 کے تحت عراق اپنی جنگ ایران پر تھوپنے کے ضمن میں ہمارے نقصان کی تلافی کرنے کا پابند ہے اور چونکہ خلیج کے عرب ممالک بھی اس جنگ میں عراق کے شریک کار تھے اس لئے وہ بھی ہمارے نقصان کی تلافی کرنے کے پابند ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ ایران عراق جنگ کے دوران ان شیوخ نے ظاہر کیا کہ عرب عقیدہ انصاف اور سچ سے زیادہ اہم ہے اس طرح یہ اس طرف چل پڑے جس طرف عرب صدام حسین ان کو لے جانا چاہتا تھا۔

قطر

قطر میں شیعہ آبادی تقریباً 20 فیصد ہے اور ملک میں اگر کوئی اندرونی بے چینی کا مسئلہ ہے تو وہ صرف شیعوں کا پیدا کردہ ہے پھر بھی ملک میں پولیس کا نظام سخت ہونے کی وجہ سے اس مسئلے نے کبھی سنگینی اختیار نہیں کی۔

اس کے باوجود خلیج کے دوسرے عرب ممالک کی بہ نسبت ایران کے ساتھ قطر کے تعلقات کہیں زیادہ بہتر ہیں اور دونوں ملکوں کے وزیروں اور اہلکاروں کا ایک دوسرے کے ہاں زیادہ آنا جانا رہتا ہے۔

خلیج کے دوسرے عرب ممالک کی طرح قطر بھی آبنوشی کی قلت کا شکار ہے۔ گو ملک میں سمندر کا پانی پینے کے قابل بنانے کا کارخانہ موجود ہے پھر بھی قطر کے حکمران چونکہ پینے کے لئے دریائی پانی کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لئے ان کا منصوبہ تھا کہ ترکی یا ایران سے پائپ کے ذریعے دریائی پانی حاصل کیا جائے۔

چونکہ ایران عراق جنگ کے باعث ترکی سے یہ پانی حاصل کرنا مشکل ہو گیا اس لئے قطر نے ستمبر 1991 میں اس پانی کی سپلائی کا ٹھیکہ ایران کو دینے کا فیصلہ کیا اور طے ہوا کہ ایرانی ماہرین اس منصوبے کے قابل عمل ہونے کا جائزہ لینے کے لئے جلد ہی قطر کا دورہ کریں گے۔

تہران کے انگریزی روز نامہ کیہان انٹرنیشنل (9.11.91) نے لکھا کہ قطر کے ولی عہد شیخ حماد بن خلیفہ الثانی اپنے دورہ ایران کے دوران اس منصوبہ کی تفصیلات پر ایرانی حکومت سے بات چیت کریں گے۔

اخبار نے لکھا کہ مجوزہ پائپ لائن کی لمبائی 1800 کیلو میٹر ہو گی اور اس منصوبہ پر دونوں ملک ملکر سرمایہ کاری کریں گے لیکن ایران کی مالی مشکلات کے پیش نظر قطر کا سرمایہ زیادہ ہو گا۔

قاہرہ کے عربی اخبار الجمھوریہ (11.11.91) نے قطر اور ایران کے تعلقات پر اپنے تبصرہ میں لکھا کہ خلیج کے عرب ممالک کی موجودہ سوچ یہ ہے کہ ایران اس خطہ کا حصہ ہے اور اس کو یہاں کے کسی سلامتی کے نظام میں نظر انداز

نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایران بھی اس سلسلہ میں واقعی مخلص ہے؟

اخبار نے لکھا کہ تمام پرانے اور حالیہ تجربات ثابت کرتے ہیں کہ ایران کے مذہبی لیڈر عرب ملکوں میں اپنے انتہا پسندانہ خیالات پھیلانے کے لئے جائز اور ناجائز حربے استعمال کرتے رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ "اسلام" پھیلانے کے سلسلہ میں یہ جہاد کی ایک شکل ہے۔

اخبار نے مزید لکھا کہ ایران آجکل اپنے دریائے کارون کا پانی قطر پہنچانے کے منصوبہ پر عمل پیرا ہے تاکہ اس طریقے سے وہ عربوں کی ہر تھالی میں اپنی انگلی ڈال سکے۔ اور بعد میں عرب ملکوں میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لئے ایران کا راستہ صاف ہو جائے۔

دسمبر 1991 میں ایران کے وزیر دفاع ترکان نے قطر کا سرکاری دورہ کیا اور وہاں کے ہوائی اور بحری اڈوں کا معائنہ کیا۔ تہران واپسی پر انہوں نے بتایا کہ قطر کی حکومت کے خیال کے مطابق ایران کے بغیر اس خطہ کی سلامتی کا کوئی بھی معاہدہ موثر نہیں ہو سکتا۔

جنوری 1992 میں ایران کے ایک سرکاری اہلکار نے بتایا کہ قطر اور ایران کے درمیان پینے کے پانی کی پائپ لائن جلد ہی بچھا دی جائے گی اور اس منصوبہ پر لاگت کا تخمینہ تقریباً 1.5 بلین ڈالر ہے۔

مئی 1992 میں ایران کے نائب صدر حسن حبیبی نے قطر کا دورہ کیا اور باہمی تعلقات پر بات چیت کے علاوہ قطر میں ایرانی اسکولوں (تعداد نہیں بتائی گئی) کا بھی معائنہ کیا۔ ان کو بتایا گیا کہ قطر کے ایرانی اسکولوں میں تقریباً 2000 ایرانی اور مقامی شیعہ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

لندن کے ہفتہ وار انگریزی اخبار میڈ (MEED) نے 22-5-92 کو بتایا کہ حسن حبیبی کے قطر کے دورہ کے دوران دونوں ملکوں کے درمیان ایک معاہدے پر بھی دستخط ہوئے جس کے تحت ایرانی مشیر کا تقرر عمل میں آیا جو قطر کے لئے پانی کی پائپ لائن کے قابل عمل ہونے کے متعلق رپورٹ تیار کرے گا۔

اسی اخبار نے اپنی 14-8-92 کی اشاعت میں لکھا کہ اس منصوبہ پر عمل کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھا جائے گا کہ ایرانی دریا کے پانی کو صاف کرنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے ساتھ ہی پائپ لائن کی گذر گاہ کا تعین بھی زیر غور آئے گا۔

اخبار نے لکھا کہ مقامی تبصرہ نگاروں نے مجوزہ پائپ لائن کے مستقبل میں کبھی بچھائے جانے کے امکان پر شک کا اظہار کیا ہے کیونکہ ایک تو اس منصوبہ پر بے انتہا خرچ آئے گا اور دوسرے قطر کے باشندے پینے کے پانی کے لئے کسی دوسرے ملک خصوصاً ایران پر مکمل انحصار کو مناسب نہیں سمجھتے اور کسی قدر خوف بھی محسوس کرتے ہیں۔

بحرین

1970 میں انگریزوں کے خلیج سے جانے کے بعد ایران کے شاہ نے بحرین پر اپنے دعوے کا اعلان کر دیا ۔ دعوے کی بنیاد یہ تھی کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں بحرین ایران کا حصہ رہا تھا۔ پھر اقوام متحدہ کے تحت وہاں ریفرنڈم کروایا گیا اور لوگوں نے ایران کے زیر تسلط رہنے کی بجائے آزاد رہنے کو ترجیح دی۔

اس کے باوجود شاہ کے زمانے میں اس کے سفارتی اہلکار اپنی گفتگو میں بحرین کو ایران کا علاقہ ظاہر کرتے تھے لیکن حکومت سرکاری طور پر اس کا اعلان کرنے سے گریزاں رہی۔ کبھی کبھی یہ سفارتی اہلکار ہمارے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں اس مسئلے کو کشمیر کے ساتھ بھی منسلک کرتے تھے۔

آیت اللہ خمینی کے اقتدار میں آنے کے بعد ایران کے مذہبی حکمرانوں نے انقلاب برآمد کرنے کے لئے سب سے پہلے بحرین کو اپنا نشانہ بنایا کیونکہ یہاں شیعہ اکثریت میں تھے۔ریڈیو تہران نے بحرین کی شیعہ آبادی (جو 60 فیصد کے قریب ہے) کو متواتر اکسایا اور انہیں ترغیب دی کہ وہ الخلیفہ کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایران کی انقلابی حکومت نے بحرین کے ساتھ اقتصادی اور تجارتی تعلقات میں بھی اضافہ کیا تاکہ ایران کی خفیہ ایجنسیوں کے کارکنوں کو وہاں رسائی کے مزید مواقع مل سکیں اور بحرین میں شیعہ انقلاب لانے کا کام آسان بنایا جا سکے چنانچہ سینکڑوں ایرانی کشتیاں سبزیاں اور پھل لے کر بحرین کی المحرق بندر گاہ پر پہنچتی تھیں اور وہاں سے الیکٹرانکس کا سامان لے کر واپس جاتی تھیں۔

تاہم بحرین کے حکمران ایران کے عزائم سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنے میں کافی محتاط تھے۔ لیکن ان تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود دسمبر 1981 میں بحرین کی پولیس نے منامہ میں شیعوں کی ایک سازش کا پتہ لگایا

جس کے تحت وہ حکومت کے خلاف انقلاب لانا چاہتے تھے۔ ان کا منصوبہ بحرین کے امیر، ولی عہد اور وزیر اعظم کا قتل اور ملک کے مواصلاتی نظام پر قبضہ کرنا تھا۔

1984 میں ایک مطالعہ کے تحت پتہ چلا کہ اگرچہ بحرین کی شیعہ اکثریت کی ہمدردیاں آیت اللہ خمینی کے ساتھ ہیں پھر بھی یہ لوگ ایران کے انقلاب میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے ہیں ۔

اس کے باوجود ایرانی حکمران مقامی شیعوں کے ذریعے بحرین کے ہوٹلوں مارکیٹوں اور دوسری عوامی جگہوں پر بموں کے دھماکے جاری رکھے ہوئے ہیں تاکہ ملک میں انتشار' بے چینی ' بد دلی اور عدم استحکام پیدا کر کے وہاں اپنے مطلب کا انقلاب لانے کے لئے راہ ہموار کی جا سکے۔

مارچ 1992 میں ایران نے خلیج کے جزیرے ابو موسیٰ پر مکمل قبضہ کر لیا جس پر بحرین نے ایران کے اس اقدام کی مخالفت کی۔

ایران کے حکمرانوں نے اس مخالفت پر بحرین کے شیخ پر شدید نکتہ چینی کی اور ایرانی ذرائع ابلاغ نے بھی ان کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔

تہران کے مشہور فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی (27.12.92) نے اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ خلیج رابطہ کونسل (G.CC) کا حالیہ بیان خطہ میں کسی تعاون کی بجائے سازش اور خفیہ مفاہمت کے چٹخارے لیتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ اس خطہ کے شیوخ خود فریبی کا شکار ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ یہ ابھی تک واضح نہیں ہوا کہ بحرین کا شیخ دوسرے شیوخ کے ساتھ کیوں مل گیا۔ اگر ہم نے اپنے قواعد اور اصول تاریخی تمثیلوں یا بنیادوں پر طے کرنے ہیں تو بحرین کے شیخ کو کسی اور جگہ جا کر کوئی اور کاروبار شروع کرنا چاہیئے اور تاریخ کے مطابق اس جزیرے پر ایران کا اقتدار اعلیٰ جو 1971 تک قائم تھا' دوبارہ قائم ہو جانا چاہیئے۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کے وزیر خارجہ کو تاریخ کی بنیاد پر اپنے اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ سنجیدگی سے عالمی سطح پر اٹھانا چاہیئے اور ایران سے بحرین کی علیحدگی

کو کالعدم کرنے کے لئے ایک موثر مہم کا آغاز کرنا چاہیئے۔

اخبار نے مزید لکھا کہ ہمیں خلیج کے بھکے ہوئے شیوخ کو یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ تباہ کن واقعہ (ابو موسی کا واقعہ) کتنا گہرا اور بھیانک ہے۔ اس بحران کے نتیجے میں جو آپ ان کا پیدا کردہ ہے ان کو ضرور سزا ملنی چاہیئے تاکہ ان کو سبق مل سکے۔

یمن

ایران اور عراق کی جنگ کے اختتام تک یمن کی ہمدردیاں صدام حسین کے ساتھ تھیں لیکن اس جنگ کے بعد جب یمن اور ایران کے مابین تجارت میں خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا اور تقریباً" ہر شعبے میں تعاون بڑھنے لگا تو یمن نے ایران سے درخواست کی کہ وہ ملک میں تیل کی تلاش کے لئے اس کی امداد کرے۔

1992 کے شروع میں جب سوڈان' ایران اور اریٹیریا نے بحیرہ قلزم میں جنگی مشقیں کیں تو یمن کو بھی آبزرور (Observer) کی حیثیت سے ان میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا۔

قاہرہ کے عربی اخبار الاکبر (11.12.92) نے یمن اور ایران کے باہمی تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: یہ دیکھتے ہوئے کہ صدام کا ستارہ زوال پذیر ہے' یمن کے صدر نے ایران سے راز و نیاز شروع کر دی اور سوچا کہ اگلا دور جو آئے گا وہ ایران کی اور شیعوں کی بالا دستی کا ہو گا۔

اخبار کے مطابق علی عبداللہ صالح سمجھتا ہے کہ عربوں کے مقابلے میں ایران اس کے زیادہ قریب ہے کیونکہ شمالی یمن میں حکومت کا انتظام زیدی شیعوں کے ہاتھ میں ہے اور عبداللہ صالح خود بھی زیدی شیعہ ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کے شیعوں اور یمن کے زیدیوں میں بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ عبداللہ صالح نے اپنے وزیر خارجہ کرنل غالب الگماش کو تہران کئی مرتبہ بھیجا تاکہ ایران کے ساتھ مل کر باہمی سلامتی کا کوئی نظام قائم کیا جا سکے اور اس نظام (جس کے مقاصد واضح نہیں ہیں) کے لئے پروگرام طے کیا جا سکے۔

اخبار نے بتایا کہ یمن کی سفارتوں میں اس کے تمام فوجی افسر زیدی شیعہ ہیں جو ضروری تربیت کے لئے تہران جاتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں خفیہ تعلقات کی نگرانی یمن کی ایک اعلے شخصیت علی الاناس کے ذمہ ہے۔ یہ شخص

زیدی ہے اور اس کا عہدہ وزیر اعظم کے برابر ہے۔ الاناس نے سلامتی افسر کی ڈگری 1974 میں تہران سے حاصل کی تھی۔

اخبار نے لکھا کہ جو چیز شک و شبہ کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ یمن کے وزیر داخلہ نے عربوں اور اسلامی ملکوں میں متعین اپنے تمام فوجی اتاشیوں کو ایک میٹنگ کے لئے بلایا جہاں ان کو ہدایت کی کہ اپنے عہدوں پر واپس جانے سے پہلے وہ تہران جائیں اور سلامتی کے ایک منصوبے پر کام کریں۔

اخبار نے لکھا کہ سوال یہ ہے کہ عرب اور اسلامی ملکوں میں یمن کے فوجی اتاشی جو سب زیدی شیعہ ہیں تہران میں کس قسم کی تربیت حاصل کرنے گئے۔ کیا تہران اپنی بین الاقوامی دہشت گردی کے لئے اب کوئی اور چور دروازہ تلاش کر رہا ہے؟

خلیج کی سلامتی کا معاہدہ

رضا شاہ پہلوی نے 1965 میں آریہ مہر کا خطاب اختیار کیا' 1967 میں اپنی تاج پوشی کی رسم ادا کی اور 1971 میں ایرانی بادشاہت کی 2500 سالہ برسی نہایت شان و شوکت اور دھوم دھام سے منانے کے بعد مزید تکبر اور جاہ طلبی کے نشے میں سرشار تھا اور اپنی سرحدوں سے پرے دیکھنے لگا تھا۔

1971 میں انگریزوں کے خلیج چھوڑنے کے فوراً بعد شاہ نے بحرین پر اپنے دعوے کا اعلان کر دیا لیکن اقوام متحدہ کی سرپرستی میں ہونے والے ریفرنڈم میں وہاں کے لوگوں نے شاہ کے تحت رہنے کے خلاف فیصلہ دیا۔

گو اس کے نتیجہ میں شاہ اس ریاست پر اپنے دعوے کے سلسلہ میں خاموش ہو گیا لیکن اسی سال اس نے چپکے سے خلیج کے دو جزیروں تمب الکبری اور تمب الصغری (جن کا تعلق متحدہ عرب امارات کی ریاست راس الخیمہ سے تھا) پر مکمل اور تیسرے جزیرے ابو موسی (جو شارجہ کے تحت تھا) پر جزوی قبضہ کر لیا۔ چونکہ شاہ مغرب کا دوست اور اتحادی تھا اس لئے اس طرف سے اس کے خلاف اس کاروائی پر کوئی ردعمل نہ ہوااور اس معاملہ کو مقامی جھگڑے کا نام دے کر ختم کر دیا گیا۔

جب 1979 میں ایران میں شاہ کی جگہ مذہبی طبقہ اقتدار میں آ گیا تو مغرب میں کچھ تشویش پیدا ہوئی گو اب تک یہ واقعات قصہ پارینہ بن چکے تھے تاہم امریکی سرپرستی میں شاہ کی ابھرتی ہوئی طاقت نے خطہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے عرب حکمرانوں کو کافی خوف زدہ کر دیا تھا' جنہوں نے محسوس کیا کہ عرب جزیروں پر ایران کا غاصبانہ قبضہ آئندہ ہونے والے واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس جاہ طلبی کے نشے میں شاہ نے اس خطہ میں اپنی بالا دستی قائم کرنے کے لئے یہ سوچا کہ خلیج کی چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کے ساتھ مل کر علاقے میں سلامتی کا ایک باقاعدہ نظام قائم کیا جائے۔ چنانچہ مئی 1975 میں جب بحرین کے وزیر اعظم تہران آئے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ایران کے ذرائع ابلاغ نے خلیج کی سلامتی کے مجوزہ معاہدے

کے حق میں زبردست مہم بھی شروع کر دی۔

ایرانی اخباروں نے لکھا کہ آبنائے ہرمز سے ہر روز تقریباً" 200 تیل بردار ٹینکر گزرتے ہیں اس راستے میں کسی طرح کی رکاوٹ مغرب کی معیشت تباہ کر کے رکھ دے گی' اس لئے اس گذر گاہ کی حفاظت خلیج کی ریاستوں کے اپنے مفاد میں ہے۔

تاہم بحرین کے وزیراعظم کا مذکورہ دورہ تہران خلیج کی سلامتی سے متعلق کسی معاہدے کا تذکرہ کئے بغیر ہی ختم ہو گیا۔

بعد میں نومبر 1975 میں قطر کے امیر تہران آئے' اس موقعہ پر بھی سلامتی کے معاہدے کے لئے زبردست مہم چلائی گئی لیکن قطر کی طرف سے بھی کوئی خاطر خواہ ردعمل دیکھنے میں نہ آیا۔

اس کے بعد ایرانی وزیر اعظم امیر عباس ہویدا نے اس موضوع پر مزید گفت و شنید کے لئے خلیج کے دیگر عرب ممالک اور سعودی عرب کا دورہ کیا لیکن اسے بھی اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک عرب سفارت کار نے تہران میں کہا کہ شاہ جس نے خلیج میں عرب جزیروں پر غاصبانہ قبضہ کرکے اس علاقہ میں سلامتی کی دھجیاں بکھیری ہیں اب انہی عربوں سے اس سلسلہ میں تعاون کا طلبگار ہے۔

شاہ نے جون 1976 میں قاہرہ کے اخبار الاہرام سے اپنے انٹرویو میں کہا "یہ سب کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایران اپنے دفاع کے معاملات میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتے گا اور خاطر خواہ فوجی طاقت حاصل کرے گا تاکہ اس خطہ کی سلامتی کو یقینی بنایا جا سکے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر دوسرے ممالک بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں وگرنہ یہ فریضہ ایران اکیلا ہی سر انجام دے گا"۔

1978 کے شروع میں امریکہ کی سینیٹ کمیٹی نے خلیج میں امریکی مفاد کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اگر ایران کو خلیج کی کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے لئے کہا گیا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایران کو اس کردار کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

ایران کے نئے وزیر اعظم جمشید آموزگار نے کویتی اخبار السیاسہ کو 25 جون 1978 کو بتایا کہ ایران پچھلے دس سالوں سے خلیج کے عرب ممالک کو سلامتی کے معاہدے کے لئے پیش کش کرتے کرتے تھک چکا ہے۔

آموز گار نے کہا کہ ایران چاہتا تھا کہ خلیج سے انگریز کے انخلاء کے بعد اس علاقے میں خلا کو پر کیا جائے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران کی بے پناہ فوجی طاقت نے اس کے خلاف عربوں میں شکوک و شبہات اور بے اعتمادی پیدا کر دی ہے اور وہ ایران کے ساتھ اس منصوبہ پر تعاون کرنے سے خائف ہیں۔

فروری 1979 میں آیت اللہ خمینی نے شاہ کی جگہ لیتے ہی امارات کے خلاف ڈنکے کی چوٹ پر اپنی نفرت کا اظہار کر دیا اور اعلان کیا کہ ان کا انقلاب سلاطین' امراء اور شیوخ کو جلد ہی کچل کر رکھ دے گا۔

اس دھمکی کے نتیجے میں خلیج کے عرب حکمرانوں کو اندیشہ لاحق تھا کہ اگر ایران کو عراق کے ساتھ اپنی جنگ میں فتح حاصل ہو گئی تو شیعہ ایران جنوب کی سنی عرب ریاستوں پر بلا تاخیر چڑھ دوڑے گا۔

چنانچہ 1981 میں ایران کے جنگی جہازوں کی کویت کی فضائی حدود کی خلاف ورزی' مکہ مکرمہ میں ایرانی شرپسندوں کا دوسرے تخریب کاروں سے مل کر گڑ بڑ پھیلانا اور بحرین میں حکومت کے خلاف ایرانی شیعوں کی انقلاب لانے کی کوششوں نے عربوں کے اس شک کو یقین میں بدل دیا کہ ایران خلیج کے علاقے میں عرب ممالک کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن گیا ہے۔

اس خطرہ کے پیش نظر اسی سال سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' متحدہ عرب امارات اور اومان نے یکجا ہو کر اپنے مشترکہ مفاد کی حفاظت (اور بضرورت تحفظ) کے لئے خلیج میں رابطہ کونسل (Gulf Cooperation Council) تشکیل دی اور کہا کہ یہ خالص دفاعی معاہدہ ہے۔

ایران نے اس معاہدے کی مخالفت کی اور کہا کہ ایران اس خطہ میں سب سے بڑا اور طاقتور ملک ہونے کی حیثیت سے خلیج کی سلامتی کے ہر معاہدے میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔

عراق کے ساتھ اپنی جنگ سے فارغ ہو کر ایران نے اس منصوبہ پر اپنے لائحہ عمل کو زیادہ زور دار طریقے سے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ ایران کے نائب صدر حسن حبیبی نے جولائی 1991 کو واضح کیا کہ ایران کی شرکت کے بغیر خلیج کی سلامتی کے متعلق کوئی معاہدہ ممکن نہیں ہے۔

ایران کے نیم سرکاری اخبار تہران ٹائمز (18.9.91) نے لکھا کہ اس علاقے کی سلامتی کے سلسلہ میں بہترین حل یہ ہے کہ خلیج کی عرب ریاستیں ایران کے ساتھ مل کر معاہدہ کریں۔

اخبار نے لکھا کہ اس ضمن میں تمام غلط فہمیوں کی اصل وجہ خطہ کے ملکوں میں ایران سے متعلق موجودہ شکوک و شبہات اور بدگمانیاں ہیں جو اسلام دشمن طاقتوں نے ان ملکوں میں پیدا کر رکھی ہیں۔

جولائی 1992 میں واشنگٹن پوسٹ نے لکھا کہ خلیج کی سلامتی کے لئے سب سے بڑی تشویش ایران کے تیزی سے مسلح ہونے کا عمل ہے جس نے بہترین جنگی جہاز، جدید ٹینک اور میزائیل، یہاں تک کہ بحری آبدوزیں تک حاصل کر لی ہیں اور حال ہی میں اس نے خلیج میں بری اور بحری مشقیں کی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاروائی ایرانی فوج کو خلیج کے اس پار اتارنے کے لئے ایک ریہرسل ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ ایران کے خواہ کچھ بھی ارادے ہوں لیکن اس کے پڑوسی ملکوں کو اپنی فوجی صلاحیتوں کا جائزہ لینا ہو گا۔ جو لوگ سعودی عرب کے اسلحہ خریدنے کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں کہ اسلحہ کے حصول کے معاملے میں ایران اپنے پڑوسیوں سے کہیں زیادہ آگے ہے۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ ایک افواہ جو پچھلے کئی مہینوں سے مشرق وسطے اور یورپی حلقوں میں گشت کر رہی ہے اس کے مطابق گزشتہ سال قازقستان کے ایٹمی ذخیرے سے تین ایٹمی میزائیل گم ہو گئے تھے اور یہ کہ روسی خفیہ اداروں کو یقین ہے کہ ان میں سے دو ایران کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق اپریل 1992 میں ایران نے ابو موسیٰ کے پورے جزیرے پر قبضہ کر لیا اور وہاں شارجہ کے تمام ادارے (اسکول، ہسپتال، وغیرہ)

بند کر دیئے۔ یہ کاروائی ایران کی گذشتہ گیارہ روزہ جنگی مشقوں کا پہلا فوری نتیجہ تھا۔ اگر ایران کی اس تمام کاروائی کو معمولی بھی سمجھ لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے اپنے اس جارحانہ اقدام کا یہ کون سا موقع تھا۔

ایران اور وسطی ایشیا کی آزاد ریاستیں

ایران نے وسطی ایشیا کی ریاستوں کے آزاد ہونے سے پہلے ہی ان کی آؤ بھگت اور خوشامد شروع کر دی تھی اور ان کے ساتھ سیاسی ' اقتصادی' تجارتی اور ثقافتی معاہدوں کے ذریعے اپنے روابط بڑھانے شروع کر دیئے تھے۔

دسمبر 1991 میں ایک ایرانی وزیر نے کہا کہ وسطی ایشیا کی شکل میں قدرت نے ایران کے لئے ایک نیا سیاسی' اقتصادی اور ثقافتی میدان فراہم کیا ہے اور یہ فطری تقاضا ہے کہ ایران اس حقیقت کی تکمیل کے لئے بلا تاخیر اقدام اٹھائے اور تمام ذرائع بروئے کار لائے۔

لندن کے اخبار سنڈے ٹائمز (26.1.92) کے مطابق ایران کے ایٹمی پروگرام سے تعلق رکھنے والے طائفے وسطی ایشیا کی مختلف ریاستوں میں چکر لگا رہے ہیں اور وہاں کے بے کار' دلبرداشتہ اور پریشان حال ایٹمی سائنس دانوں کا پیچھا کر رہے ہیں۔

اخبار نے ان سائنس دانوں کے نام بھی بتائے جن سے رابطہ کیا گیا ہے اور لکھا کہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان میں سے کس کس نے ایران سے باقاعدہ معاہدوں پر دستخط کئے ہیں۔

ان آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ کی افواج کے روسی سربراہ نے فروری 92 میں برملا اعلان کیا کہ ان کی تنظیم ایران کو کسی قسم کا اسلحہ برآمد نہیں کرے گی اور اس بات کو یقینی بنائے گی کہ ان کے ہتھیار کسی انتہا پسند حکومت کے ہاتھ نہ لگیں۔

انہوں نے ان اطلاعات کی تصدیق کرنے سے بھی انکار کیا کہ ایران پہلے ہی کئی ریاستوں سے مختلف قسم کے ہتھیار 'لڑاکا' جہاز اور ٹینک حاصل کر چکا ہے۔

ریڈیو ماسکو (26.2.92) نے بتایا کہ ایران نے وسطی ایشیا کی اسلامی ریاستوں میں 1300 سے زیادہ شیعہ مبلغ بھیج رکھے ہیں تاکہ وہاں اپنا مذہبی اثر و رسوخ بڑھا سکے۔

لندن کے ماہانہ میگزین مڈل ایسٹ نے اپنی مارچ 92 کی اشاعت میں لکھا کہ وسطی ایشیا کی آزادی کے فوراً" بعد ایرانی وزیر خارجہ کا ان ریاستوں کا دورہ ظاہر کرتا ہے کہ ایران اس علاقے میں اپنا سیاسی اور مذہبی اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے کتنا بیتاب اور خواہش مند ہے۔

اخبار نے لکھا کہ شمال میں اپنے نئے پڑوسیوں کی طرف ایران کی خصوصی توجہ کا مقصد ایک تو ان ریاستوں سے ترکی کے تعلقات اور ان کے اثرات کا مقابلہ کرنا ہے اور دوسرے ان خشکی سے گھرے ہوئے ملکوں اور باہر کی دنیا کے درمیان آمد و رفت اور تجارت کے لئے ایک پل فراہم کرنا ہے۔

بغداد کے عربی روز نامہ القدسیہ (11.4.92) نے وسطی ایشیا میں ایران کی دوڑ دھوپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ان کا مقصد نئے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے سیاسی اور فوجی مفاد کے لئے کام میں لانا ہے جو ان کے سابقہ قدیم سامراجی خوابوں کا ایک حصہ ہے۔

اخبار نے لکھا کہ ایران کا ایک مقصد ان ریاستوں میں رہنے والے ایٹمی سائنس دانوں اور ماہرین کے علم اور تجربات سے فائدہ اٹھانا بھی ہے۔

ایرانی کردستان کے خفیہ ریڈیو نے اپنے تبصرہ (22.5.92) میں کہا کہ روسی اتحاد کے پارہ پارہ ہونے اور اس کی جنوبی مسلم ریاستوں کی آزادی کے فوری بعد ایران کے مذہبی حکمرانوں نے وہاں کے اندرونی معاملات میں مختلف طریقوں سے مداخلت کی بھرپور کوششیں شروع کر دی ہیں۔

ریڈیو نے کہا کہ ان حکمرانوں کا منصوبہ ان ریاستوں میں ایران کے حمایتی گروپ تشکیل دینا ہے تاکہ یہ وہاں اپنی شرانگیز کاروائیاں شروع کر سکیں' لوگوں کے مذہبی جذبات کو ہوا دے سکیں اور اپنے آپ کو وہاں مسلمانوں کا خیر خواہ اور سرپرست ظاہر کر سکیں۔

ترکمانستان

آذر بائیجان کے بعد ترکمانستان وسطی ایشیا کی دوسری ریاست ہے جس کی سرحدیں ایران سے ملتی ہیں۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ تجارت اور آمد و رفت کے لئے ضروری تھا کہ ایران ترکمانستان کے ساتھ ذرائع مواصلات کو ترقی دے۔

دسمبر 1991 میں ایران کے وزیر خارجہ علی اکبر ولائتی نے ترکمانستان کے صدر ظفر مراد نیازوف کے ساتھ اشک آباد میں اپنی ملاقات میں جن معاملات پر تبادلہ خیال کیا ان میں دونوں ملکوں کے درمیان ہوائی اور ٹیلیفون کے رابطہ کے علاوہ ریل اور سڑکوں کی تعمیر شامل تھی۔

صدر سے ملاقات کے بعد ولائتی نے بتایا کہ ان کو یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ اب سال شمسی کے آغاز کے دن یعنی نوروز پر ترکمانستان میں ہر سال چھٹی ہوا کرے گی اور اس دن سرکاری طور پر جشن منایا جائے گا۔

اطلاعات کے مطابق خود تیل پیدا کرنے والے ملک ایران میں اس کے شمالی اور مشرقی علاقوں میں عام لوگوں کو تیل مہیا نہیں ہوتا تھا اس لئے ایران نے ان علاقوں کو تیل سپلائی کرنے کے لئے ترکمانستان سے معاہدہ کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ ترکمانستان کا تیل دوسرے ملکوں کو اب خلیج کے راستے برآمد ہو سکے گا۔

ایک اور معاہدے کے تحت ایران اور ترکمانستان میں سرحدوں کے قریب رہنے والے لوگ اب دونوں ملکوں میں 45 کیلو میٹر تک کسی پابندی کے بغیر آزادی سے آ جا سکیں گے۔

مارچ 1992 میں ایران نے ترکمانستان کو 50 ملین ڈالر کا قرضہ دیا۔ ایک بیان میں کہا گیا کہ ایران ایسے ہی قرضے وسطی ایشیا کی دوسری ریاستوں کو بھی دے گا تاکہ ان کے لئے ایرانی سامان کی خرید کو آسان بنایا جا سکے۔

ایران کے مرکزی بنک کے سربراہ نے کہا کہ ایران ترکمانستان کو کاریں'

دوائیں' اشیائے خوردنی اور مختلف قسم کی مشینیں برآمد کرے گا اور وہاں کے بنکوں اور کسٹمز کے عملے کو تربیت دے گا۔

ایک اور معاہدے کے تحت ایران نے ترکمانستان کے ساتھ سائنسی معلومات کے تبادلہ کا بھی پروگرام بنایا۔

ایران کے ایک خفیہ ریڈیو نے بتایا کہ ایرانی حکمرانوں نے حال ہی میں چھ روسی ایٹمی ماہرین کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔

اس ریڈیو کے مطابق ترکمانستان نے ایران کو بھاری پانی کی متعدد تجربہ گاہیں اور یورینیم کی افزودگی کے لئے ضروری سازو سامان بھی فراہم کیا ہے۔

بی بی سی (BBC) (19.4.92) کے مطابق ترکمانستان کے صدر نے ایران اور سعودی عرب کو خبردار کیا ہے کہ افغانستان میں مذہبی بنیاد پرستی نہ پھیلائی جائے۔

مئی 1992 میں طے پایا کہ ایران اپنا ایک ثقافتی مرکز اشک آباد میں قائم کرے گا ۔ صدر رفسنجانی نے اپنے دورے کے دوران وہاں ایک ایرانی کاروباری مرکز اور ایرانی بنک کی شاخ کا افتتاح بھی کیا۔

ایک اور معاہدے کے تحت ایرانی مال بردار گاڑیاں اور ٹرک ترکمانستان کے راستے اب وسطی ایشیا کی دوسری ریاستوں کو سامان لے جاسکیں گے اور ترکمانستان کے ٹرک وغیرہ ایران کے مشرقی اور جنوبی حصوں میں اپنا سامان پہنچا سکیں گے۔

اپنی برآمدات کو فروغ دینے کے لئے ایران اب اشک آباد میں ایک بین الاقوامی ہوٹل اور سپر مارکیٹوں کا ایک سلسلہ بھی تعمیر کرے گا۔

ترکمانستان کے صدر نے غیر ملکی اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے زور دے کر کہا (16.3.93) کہ وہ اپنے ملک میں "اسلامی فعالیت کو کسی طور بھی پھیلنے نہیں دیں گے۔

قازقستان

قازقستان میں ایران کی دلچسپی اپنے تجارتی اور اقتصادی مفاد کے علاوہ اس وجہ سے بھی تھی کہ اس وسیع ریاست میں روس کے ایٹم بموں کے ذخائر تھے اور ایٹمی سائنس دان اور دوسرے ماہرین بڑی تعداد میں یہاں رہائش پذیر تھے۔

ایران نے قازقستان سے اس کے آزادی حاصل کرنے سے پہلے ہی اپنے تعلقات بڑھانے شروع کر دیئے تھے۔ نومبر 1991 میں ایرانی وزیر خارجہ ولایتی کے دورہ کے دوران ایران نے الماتی میں اپنا کونسل خانہ قائم کر لیا تھا اور دونوں ملکوں نے ریلوے لائن کے ذریعے قازقستان کے راستے چین کو خلیج سے ملانے کے لئے منصوبہ پر رضا مندی ظاہر کر دی تھی۔

پیرس کے ہفتہ وار عربی اخبار الوطن العربی (27.12.91) نے بتایا کہ روس کی نئی آزاد ریاستوں' خاص طور پر قازقستان میں اس وقت تقریباً" 27000 ایٹمی ہتھیار ہیں اور ان کو کوئی بھی خرید سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان ریاستوں میں 10 ہزار سے 20 ہزار تک روسی سائنس دان اور دوسرے ماہرین موجود ہیں جو اس وقت بے کار ہیں اور کسی دوسری جگہ کام کرنے کے لئے نئے موقعوں کی تلاش میں ہیں۔

اخبار نے خبر دی کہ ایران نے پہلے ہی ان ماہرین سے رابطے شروع کر رکھے ہیں اور ان کو ایران میں کام کرنے کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں اور دوسری مراعات کی پیشکش کی ہے اور آج اخبار الوطن العربی وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ ایران نے تین روسی ایٹمی بم حاصل کر لئے ہیں۔ 50 سے زیادہ روسی سائنس دانوں کی خدمات خرید لی ہیں اور انہوں نے ایران کی ایٹمی تجربہ گاہوں میں کام شروع کر دیا ہے۔

جرمنی کے اخباروں نے روس کے خفیہ اداروں کے حوالے سے خبر دی

کہ ایران نے قازقستان سے دو ایٹم بم اور کیریر سسٹم حاصل کر لئے ہیں لیکن اس کے پاس دھماکہ کرنے کا کوئی ماہر نہیں ہے۔

ہمبرگ کے ہفتہ وار اخبار ستان' نے بتایا کہ ممکن ہے تہران ابھی ان ہتھیاروں کو استعمال میں نہ لانا چاہتا ہو بلکہ آئندہ خود اپنے ہتھیار بنانے کے لئے ان کا تفصیلی معائنہ کرنا چاہتا ہو۔

لندن کے ہفتہ وار اخبار یورپین (European) (30.4.92) نے بھی اطلاع دی کہ ایران نے قازقستان میں گم ہونے والے ایٹم بموں میں سے دو بم حاصل کر لئے ہیں۔ اخبار کے مطابق یہ اطلاع روس کے خفیہ ادارے نے امریکی سی آئی اے (CIA) کو بھیجی ہے۔

اخبار کے مطابق لندن میں مقیم مشرق وسطی کے ایک ایٹمی ماہر مظہر تیموریاں نے کہا "ایران کے ایٹمی ماہر کئی مہینوں سے وسطی ایشیا کی ریاستوں' خاص طور پر قازقستان میں ایٹمی اسلحہ اور سائنس دانوں کے پیچھے سرگرداں رہے ہیں اور اپنے مقاصد کو آسان بنانے کے لئے انہوں نے وہاں ہوٹل تک خرید رکھے ہیں"۔

تیموریاں نے کہا کہ ایرانی حکمران ایٹم بم حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہو رہے ہیں اور اگر انہوں نے دو سے زیادہ بھی بم حاصل کر لئے ہیں تو یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔

لندن کے فارسی اخبار کیہان (30.7.92) نے اطلاع دی کہ ایران نے حال ہی میں ایک قازق سائنس دان کی خدمات حاصل کر لی ہیں اور اس کو 5000 ڈالر ماہانہ تنخواہ' رہائش اور دوسری مراعات دی جا رہی ہیں۔

لندن کے سنڈے ٹائمز کے حوالے سے اس اخبار نے اطلاع دی کہ یہ ایٹمی ماہر جس کا نام آندرے (Audre) ہے پہلے اسرائیل گیا کیونکہ اس کی بیوی یہودی ہے۔ وہاں اس کو اپنی مرضی کا کوئی کام نہ ملا تو وہ آسٹریا چلا گیا اور ویانا میں وہ ایرانیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔

قازقستان کے وزیر اعظم نے یروشلم آنے پر اسرائیل کو یقین دلایا (7.9.92) کہ ان کا ملک ایران کو یا کسی دوسرے ملک کو ایٹمی ہتھیار ہرگز نہیں بیچے گا۔

قازقستان کے صدر نور سلطان نذر بائیوف کے نومبر 1992 میں تہران آنے پر دونوں ملکوں کے درمیان متعدد معاہدوں پر دستخط ہوئے جن میں تیل، گیس، مواصلات، بنک، تجارت، ثقافت اور کھیلوں کے معاہدے نمایاں تھے۔

ایران کے وزیر ثقافت نے کہا کہ ایران قازقستان میں تاریخی مقامات کی دیکھ بھال میں مدد دے گا اور یونیورسٹی کے استادوں اور طالب علموں کا تبادلہ کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ایران قازقستان میں ایک لائبریری بھی قائم کرے گا۔

ایران کی خبر ایجنسی ارنا نے بتایا (3.10.93) کہ ایران اور قازقستان کو ریل سے ملانے کا منصوبہ 1995 تک مکمل ہو جائے گا اور اس طرح وسطی ایشیا کی تمام ریاستوں کو خلیج میں بندر عباس تک ریل کے ذریعے رسائی ممکن ہو جائے گی۔

تاجکستان

تاجکستان میں فارسی سے ملتی جلتی زبان (تاجک) بولنے اور اس کو سرکاری حیثیت حاصل ہو جانے کی وجہ سے یہ ملک ایران کو وسطی ایشیا کی باقی ریاستوں سے زیادہ عزیز تھا۔ ایران پہلا ملک تھا جس نے جنوری 1992 میں تاجکستان کے دارالخلافہ دوشنبہ میں اپنا سفارت خانہ قائم کیا اور ساتھ ہی وہاں سکولوں میں استعمال کے لئے درسی کتابوں کی پیش کش کی۔ اب ایران کا پروگرام ہے کہ دونوں ملکوں کو ہوائی اور زمینی آمدورفت کے ذریعے جلد از جلد منسلک کر دیا جائے۔

مشکل یہ تھی کہ تاجک زبان پچھلے ستر سال سے روسی رسم الخط میں لکھی جا رہی تھی اور اب ایران کی یہ کوشش تھی کہ یہ زبان فارسی رسم الخط میں لکھی جائے۔ چنانچہ ایک معاہدے کے تحت ایران نے اس مقصد کے لئے ضروری کتابیں چھاپ کر تاجکستان میں تقسیم کرنے اور تاجک لوگوں کو صحیح فارسی بولنے اور لکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچانے کی پیشکش کی۔

ایک اور مشکل یہ تھی کہ دونوں ملکوں کی سرحدیں مشترک نہ تھیں اور ایران کو تاجکستان سے رابطے کے لئے افغانستان یا ترکمانستان اور ازبکستان سے راہداری کی ضرورت تھی، اسی وجہ سے ایران نے ترکمانستان سے اپنے زمینی رابطے آسان بنانے کے لئے سڑکوں اور ریلوے لائن کی تعمیر شروع کر دی تھی۔ دوسری طرف ایران نے جنرل دوستم (جن کا شمالی افغانستان میں اثر و رسوخ تھا) سے رشتے مضبوط کرنے شروع کر دیئے تا کہ تاجکستان میں آمدو رفت کے لئے کوئی سیدھا اور آسان زمینی راستہ حاصل کیا جاسکے۔

روس کی خفیہ تنظیم نے یہ بھی خبر دی کہ ایران ازبکستان، تاجکستان اور افغانستان کے فارسی بولنے والے علاقوں پر مشتمل ایک پرشین سٹیٹ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ ایران اپنے اس منصوبے کی کامیابی تک ان علاقوں میں امن قائم نہیں ہونے دے گا۔

تاجکستان کی حکومت اسلامی بنیاد پرستی کے سخت مخالف تھی۔ باوجود اس

کے ایران نے وہاں اپنے عقیدے کی تشہیر شروع کر دی اور تاجک مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے حکومت کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں خانہ جنگی کی سی صورت حال پیدا ہو گئی۔

تاجکستان کے مذہبی طبقہ کا ایک وفد 11.2.92 کو تہران آیا۔ ایران کے وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی نے ان سے اپنی ملاقات میں پیش کش کی کہ ایرانی ماہرین تاجکستان میں مسجدوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے تیار ہیں اور تاجک طالب علم ایران کے تعلیمی مراکز اور مذہبی سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آ سکتے ہیں۔

بی بی سی (BBC) نے 22.2.93 کو بتایا کہ ایران نے تاجکستان اور افغانستان کے شیعہ مجاہدین سے ایک معاہدہ کیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کہ اس معاہدہ کا اصل مقصد کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے اپنے عزائم ہیں اور وہ اس خطہ میں اپنے انقلاب کو برآمد کرنا چاہتا ہے۔

ایران کا ایک ٹرانسپورٹ جہاز نو روز کے موقعہ پر اشیائے ضرورت اور دیگر تحائف لے کر 19.3.92 کو دو شنبہ پہنچا اس موقعہ پر ایرانی سفیر نے کہا کہ ایک اور ایرانی جہاز ایسا ہی سامان لے کر عید الفطر کے موقعہ پر بھی دو شنبہ پہنچے گا۔

لندن میں چھپنے والے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (اپریل 92) نے اطلاع دی کہ ایران اور وسطی ایشیا کی مختلف ریاستوں کے مخالفانہ بیانات اور عوامل میں تضادات اور بے آہنگی نے ایران اور تاجکستان کے تعلقات میں بحران کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

اخبار نے بتایا کہ تاجکستان کی وزارت خارجہ کی دعوت پر دوشنبہ جانے والے ایرانی جہاز کو جس میں ایران کے نائب صدر اور ان کے وفد کے 30 دوسرے اہلکار سوار تھے 20 مارچ 1992 کو دوشنبہ ایر پورٹ پر اترنے کی اجازت نہ دی گئی جس وجہ سے جہاز کو واپس تہران جانا پڑا۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ اس واقعہ پر کوئی فساد کھڑا نہ ہو، ایران میں اس خبر کو شائع ہونے سے روک دیا گیا لیکن دو شنبہ میں اخباروں نے اس خبر کو چھاپ دیا۔

لندن کے ماہنامہ نے بتایا کہ ایران کے حمایتیوں نے دوشنبہ میں صدارتی محل کا گھیراؤ کر لیا اور صدر سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔

ریڈیو دو شنبہ کے مطابق (31.3.92) تاجکستان کے وزیر خارجہ نے بتایا کہ تہران سے آنے والے جہاز کے متعلق حکومت کے کسی اہلکار کو کوئی خبر نہ تھی۔ انہوں نے کہا " مجھے 20 مارچ کی شام کو ایرانی سفیر کے ذریعہ اس کی آمد کا پتہ چلا لیکن دو شنبہ ایر پورٹ پر اس جہاز کے آنے کی کسی کو اطلاع نہ تھی اور نہ ہی ہماری طرف سے کوئی اجازت دی گئی تھی"۔

وزیرخارجہ نے کہا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جہاز کے واپس کرنے میں تاجک حکومت کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

تاجک وزیر خارجہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا : " کچھ دن پہلے میں نے تہران میں ایک میٹنگ میں شرکت کی تھی جس میں ایرانی وزیر خارجہ ولایتی اور افغانستان کے اسلامی جمعیت کے سربراہ برہان الدین ربانی بھی موجود تھے' اس میٹنگ میں تاجکستان اور افغانستان میں فارسی زبان کو فروغ دینے کے لئے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا تھا"۔

ریڈیو تاجکستان کے مطابق (9.5.92) دو شنبہ میں سفارت ایران نے یہاں چند دن پہلے مارے جانے والے تاجک مسلمانوں کی یاد میں اپنا قومی پرچم سرنگوں رکھا اور ایک بیان میں ان واقعات پر افسوس کا اظہار کیا۔

اسی ریڈیو نے 21.5.92 کو اطلاع دی کہ تاجکستان کی سالیڈیرٹی سوسائٹی (Solidarity Society) (جو تاجکوں اور دنیا میں فارسی بولنے والے لوگوں میں قریبی تعاون کے لئے کام رہی ہے) کے سرگرم کارکنوں نے دوشنبہ میں ایرانی سفیر سے ملاقات کی اور اپنی کاروائیوں سے ان کو آگاہ کیا۔

ایران کے انگریزی روزنامہ کیہان انٹرنیشنل (9.6.92) نے بتایا کہ تاجک ٹی وی نے کل پہلی بار ایرانی ٹی وی کے پروگراموں کو ٹیلی کاسٹ کیا۔ اخبار کے مطابق تاجک ٹی وی کے سربراہ نے کہا کہ یہ واقعہ 70 سال کی جبری علیحدگی کے بعد تاجکوں اور ایرانیوں کے ثقافتی ملاپ کی نشان دہی کرتا ہے۔

ایرانی وزیر خارجہ ولایتی نے تاجک صدر کو تہران میں بتایا (1.7.92) کہ

ایران تاجکستان کے طالب علموں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں درسی کتابیں چھاپ رہا ہے اور ان کے نوجوان سفارتی عملے (Diplomats) کو تربیت دے رہا ہے۔

لندن کے ہفتہ وار اخبار میڈ (MEED) کے مطابق (10.7.92) ایران نے تاجکستان کو 50 ملین ڈالر قرضہ کی پیش کش کی ہے۔ صدر رفسنجانی نے کہا کہ ہمیں اس نئی آزاد مسلمان اور فارسی بولنے والی ریاست کی ہر طرح مدد کرنی چاہیئے تاکہ تاجک قوم جلد سے جلد اپنی معمول کی زندگی شروع کر سکے۔

لندن میں چھپنے والے فارسی اخبار کیہان (30.7.92) کے مطابق ایران اور تاجکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے نسلی' لسانی اور مذہبی اقدار کو بنیاد بنا کر ایک مشترکہ قومی ترانہ ترتیب دیا جائے جس کا نام "اتحاد کی پیدائش" رکھا جائے۔

اخبار نے بتایا کہ اس ترانے کی تجویز ایران کے ایک وزیر نے پیش کی تھی۔

اسی اخبار نے 4.8.92 کو تاجکستان میں ایران کے سفیر کا انٹرویو چھاپا۔ سفیر نے کہا: "تاجک قوم 70 سال کیمونسٹ حکومت کے تحت رہنے کی وجہ سے ملک میں ابھی اسلامی انقلاب لانے کے قابل نہیں ہے"۔

انہوں نے بتایا کہ پچھلے کچھ عرصہ سے اس ملک میں جو مختلف سیاسی اور مذہبی گروہ بنے' وہ سب ہی فارسی بولنے والے ملکوں کی ایک متحدہ حکومت بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایرانی سفیر نے کہا کہ تاجک لوگ اپنی نسل' تاریخ اور ثقافت کو ایران سے الگ نہیں سمجھتے اور تاجکستان کو ایران کا ہی ایک حصہ اور "چھوٹا ایران" کہتے ہیں۔

لندن کے اسی اخبار مورخہ 6.8.92 نے اطلاع دی کہ تاجک ٹی وی سے ایران کے فارسی پروگرام جو ہر روز ایک گھنٹہ کے لئے ٹیلی کاسٹ کئے جاتے تھے اچانک یہ کہہ کر منسوخ کر دیئے گئے ہیں کہ ان پروگراموں کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

اخبار نے بتایا کہ ایران کے احتجاج کے باوجود ان پروگراموں کو دوبارہ

شروع نہیں کیا گیا۔

ایران کے نائب وزیر خارجہ مسعود وائنزی نے بیرونی خبر رساں ایجنسیوں کی اس رپورٹ کو رد کر دیا کہ ایران تاجکستان میں ایک اسلامی حکومت بنانے کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ اس سے پہلے ازبکستان کے صدر کریموف نے الزام لگایا تھا کہ تاجکستان میں خون ریزی کے ذمہ دار بنیاد پرست مسلمان ہیں۔

اس کے بعد تاجکستان میں ایران کے سفیر نے بھی ان الزامات کی تردید کر دی کہ ان کا ملک تاجکستان میں ایک گروہ کو اسلحہ سپلائی کر رہا ہے۔

تہران کے روز نامہ تہران ٹائمز نے اطلاع دی (8.12.92) کہ کیمونسٹوں کے طرفدار گروہوں نے دو شنبہ میں ایران کی خبر رساں ایجنسی ارنا کے دفتر پر قبضہ کر لیا ہے۔

اسی اخبار نے ایرانی وزارت خارجہ کا ایک بیان شائع کیا (9.12.92) جس میں کہا گیا کہ تاجکستان میں اسلام کو دبانے کے لئے بیرونی مداخلت کے آثار ملتے ہیں۔

دو ہفتوں کے بعد (23.12.92) ایرانی حکومت نے تاجکستان میں اسلامی قوتوں کی شکست پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔

اس سے پہلے اطلاعات میں کہا گیا تھا کہ ایران نے تاجکستان میں اسلامی قوتوں کو مضبوط کرنے کی زبردست کوشش کی تھی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

تہران کے نیم سرکاری انگریزی اخبار تہران ٹائمز (23.12.92) نے تاجکستان میں اسلامی قوتوں کی شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ سب سے حیران کن اور غیر متوقع بات روس اور ازبکستان کی طرف سے تاجکستان میں مداخلت ہے۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ صدر یلسن جو ماسکو میں کیمونسٹوں سے لڑ رہے ہیں' تاجکستان میں ان کو اور زیادہ مضبوط کر رہے ہیں۔ اور ان کو ٹینکوں اور بندوقوں سے مسلح کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے قتل عام پر اکسا رہے ہیں۔

اخبار نے لکھا کہ دوشنبہ میں حکومت کے اہلکار اپنے لوگوں کی حفاظت سے پہلو تہی کر رہے ہیں جبکہ کیمونسٹوں کو مسلمانوں کے قتل عام کے لئے کھلے

اشارے دے رہے ہیں۔

تہران کے فارسی روز نامہ سلام (8.2.93) نے روس کو خبر دار کیا کہ اگر اس نے تاجکستان میں حالات کو سدھارنے کے لئے اقدامات نہ کئے تو اسے افغانستان سے کہیں زیادہ خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

اخبار نے پیشگوئی کی کہ تاجکستان میں اسلامی قوتیں منظم ہو کر جلد ہی دوشنبہ میں ماسکو کی تابع حکومت کو تہ و بالا کر دیں گی اور اس طرح تمام وسطی ایشیا میں روس کے خلاف سخت نفرت پھیل جائے گی۔

ایران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی (27.2.93) نے تاجکستان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے تاجک مسلمانوں کے قتل عام پر دنیا کی بے توجہی پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ تاجکستان میں لوگوں کی اسلامی امنگوں کے ابھرنے سے وہاں کے کیمونسٹ حکمران بوکھلا گئے تھے اور انہوں نے ان پر جنگ مسلط کر دی۔

اخبار نے لکھا کہ ماسکو اور اس کے شرکا کی یہ سوچ کہ وسطی ایشیا کے مسلمانوں (جنہوں نے 70 سال کے بعد اپنی شناخت دریافت کی ہے) کو دبانے سے ان کے مسائل حل ہو جائیں گے ایک بہت بڑی بھول ہے۔ اس علاقے میں لوگوں کا پہلا اٹل مطالبہ "اسلام" ہے اور اسے وہ حاصل کر کے رہیں گے۔

اخبار نے لکھا کہ تاجکستان کے کچھ علاقوں میں اسلامی حکومت کا اعلان اس مطالبہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

ایران کے وزیر تعلیم نے 2.8.93 کو بتایا کہ ایران تاجکستان کے طالب علموں کی فارسی زبان کو بہتر بنانے کے لئے 10 لاکھ درسی کتابیں بھیج رہا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ آذر بائیجان ، ترکمانستان اور تاجکستان میں ایرانی سکول بھی کھولے جا رہے ہیں اور ان ملکوں کے یونیورسٹی کے طالب علموں کو ایران میں درسی تربیت دینے کا بھی پروگرام بنایا گیا ہے۔

لندن سے شائع ہونے والے انگریزی ماہنامہ ایکو اوف ایران (جولائی 93) نے اطلاع دی کہ تاجکستان کی حکومت نے ایرانی ٹی وی اور ریڈیو کے تمام

پروگرام دکھانے پر سخت پابندی عائد کر دی ہے۔

ایران کے فارسی روز نامہ سلام (4.8.93) نے اپنے تبصرے "ایران کی ثقافتی قلمرو خطرہ میں" میں لکھا کہ "تاجک لوگ اپنے آپ کو ایرانی قوم سے الگ نہیں سمجھتے ہم ایک قوم ہیں، ہماری ثقافت ایک ہے اور ہم دونوں ایک ہی زبان یعنی فارسی بولتے ہیں......... تاجکستان میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان ہے .... اگر اس ملک میں کیمونسٹ حکومت قائم رہی تو تاجکستان میں اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا..."

اخبار نے لکھا "ایرانی حکومت اور ایرانیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فارسی بولنے والے تاجک لوگوں کو صرف ان کی ایران کے لئے محبت کی پاداش میں سزا دی جا رہی ہے اس قتل عام پر ہماری خاموشی ناقابل معافی ہے"۔

اخبار نے لکھا کہ "ہماری وزارت خارجہ تاجکستان میں خطرناک حالات پر ایک خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ تاجکستان ہماری ثقافتی اور تہذیبی قلمرو کا ایک حصہ ہے اور ہمیں اس طرف باقی ملکوں سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے"۔

تہران کے فارسی روز نامہ اطلاعات (8.9.93) نے تاجکستان میں ایرانی سفیر کے حوالے سے بتایا کہ سفارت ایران نے دوشنبہ میں 300 نشستوں کا ایک ہال کرایے پر لے لیا ہے جہاں ایرانی فلمیں دکھائی جائیں گی۔

انہوں نے کہا کہ اب تک ایران کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہوئی 7000 کتابیں تاجک سکالروں میں بانٹی جا چکی ہیں اور فارسی زبان پر تحقیق کے لئے ایک مرکز بھی قائم کیا جا رہا ہے۔

سفیر نے کہا کہ امام خمینی کی کتاب کی 20000 کاپیاں، دوسری مذہبی کتابیں اور فارسی دانی کی کتابیں بھی چھاپی جا رہی ہیں۔ تاکہ ان کو تاجکستان میں بڑے پیمانے پر تقسیم کیا جا سکے۔

قرغزستان

بی بی سی (17.2.93) کے مطابق قرغزستان کے وزیر اعظم نے اسلامی بنیاد پرستی کو ایک متعدی مرض قرار دیا۔

لندن آنے پر انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ان کی حکومت ایران کی سرپرستی میں پھیلائی جانے والی اسلامی بنیاد پرستی کا خاتمہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

انہوں نے کہا کہ اسلامی بنیاد پرستوں کو (جن کو ایران کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے) اس علاقے میں سیاسی جماعتیں بنا لی ہیں تاکہ وہ حکومت میں آکر سیاسی قوت حاصل کر سکیں۔

قرغزستان کے وزیر اعظم نے اسلامی بنیاد پرستوں پر تاجکستان میں خانہ جنگی شروع کرنے کا الزام لگایا اور کہا کہ ان کے اپنے ملک میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، اس لئے ان کو ڈر ہے کہ وہ بنیاد پرستی کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

ازبکستان

ایرانی وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی نومبر 1991 کے آخر میں تاشقند گئے اور کہا کہ وہ یہ جاننے کے لئے ازبکستان آئے ہیں کہ دونوں ملک کن کن شعبوں میں تعاون کر سکتے ہیں۔

صدر اسلام کریموف سے ملاقات کے بعد انہوں نے کہا کہ "میں نے ایران اور مشرق بعید کے درمیان تاشقند کے راستے ہوائی رابطہ کی تجویز پیش کی ہے۔ میری دوسری تجویز تاشقند اور مشہد کے درمیان کارگو ٹرین چلائے جانے کی ہے"۔

ازبکستان کے صدر نے نومبر 1992 میں ایران کا دورہ کیا اور صدر رفسنجانی سے مختلف شعبوں میں ایران کے ساتھ تعاون پر تبادلہ خیال کیا۔ صدر رفسنجانی نے کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان نفع بخش تعاون افغانستان اور تاجکستان میں امن کا باعث بنے گا۔

بی بی سی (BBC) نے اس دورہ پر اپنے تبصرہ میں (26.11.92) کہا کہ اس دورے سے ازبکستان کے صدر کا یہ اندیشہ یقیناً" کم ہو جائے گا کہ ایران اس علاقے میں سیاسی افراتفری پھیلا رہا ہے۔

صدر کریموف کے دورہ کے دوران ایران اور ازبکستان کے درمیان باہمی تعاون کے لئے متعدد معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ ان میں تجارت، ہوائی سفر، اقتصادی امور، مواصلات، بنکنگ، وغیرہ اہم تھے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ افغانستان میں وحدت پارٹی کی طرز پر وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں بھی ایک پارٹی برلک(وحدت) پارٹی بنی ہوئی ہے جس کی آڑ میں مذہبی علماء اور فعالیت پسند ان ملکوں میں خصوصاً" تاجکستان میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ازبکستان کی حکومت نے دسمبر 1992 میں اس پارٹی پر مکمل پابندی لگا دی۔

مارچ 1993 میں صدر کریموف نے غیر ملکی اخباری نمائندوں کو بتایا کہ انہوں نے اپنے ملک میں اسلامی فعالیت پسندی ختم کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

انہوں نے کہا کہ فعالیت پسندی اس وقت شروع ہوتی ہے جب مذہب سیاست میں دخل اندازی شروع کرتا ہے۔

صدر کریموف نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ تاجک حکومت کی مخالف جماعت کے استعمال کے لئے ایران افغانستان کے راستے تاجکستان میں اسلحہ بھیج رہا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس اسلحہ کی ترسیل کو روکنے کے لئے افغان تاجک سرحد پر بین الاقوامی نگہداشت کا انتظام کیا جائے۔

تاشقند میں سیاسی حلقوں نے تشویش کا اظہار کیا کہ وسطی ایشیا کی ریاستیں روس کے چنگل سے آزاد ہونے کے بعد اب اسلامی بنیاد پرستی (جس کی پیروی ایران کر رہا ہے) کی طرف جھک رہی ہیں۔

تہران کے فارسی روز نامہ جمہوری اسلامی نے اپریل 1993 میں بتایا کہ ازبکستان میں ایران نے اپنا ثقافتی ہفتہ منایا تھا اس موقع پر ایران نے مذہبی کتابوں کی ایک نمائش بھی منعقد کی تھی۔ لیکن ازبکستان کے سرکاری اہلکاروں نے ایران کو مذہبی کتابوں کی نمائش کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کتابیں شیعیت کا پرچار کرتی ہیں۔

ازبکستان کی وزارت خارجہ نے کہا کہ ایرانی نمائش کا افتتاح نہیں ہو سکتا جب تک ایران وہاں اپنی کتابوں کا سٹال بند نہیں کر دیتا۔

اخبار کے مطابق ایرانی وفد کے ایک رکن نے بتایا کہ ازبکستان کے خفیہ اداروں نے ایرانی نمائش کے لئے بھیجی جانے والی ہر چیز کی توہین آمیز طریقے سے تلاشی لی۔

اخبار نے بتایا کہ اگرچہ اس نمائش کا انتظام ازبکستان کی وزارت ثقافت کے مشورہ سے کیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے' افتتاح کے موقع پر اس حکومت کا کوئی نمائندہ وہاں موجود نہیں تھا۔

ایران کے وزیر ثقافت علی لاریجانی جو اس نمائش کے افتتاح کے موقعہ پر تاشقند جانے والے تھے اپنا دورہ منسوخ کر دیا اور الزام لگایا کہ ازبکستان حکومت نے ترکی کی حکومت کو خوش کرنے کے لئے ایران کے خلاف یہ سخت رویہ اختیار کیا ہے۔

آزر بائیجان

اس وقت کی جمہوریہ آزر بائیجان 1828 میں روس اور ایران کے مابین ایک معاہدہ کے نتیجے میں عمل میں آئی۔ جمہوریہ آزار بائیجان اور ایرانی آزر بائیجان کے باشندوں کی اکثریت شیعہ مذہب سے تعلق رکھتی ہے جبکہ ان کی زبان ترکی ہے۔

1917 کے قریب جب روس میں کمیونسٹ حکومت آئی تو روسی آزر بائیجان کی ریاست کے ہزاروں باشندے جنوب میں ایرانی علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر روسی آزر بائیجان میں تیل کی دریافت سے خوشحالی کے نتیجے میں ایران میں رہنے والے ہزاروں آزار بائیجانی باشندے ایک بار پھر شمالی علاقے میں جا کر آباد ہو گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوارن اتحادی فوجوں نے ایران پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے تیل سے مالا مال جنوبی ایران پر قبضہ کر لیا جبکہ روسی فوجیں شمالی ایران پر قابض ہو گئیں۔ یہ روسی فوجیں زیادہ تر آزر بائیجانی فوجیوں پر مشتمل تھیں۔

روسیوں کے قبضے کے دوران ایران کے صوبے آزر بائیجان کی ڈیموکریٹک پارٹی نے داخلی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور آزر بائیجانی زبان (ترکی) کو سرکاری حیثیت دے دی۔ پارٹی کے سربراہ سید جعفر نے علاقے میں زرعی اصلاحات نافذ کر دیں اور روس کی مدد سے تبریز میں اپنا ایک ریڈیو اسٹیشن بھی قائم کر لیا۔

سوویٹ روسی حکمران ایران پر اپنے قبضے کے دوران آزر بائیجان کی اس حکومت کو سہارا دیتے رہے۔ جنگ عظیم دوئم کے خاتمہ پر جب شمالی ایران سے روسی فوجوں کا انخلا شروع ہوا تو ساتھ ہی وہاں کے ہزاروں روسی حامی بھی ایرانی آزر بائیجان خالی کر گئے۔ اب اس علاقے میں جو لوگ رہ گئے وہ ایرانی فوجوں کی موجودگی میں بے بس تھے۔ اس طرح 1946 میں ایرانی آزر بائیجان کی

ندگی کی جدوجہد دم توڑ گئی ۔ حکومت ایران نے آزر بائیجانی زبان کی سرکاری
یت ختم کر کے پابندی لگا دی۔

گورباچوف کی لبرل اور آزاد پالیسی کے نتیجے میں روسی آزر بائیجان میں
سیاسی جماعتیں وجود میں آ گئیں' ان میں ایک بڑی جماعت آزر بائیجان پاپولر
رنٹ تھی جس کا مطالبہ روسی اور ایرانی آزر بائیجان کا اتحاد تھا۔ 1989 تک
ں جماعت نے کافی مقبولیت حاصل کر لی یہاں تک کہ 31 دسمبر 1989 کو لوگوں
ے شمالی اور جنوبی علاقوں کے درمیان قائم سرحدی تنصیبات گرا دیں اور
لاکھوں لوگ روسی علاقے سے جنوب میں ایرانی آزر بائیجان میں داخل ہو گئے۔
ں کارروائی سے ایران کی حکومت کو تشویش ہوئی لیکن وہ بے بس رہی۔

تہران اور ماسکو کے درمیان 1990 میں ایک معاہدے کے ذریعے آزر
بائیجانی باشندوں کو شمالی اور جنوبی علاقوں میں 45 کیلو میٹر تک بلا کسی پاسپورٹ
انہ راہ داری کے آنے جانے کی آزادی دے دی گئی اور دونوں علاقوں کے
میان تجارتی اور ثقافتی معاہدے طے پائے۔

سوویٹ روس کے ٹوٹنے کے بعد روسی آزر بائیجان کے باشندوں کی طرف
سے آزادی اور ایرانی آزر بائیجان کے ساتھ اتحاد کا مطالبہ زور پکڑ گیا' انہوں
نے 31 دسمبر کو قومی یکجہتی اور اتحاد کا دن منانے کا اعلان کر دیا۔ اس کے برعکس
یرانی آزریوں نے نسبتاً زیادہ محتاط رویہ اختیار کیا۔

آزر بائیجان کے دونوں حصوں میں مقابلہ جاری ہے۔ ایران جمہوری آزر
بائیجان میں شیعہ عقیدے اور بنیاد پرستی کو فروغ دے رہا ہے جبکہ شمال میں
جمہوری آزر بائیجان کی جماعتیں ایرانی علاقے میں قومی جذبہ کو ہوا دے کر باہمی
اتحاد کے لئے کوشاں ہیں۔

دسمبر 1991 میں روس کی دوسری مسلم ریاستوں کے ساتھ روس کی آزر
بائیجانی ریاست بھی آزاد ہو گئی لیکن اس کی آزادی کو تسلیم کرنے کے معاملے
ں ایرانی حکومت قدرے تذبذب کا شکار رہی اس اندیشے کے سبب کہ اس
دام سے کہیں اس کے اپنے آزری علاقوں میں کسی قسم کے منفی اثرات

مرتب نہ ہو جائیں۔

جنوری 1992 میں ایرانی مجلس کے ایک رکن نے کہا کہ حق و انصاف کی
رو سے روسی آزر بائیجان ایران کا حصہ ہے کیونکہ ایک تو اس کی تمام آبادی
شیعہ ہے اور دوسرے یہ علاقہ ایران کے لئے اقتصادی طور پر بھی اہم ہے۔ یاد
رہے کہ اس علاقے میں یورینیم کے ذخائر موجود ہیں۔

آرمینیا کے ساتھ اپنی لڑائی کے دوارن شمالی آزر بائیجان کی حکومت
اور اخباروں نے الزام لگایا کہ ایران ان کے خلاف آرمینیا کو اسلحہ دے رہا
ہے۔ ایک اور اطلاع کے مطابق ایران نے شمالی آزر بائیجان کے لئے اپنے
گیس کی سپلائی میں کمی کر دی تاکہ آرمینیا کے ساتھ صلح کرنے کے لئے اس
حکومت پر دباؤ پڑ سکے۔ اتفاق سے یہ اس وقت ہوا جب ایران اور آرمینیا
کے درمیان اقتصادی' تجارتی' مواصلاتی' تیل اور گیس کی سپلائی' بینکنگ' کسٹمز
وغیرہ کے متعلق معاہدے طے پا چکے تھے۔

اطلاعات کے مطابق ایران نے فیصلہ کیا کہ وہ یورپ کو گیس کی سپلائی
کے لئے پائپ لائن آرمینیا کے راستے سے گزار کر پہنچائے تاکہ ایرانی گیس
براستہ آرمینیا یورپ کو براہ راست سپلائی کی جا سکے اور اس طرح وسطی ایشیا
کی دوسری ریاستوں پر اس کا انحصار ختم کیا جا سکے۔

آرمینیا سے براہ راست آمدو رفت کے لئے دریائے اراکس پر 100
میٹر لمبا ایک متحرک پل بھی تعمیر کیا گیا۔ ریڈیو یاریوان نے بتایا کہ اس پل کے
بننے سے آرمیا اور ایران کے درمیان تجارتی اور اقتصادی تعاون میں مزید
اضافہ ہو گا۔

ریڈیو تہران نے کہا کہ اس پل کی تعمیر کے بعد آرمینیا کو زندگی کی
بعض ضروری اشیا کے ساتھ مٹی کا تیل سپلائی کرنے میں آسانی ہو گی کیونکہ اس
سے پہلے جمہوریہ (روس) آزر بائیجان ان ضروریات کو آرمینیا بھیجنے میں
رکاوٹ تھا۔

جمہوریہ آزر بائیجان کی حکومت نے آرمینیا کی طرفداری کرنے اور

اس کو اسلحہ دینے کے خلاف مئی 1992 میں ایران سے سخت احتجاج کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے آرمینیا کی امداد جاری رکھی تو وہ اپنی مدد کے لئے ترکی سے رجوع کرے گا۔

جمہوریہ آزر بائیجان کے نئے صدر ابو الفیض ایلچی بے نے کہا کہ ایرانی آزر بائیجان میں لوگوں کو بنیادی حقوق بھی میسر نہیں اور وہ ان کو آزادی دلانے میں ہر ممکن اقدام کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ آرمینیا کے ساتھ ہمارے تنازعہ میں ایران ہمارے دشمن کی فوجی اور مالی مدد کر رہا ہے' ایران کو جس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

ایلچی بے نے کہا جمہوریہ آزر بائیجان میں ایرانی طرز کی حکومت بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صدر نے کہا "ایران کے یک طرفہ رویے سے اس پر ہمارا اعتماد پارہ پارہ ہو گیا ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "ایران نے ثالثی کی پیش کش اس وقت کی جب آرمینیا ہمارے کئی شہروں پر قبضہ کر چکا ہے"۔

ایرانی اخباروں اور ریڈیو نے جمہوریہ آزر بائیجان کے نئے صدر پر شدید نکتہ چینی کی اور اسرائیل کو تسلیم کرنے پر ان کو سخت برا بھلا کہا۔

تہران کے فارسی روز نامہ ابرار (30.7.92) نے اپنی حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ جمہوریہ آزر بائیجان کے حکمرانوں کے ساتھ تعلقات میں سخت رویہ اختیار کرے یہاں تک کہ وہ ایران سے متعلق اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

بی بی سی (BBC) کے نمائندے نے 4.4.93 کو اس علاقے کے مسائل سے آشنا ایک ماہر سے پوچھا کہ ایران دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں (خصوصاً" شیعوں) کی پشت پناہی کرتا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آرمینیا میں وہ عیسائیوں کی مدد کر رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ماہر نے بتایا کہ ایران کے اپنے علاقے میں بھی چونکہ آزر بائیجانی باشندے بستے ہیں اور ان کا مذہب' زبان اور ثقافت وہی ہے جو شمالی آزر بائیجان

کے لوگوں کی ہے لہٰذا اس ڈر سے کہ کہیں اس کے اپنے آزری باشندے جمہوری آزر بائیجان کے لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور کہیں ان کے اندر علیحدگی کے رجحانات اور جزبات شدت اختیار نہ کر جائیں چنانچہ ایران نہیں چاہتا کہ جمہوریہ آزر بائیجان خوشحال اور طاقتور ہو۔ اس نے رائے ظاہر کی کہ ایران بہرصورت اس علاقے کو کمزور دیکھنا چاہتا ہے۔

ایرانی اخباروں کے اندازے کے مطابق پچھلے کئی سال سے ایران کے آزر بائیجانیوں کا جمہوریہ آزر بائیجان کے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ بہت بڑھ گیا ہے اور سینکڑوں ایرانی نوجوان شمال میں جا کر وہاں کی لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کر رہے ہیں۔ اخباروں نے بتایا کہ اس کے برعکس اب تک کسی جمہوری آزری نے ایرانی علاقوں میں جا کر کسی لڑکی سے شادی نہیں کی' شاید اس لئے کہ ایران میں شادی کے اخراجات نسبتاً" کہیں زیادہ ہیں۔

ایرانی حکومت نے ان رجحانات کا سخت نوٹس لیا اور اس اندیشے کے تحت کہ یہ رجحان ملک کے لئے آئندہ خطرناک ثابت نہ ہو' ان شادیوں پر سخت پابندی لگا دی۔

جون 1993 میں صدر ایلچی بے کی برطرفی پر ایران میں بڑے پیمانے پر خوشیاں منائی گئیں اور ذرائع ابلاغ نے اس واقعہ کو ترکی اور نیشلسٹ تحریک کے لئے ہزیمت اور آزری مذہبی طبقہ اور ایران کی فتح قرار دیا۔

بحیرہ خزر کے ساحلی ملکوں کا اتحاد

فروری 1992 کے دوران تہران میں ای سی او (ECO) کا سربراہی اجلاس جاری تھا کہ ایران کے حکمرانوں نے بحیرہ خزر کے ساحلی ملکوں کے سربراہوں کا اچانک ایک علیحدہ اجلاس بلا کر اور ECO کی متوازی تنظیم کا اعلان کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

اس تنظیم میں بحیرہ خزر کے تمام ساحلی ممالک یعنی ایران، روس، آذر بائیجان، قازقستان اور ترکمانستان شامل تھے۔

ایران کے صدر رفسنجانی نے کہا کہ اس نئی تنظیم کا مرکزی دفتر تہران میں ہو گا اور اس کا ECO سے کوئی تعلق نہ ہو گا، انہوں نے کہا کہ یہ تنظیم آزادانہ طور پر کام کرے گی۔

ایران کے وزیر خارجہ ولایتی نے اس تنظیم کی اقتصادی اور تجارتی سرگرمیوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ تنظیم جہاز رانی، ماہی پروری، تیل اور گیس کی تلاش، ماحول کا تحفظ اور ایسے دوسرے مسائل پر توجہ دے گی۔

تہران میں سیاسی حلقوں نے بتایا کہ ایران کی سربراہی میں بننے والی اس تنظیم کے مقاصد ابھی واضح نہیں ہیں جبکہ سرکاری حلقوں نے اس بات سے انکار کیا کہ بنیاد پرست ایران نے وسطی ایشیا میں اپنا مزید اثر و رسوخ بڑھانے اور ترکی کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ تنظیم بنائی ہے۔

سیاسی حلقوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اس تنظیم کے بنانے میں ایرانی حکمرانوں کا ایک مقصد روس (جو اپنی جنوبی ریاستوں کے الگ ہونے پر خود کو تنہا محسوس کر رہا ہے) کو خوش کرنا بھی تھا تاکہ وہ اپنے مختلف مقاصد کے حصول کے لئے روس سے اپنے قریبی رابطے قائم رکھ سکیں۔

اب کئی سالوں کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتحاد جس تیزی سے وجود میں لایا گیا تھا اسی رفتار سے زوال پذیر بھی ہو چکا ہے۔

Other contributions by the writer

1. A fifty page report "My Impressions about Iran" prepared in 1967. Govt. of Pakistan had treated this report as a Guide Note on Iran.

2. A book "NOTES ON IRAN (Aryameher to Ayatollahs)" published in 1988.
   The book was primarily based on available sources, such as Iranian newspapers, text-books and official publications to give an idea of what the Shah, his government and the people, and to some extent, the new regime thought and wrote on subjects which were of interest to the whole region in general and to Pakistan in particular. It provides background to Iran's domestic events and foreign policies under the Shah as well as the revolutionary regime.

3. A book "Understanding Homoeopathy" published in 1991.

4. A book "Iran Significants"(10 volumes)
   These 10 volumes are based on news items and comments apppearing in various world and Iranian news media throwing light on Iran's domestic and international policies and Iran's relations and dealings with neighbouring countries during the period from 1991 to 1993. It may be mentioned that this , though short, was the most important period when , after freeing itself from the long war with Iraq, Iran's new regime started formulating new domestic and foreign policies not only to strengthen its foothold inside the country and region but also to restore and re-establish its lost image abroad.